بسم الله الرحمن الرحيم

انتخاب
تفسیر المیزان
(جلد: 8)

تالیف و تصنیف:

علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ

مترجم:

علامہ سید افتخار حسین نقوی النجفی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

تعارف

نام کتاب:	انتخاب تفسیر المیزان
تالیف:	علامہ محمد حسین طباطبائیؒ
ترجمہ و حاشیہ:	سید افتخار حسین نقوی النجفی
معاونت:	مولانا محمد نقی
کمپوزنگ و فارمیٹنگ:	شاہد علی جعفری
فنی معاونت:	قرآن سنٹر، لاہور
جلد:	ہشتم
ناشر:	مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور

ملنے کا پتہ:

قرآن سنٹر لاہور: 042-37211214

معراج کمپنی لاہور: 042-37361214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد: 0333-5234311

فہرست

سورۃ الجمعہ 29

سورہ کے مطالب 29

تمام موجودات کی تسبیح کا عمل 29

امی کا معنی 30

بعثت رسول کا عالمی ہونا 31

رسول اللہؐ کی دعوت اور تبلیغ کے مراحل 31

بعثت کا مقصد 31

کلی ہدف 32

بعثت سے پہلے کے حالات 32

رسول اللہؐ کی بعثت کا دائرہ کار 33

بعثت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 34

بے عمل علماء 34

مسلمانوں کے لیے تنبیہ/پیغام 35

یہودیوں کا جھوٹا دعویٰ 36

یہودیوں کی آزمائش 36

موت حتمی ہے 37

نماز جمعہ کی اہمیت 38

نماز جمعہ کے بعد کے احکام 38

فقہی حکم 39

ابتدائی دور میں مسلمانوں کی حالت 39

سورۃ المنافقون 41

سورہ کے مطالب 41

منافق کی پہچان 41

منافقوں کی جھوٹی قسمیں 42

منافقین کے برے اعمال 43

منافقین کی اصلیت 44

منافقوں کا تکبر و غرور 45

منافقوں کے لیے رسول اللہؐ کی شفاعت کا بے فائدہ ہونا 46

منافقوں کا رویہ 47

منافقوں کے ارادے 48

مومنین کو خرچ کرنے کا حکم 49

سورۃ التغابن 52

سورہ کے مطالب 52

موجودات کا تسبیح کرنا 53

انسان کی خلقت اور ایمان و کفر کا معاملہ 54

آسمانوں اور زمین کی با مقصد خلقت 54

علم خدا 55

مشرکین سے خطاب 56
سابقہ اقوام پر عذاب آنے کی وجہ 56
مشرکین کو جواب 57
ایمان کی دعوت 58
مومن اور کافر کا امتیاز 59
مصائب اور ناگوار حادثات 61
اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت 63
اللہ کی اطاعت سے مراد 63
رسول کی اطاعت سے مراد 64
اللہ کی اطاعت کے وجوب کی وجہ 64
گھر کے اندر سے مخالفت 66
اخلاقی پہلو 66
مومنین کا امتحان 67
استطاعت و توانائی کے مطابق تقویٰ 68
اللہ کے لیے قرض حسنہ 69
سورۃ الطلاق 70
سورہ کے مطالب 70
طلاق اور عدت سے مربوط مسائل 71
طلاق دینے کے بعد کے مسائل 77

خدااور رسول کی نافرمانی کاانجام 79

سورۃ التحریم 82

سورہ کے مطالب 82

ایک حلال چیز کااپنے اوپر حرام کرنے کاواقعہ 83

قسم کو توڑنے کاحکم 84

رسول اکرمؐ کے راز فاش ہونے کاقصہ 85

رسول اکرمؐ کی مددونصرت کااعلان 86

بہترین عورتوں کی صفات کاتذکرہ 87

جہنم کی آگ کاتذکرہ 88

کافروں کے اعمال کانتیجہ 89

توبہ نصوح کاحکم 90

کافروں ومنافقوں سے جہاد میں فرق 92

انبیاء اور صالحین سے صرف رشتہ داری فائدہ مند نہیں............................... 93

فرعون کی بیوی کی مثال.. 94

حضرت مریمؑ کی مثال 95

سورۃ الملک.. 96

سورہ کے مطالب 97

موت وحیات کی خلقت کامقصد... 97

خدا کی حکمت وتدبیر کابیان... 99

انبیاء کو جھٹلانے والوں کا انجام 101
خدا کے علم کی وسعتوں کا بیان 103
عذاب الٰہی سے ڈرانا 105
پرندوں کی پرواز بھی تدبیر الٰہی کا مظہر ہے 106
کافروں پر حجت اور انہیں دائمی عذاب کی نوید 108
سورۃ القلم 114
سورہ کے مطالب 114
لغات 118
دشمنان رسولؐ کی صفات رذیلہ کا تذکرہ 119
لغات 121
صاحبان باغ کا قصہ 121
لغات 123
کفار کی خوش فہمی اور اس کا جواب 127
نعمتوں کی فراوانی عذاب کا سبب بن سکتی ہے 131
لغات 135
نظر بد 135
سورۃ الحاقہ 136
سورہ کے مطالب 136
لغات 137

قوم عاد و ثمود 138

نیک اعمال کا اجر و ثواب 144

جہنمیوں کی صفات 146

رسول اکرمؐ پر لگی تہمتوں کا جواب 149

سورۃ المعارج 152

سورہ کے مطالب 152

نعمان بن حارث فہری کا واقعہ 153

معارج کی تفسیر و تشریح 154

قیامت کے دن انسان کی کیفیت 157

مومنین کی صفات 161

جنت میں داخل ہونے کی شرط ایمان ہے 164

خدا کی قدرت کا بیان 166

سورۃ نوح 168

سورہ کے مطالب 168

حضرت نوحؑ کا مبعوث ہونا 169

حضرت نوحؑ کا شکوہ 171

لوگوں کے ضمیروں کو جھنجوڑنا 173

کائنات اور انسان کی خلقت میں غور و فکر کی دعوت 174

قوم نوحؑ کا انجام 178

سورۃ الجن 180
سورہ کے مطالب 180
جنات کے ایمان لانے کا واقعہ 181
جنات کا مکالمہ 184
جنات کا ایمان لانا 185
سورۃ مزمل 194
سورہ کے مطالب 194
نماز تہجد کا حکم 195
کفار کو موت تک مہلت 198
فرعون جیسی سرنوشت سے لوگوں کو ڈرانا 199
سورۃ مدثر 203
سورہ کے مطالب 204
صور کا پھونکا جانا 208
سرکشوں کی سرزنش 209
ولید بن مغیرہ کی داستان 212
دوزخ پر (۱۹ فرشتوں کے بارے وضاحت) 215
قرآن کی دعوت حق پر مبنی ہے 217
اھل بہشت کا جہنمیوں سے مکالمہ 219
انسان کا ہولناک مناظر کا مشاہدہ 221

اللہ کا نظام ہدایت 222

سورۃ القیامہ 226

سورہ کے مطالب 226

لااُقسم کے بارے 227

انسان کا نفس 227

قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا یقینی ہے 228

انسان کی سرکشی 228

قیامت کے اوصاف 230

انسان کے لیے آگہی 230

قرآن کے بارے بیان 231

ثُمّ کے بارے 233

قیامت کے انکار کی وجہ 234

قیامت کے دن دو گروہ 234

کفار اور مشرکین کی غلط سوچ 236

قیامت کو جھٹلانے والوں کا انجام 236

انسان کی خلقت کا حوالہ 238

انسان کی دو صنفیں 238

سورۃ الانسان 240

سورہ کے مطالب 240

انسان کے لیے وجود کی نعمت.. 240
لغات:... 241
نطفہ، امشاج اور ابتلا کی وضاحت.. 241
ہدایت اور سبیل کا معنی.. 243
شکر نعمت اور کفران نعمت.. 243
ہدایت کی نعمت بارے انسانوں کی تقسیم.. 244
آیت سے اشارہ.. 244
ہدایت کی اقسام 244
لغات:... 245
نیک اعمال میں ایمان کی شرط.. 246
اہل البیتؑ اطہار حقیقی ابرار.. 247
ابرار کے لیے خاص چشمہ 247
اہل البیتؑ کا ایثار.. 248
اللہ کی خوشنودی کے لیے عمل.. 250
عمل لوجہ اللہ سے مراد.. 251
لِوَجہ اللہ کا مطلب.. 251
اللہ کے انعامات.. 252
ابرار کے لیے مزید انعامات 254
ابرار کے لیے کچھ اور مقامات کا تذکرہ.. 255
کفران نعمت اور انکار کرنے والوں کا انجام.. 257

کافروں اور گناہگاروں کے لیے تنبیہ.. 258

قرآن کی آیات وعظ اور نصیحت ہیں.. 258

اللہ کی مشیت و ارادہ.. 259

ظالموں کا انجام.. 260

سورۃ المرسلات 262

سورہ کے مطالب 262

فرشتوں کی ذمہ داریاں 263

قیامت کے دن کا بیان.. 265

مجرموں کی سزا.. 266

انسان کی اصلیت اور خلقت 267

اللہ کی قدرت کے لیے زمین کا حوالہ.. 268

قیامت کا انکار کرنیوالوں کے لیے اللہ کا خطاب.. 270

روز فصل میں کافروں کی حالت 271

کافروں کا اکٹھا ہونا.. 272

بہشتیوں کے حالات.. 273

معاد کو جھٹلانے والوں کی عاجزی کا بیان 274

سورۃ النبا.. 275

سورہ کے مطالب 275

قیامت کے دن مشرکین کی آپس میں گفتگو.. 276

قیامت کے وجود پر دلائل 279
دُنیاوی نظام 279
فیصلے کا دن 281
ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جانا 282
جہنم کے بارے بیان 284
اہل تقویٰ اور نیکوکاروں کا مقام و ٹھکانہ 285
رُوح اور فرشتوں کے بارے بیان 287
قیامت کے دن بارے 288
کافروں کی حالت کا بیان 288

سورۃ النازعات 289
سورہ کے مطالب 289
عالم کی تدبیر کا بیان 290
قیامت کے اوصاف 292
جنتی افراد کا بیان 297
قیامت کے وقت کے متعلق سوال 298

سورۃ عبس 301
سورہ کے مطالب 301
نابینا شخص کا واقعہ 302
بے توجہی اور بے رُخی کا معیار 304

قرآنی آیات کی توصیف 305
قرآن کا نور 305
نافرمان انسان کے بارے بیان 307
انسان کی اصلیت 308
انسان کے لیے اللہ کی نعمات 310
پیغام: 311
اللہ کی تدبیر کا نظام 312
قیامت کے دن انسانوں کے دو گروہ 313
سورۃ التکویر 315
سورہ کے مطالب 315
قیامت کے دن کے اوصاف 317
قرآن کی حقانیت 320
جبرئیلؑ کے اوصاف 321
رسول اللہؐ کی عظمت 322
قرآن کی خاصیت 323
سورۃ الانفطار 325
سورہ کے مطالب 325
قیامت کے آنے کی نشانیاں 326
ناشکرا انسان 327

انسان کے لیے قابل توجہ امر 328

نیکوکاروں اور فاجروں کا انجام 329

قیامت کے دن کی خصوصیت 330

سورۃالمطففین 331

سورہ کے مطالب 331

کم تولنے اور کم فروشوں کے لیے عذاب 332

کم فروشوں کا اعمال نامہ سجین میں 335

نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں 337

ابرار کے لیے نعمات الٰہی 339

دُنیا و آخرت میں مجرموں کا رویہ 340

سورۃالانشقاق 343

سورہ کے مطالب 343

قیامت کے متعلق بیان 344

انسان کی منزل اللہ ہے 344

قیامت کا دن فیصلے کا دن 345

اُخروی احتساب کے منکرین کا انجام 346

انسان کی زندگی کے مراحل 348

ایمان نہ لانے والے کے بارے حیرت کا اظہار 349

سورۃالبروج 351

سورہ کے مطالب 351
شاھد و مشہود کا بیان 352
جابروں اور ظالموں کا انجام 354
مومنوں کو اذیت دینے والوں کا انجام 356
اللہ کی پکڑ اور اللہ کے انعامات 357
اللہ کا انعام 357
فرعونیوں اور ثمودیوں کا انجام 359
رسول اللہؐ کو جھٹلانے والوں کا انجام 359
سورۃ الطارق 361
سورہ کے مطالب 361
قرآن پر مؤکل فرشتہ 362
انسان کی اصلیت 363
قرآن کی حقانیت 364
کافروں کی ناکامی 365
سورۃ الاعلیٰ 367
سورہ کے مطالب 367
پیغمبر کے لیے تسبیح کا حکم 368
رسول اللہؐ پر مہربانیوں کا تذکرہ 370
دُنیاوی تعلقات سے دوری کا حکم 372

کامیابی کا نسخہ 373

سورۃ الغاشیہ 375

سورہ کے مطالب 375

قیامت کی توصیف اور مجرموں کی حالت زار 376

اہل بہشت کی حالت 378

اللہ تعالیٰ کی عالم میں تدبیر 379

زمین کی فضائی حیات 380

حساب کا دن 381

سورۃ الفجر 383

سورہ کے مطالب 383

قسموں سے مقصود 384

ماضی کے بڑے فسادیوں کا عبرتناک انجام 386

انسان کی طبعیت و مزاج 387

انسان کی ناشکری 388

قیامت کے دن کا عذاب اور انسان کی آرزو 390

نفس مطمئنہ کے لیے انعام 391

سورۃ البلد 393

سورہ کے مطالب 393

انسان کی خلقت کے بارے 394

انسان کی متکبرانہ سوچ 395
انسان پر اللہ کے احسانات 396
اللہ کی رضا کے حصول کا معیار 398
نافرمان کی سزا 399
سورۃ الشمس 401
سورہ کے مطالب 401
کامیاب اور ناکام انسان 402
نبی صالح کی قوم کا انجام 406
سورۃ اللیل 409
سورہ کے مطالب 409
انسان کی سعی و کوشش کے متعلق بیان 410
دعوتِ حق کو جھٹلانے والوں کی سزا 414
تقویٰ اختیار کرنے والوں کی جزاء 415
پیغام: 416
سورۃ الضحیٰ 417
سورہ کے مطالب 417
رسول پاکؐ کے لیے تسلی اور عطاء الٰہی 418
رسول اللہؐ کی رضایت 419
رسول اللہؐ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات 419

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی فرمان.. 421

سورۃ الانشراح.. 423

سورہ کے مطالب... 423

رسول اللہؐ پر اللہ کی مہربانیاں.. 424

اللہ کی سنت و روایات کا تذکرہ... 425

سورۃ التین.. 429

سورہ کے مطالب... 429

اللہ تعالیٰ کی خاص نشانیاں... 429

انسان کی خلقت اور اس کی ترقی اور تنزلی.. 430

اللہ کی نعمتوں کو جھٹلانے والوں کے بارے سوال.................................. 432

سورۃ العلق.. 433

سورہ کے مطالب... 433

انسان کی خلقت اور پڑھائی کا حکم.. 433

توحید ربوبی.. 434

قلم، تعلیم کا ذریعہ.. 435

انسان کی سرکشی کا بیان.. 436

انسان کے لیے راہ ہدایت کا سامان.. 437

رسول خداؐ کو عبادت سے روکنے والوں کا انجام................................... 439

سورۃ القدر.. 441

سورہ کے مطالب 441

قرآن کا نزول اور شب قدر 441

شب قدر کی عظمت 442

شب قدر کی عظمت واہمیت کا بیان 442

سورۃ البینہ 445

سورہ کے مطالب 445

رسول اللہؐ کا پیغام اور آسمانی کتب کا تعارف 445

اہل کتاب کا اختلاف کرنا 446

ایک اللہ کی عبادت، رسول اللہؐ کی عمومی دعوت 447

کافروں اور مشرکین کے لیے آتش جہنم 449

مؤمنین کے لیے بشارت 450

سورۃ الزلزال 453

سورہ کے مطالب 453

قیامت بپا ہونے کی کیفیت کا بیان 454

قیامت کے دن تمام اعمال کا مشاہدہ 455

سورۃ العادیات 457

سورہ کے مطالب 457

غزوۂ سلاسل 458

انسان کی طبیعت ومزاج 459

سورۃ القارعۃ 460
سورہ کے مطالب 461
قیامت کے دن کے حالات 461
نیک اور بُروں کا انجام 463
سورۃ التکاثر 464
سورہ کے مطالب 465
غفلت کا نتیجہ 465
انسان کا بے مقصد کاموں میں مصروف رہنے کا انجام 467
اللہ کی نعمت کے بارے سوال 467
سورۃ العصر 469
سورہ کے مطالب 469
کامیاب انسان اور خسارہ اُٹھانے والا انسان 469
سورۃ الھمزۃ 472
سورہ کے مطالب 472
بد بخت انسان کے اوصاف 473
آتش جہنم کے بارے 474
سورۃ الفیل 476
سورہ کے مطالب 476
اصحابِ فیل کا انجام 477

سورۃ القریش 480
سورہ کے مطالب 480
قریش مکہ پر اللہ کا احسان 481
سورۃ الماعون 482
سورہ کے مطالب 482
قیامت کو جھٹلانے والے 483
سورۃ الکوثر 486
سورہ کے مطالب 486
رسول اللہؐ کے لیے خاص عطیہ 487
سورۃ الکافرون 488
سورہ کے مطالب 488
کافروں کے لیے دوٹوک اعلان 489
سورۃ النصر 492
سورہ کے مطالب 492
فتح مکہ کے بعد کی صورتحال 493
سورۃ اللھب 494
سورہ کے مطالب 494
سورۃ الاخلاص 496

سورہ کے مطالب 496
احد سے مراد 497
الصمد سے مراد 497
اللہ کا کوئی شریک نہیں 498
سورۃ الفلق 500
سورہ کے مطالب 500
اللہ کی پناہ میں آنے کا عمل 501
سورۃ الناس 504
سورہ کے مطالب 504
جنی اور انسانی شیطانوں سے بچاؤ 505

سورۃ الجمعہ

(مدنی۔ کل آیات: ۱۱)

سورہ کے مطالب

مومنین کو نماز جمعہ کی اہمیت بتانا۔ دینی معارف سے آشنائی حاصل کرنا، تذکیہ و تعلیم کا بیان، بعثت رسول کا ہدف، یہودیوں کا مزاج، بے عمل علماء کا نماز کی بجائے لہو و لعب میں مصروف ہونے کا نقصان۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الۡاَرۡضِ الۡمَلِكِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۞

ترجمہ: ''جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو بادشاہ ہے نہایت پاکیزہ، بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔''

تمام موجودات کی تسبیح کا عمل

اس سورہ کا آغاز بھی اس خبر سے ہے کہ تمام موجودات اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں۔ اللہ کی تسبیح کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہر موجود اپنے مقام پر یہ بتا رہا ہے کہ اللہ بے نیاز ہے، اللہ غنی بالذات ہے، کسی کا محتاج نہیں، اللہ کمال مطلق ہے، ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ اس آیت میں اللہ کی چار صفات بیان ہوئی ہیں:۔

۱۔ ملک: اللہ ہی حاکم یا بادشاہ ہے، سب اس کے مملوک و رعیت ہیں لہٰذا سی کی قدرت کو بیان کیا جائے۔

۲۔ قدوس: بہت ہی مقدس، بہت ہی طاہر و پاک، ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔

۳۔ عزیز: مقتدر ہے، صاحب اقتدار ہے، صاحب عزت ہے، اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا، سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔

۴۔ حکیم: اس کے تمام افعال و اعمال مضبوط و محکم ہیں، ہر شئی کا وجود کسی منفعت کے تحت ہے، کوئی بھی موجود بے فائدہ اور بے مقصد نہیں ہے۔

لہٰذا وہ اللہ جو ایسی صفات و اسماء حسنیٰ کا مالک ہے اس کا دین و قانون بنانا، کتابوں کا نازل کرنا، رسولوں کو مبعوث کرنا سب انسانوں اور جنات کے نفع و مصلحت کے تحت ہے اور اس قانون کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت، ان کی تربیت و تعلیم کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سب اللہ کی جانب سے فضل و احسان اور کرم ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔“

اُمی کا معنی

اُمی ایسے شخص پر بولا جاتا ہے جو اس طرح ہو جیسے ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا کہ وہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ اس کی جمع امیین ہے۔ اُمیوں میں رسول ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔

امیّوں سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے عرب مراد لیے گئے ہیں جن کی بھاری اکثریت لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی، چند انگشت شمار افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

بعثت رسول کا عالمی ہونا

رسول اللہ ﷺ کا عرب معاشرہ میں مبعوث ہونا جو کہ ان پڑھ تھے اس سے منافات نہیں رکھتا کہ آپ کی رسالت پورے عالَم میں موجود تمام انسانوں کے لیے ہو چاہے وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں موجود ہوں یا ان کے بعد پیدا ہوتے رہیں گے۔ کیونکہ آپ کی رسالت کے چند مرحلے ہیں۔

رسول اللہؐ کی دعوت اور تبلیغ کے مراحل

پہلے بیان ہو چکا کہ رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کے کئی مراحل ہیں:۔

پہلا مرحلہ: آپ کی دعوت کا پوشیدہ اور مخفیانہ طریقہ تھا جو گھر کے چند افراد تک محدود تھا۔ اِکّا دُکّا باہر کے افراد اس دعوت میں شامل تھے۔

دوسرا مرحلہ: اپنی قوم (خاندان) اور قبیلہ میں تبلیغ کرنا۔

تیسرا مرحلہ: تمام عربوں کے لیے تبلیغ کرنا۔

چوتھا مرحلہ: عرب دنیا سے باہر کے لوگوں میں تبلیغ کرنا۔

یہ اللہ کا انسانوں پر احسان ہے کہ ان کے لیے ایسا رسول بھیجا جس کی تبلیغ کا دائرہ عالَمی ہے اور سب انسانوں اور تمام جنات کے لیے ہے۔

بعثت کا مقصد

اس آیت میں تبلیغ اور رسول اللہ کی بعثت کا ہدف بیان کیا گیا ہے۔

کلی ہدف

اللہ کے کلام کو لوگوں کے لیے تلاوت کرنا، اللہ کے پیغامات انہیں سنانا۔ اس جگہ اللہ کی کتاب کو بعثت کا مقصد کلی بیان کیا ہے پھر اس کی فصلیں اس طرح بیان کی ہیں:۔

رسول ان لوگوں کو بری عادات، اخلاق رذیلہ، گھٹیا صفات سے پاک کرتے ہیں انہیں اچھی عادات، اخلاق حسنہ اور اعلیٰ صفات اپنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے اندر سے بغض و کینہ، نفرتیں، بدگمانی کو دور کرتے ہیں، ان کے اندر اعتماد، حسن ظن، اچھے خیالات، اچھی سوچ کو پیدا کرتے ہیں یعنی ان کے درمیان رہ کر ان میں ایسے حالات پیدا کرتے ہیں کہ وہ آپ کی بات کو سنیں اور اس کا اثر لیں۔ آپ کتاب میں بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں انسانوں کی تربیت کرنے آئے ہیں اور تربیت کے بعد انہیں تعلیم دیتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم ،اسلامی معارف کی تعلیم، دانائی کی تعلیم اور حکمت کی تعلیم۔ اس جگہ یہ اشارہ دیا ہے کہ تعلیم سے پہلے تربیت ضروری ہے۔ جس تعلیم سے پہلے تربیت نہ ہو، وہ تعلیم بے اثر ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ اس طرح قرآن کے مشکل مفاہیم کو سمجھاتے ہیں اور قرآن میں جن احکام کو اجمال میں بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیلات بیان کرتے ہیں، انہیں شرک و کفر، بت پرستی کی پستی سے نکال کر سعادت و کمال کے راستے پر لاتے ہیں۔

بعثت سے پہلے کے حالات

آیت میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے مکہ میں رہنے والوں اور عمومی طور پر عربوں کی صورتحال بیان کی گئی ہے کہ وہ سب جہالت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے ان گمراہوں پر احسان و فضل ہوا کہ اس نے ان کی ہدایت کے لیے جو اپنا اصلی مقام کھو چکے تھے اپنے مالک کو بھول چکے تھے، غلط عقائد میں پھنس چکے تھے ان ہی میں سے

ایک رسول بھیجا۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقصد کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳﴾

ترجمہ: "اور (ان) دوسرے لوگوں کے لیے بھی (مبعوث ہوئے) جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔"

رسول اللہؐ کی بعثت کا دائرہ کار

اس آیت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت فقط عربوں کے لیے نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں کے لیے رسول ہیں چاہے وہ آپؐ کے زمانے کے عرب ہوں یا آپؐ کے بعد آنے والے اسی طرح آپ غیر عرب کے لیے بھی اسی طرح رسول ہیں جس طرح عربوں کے لیے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد جو ابھی عربوں سے ملحق نہیں ہوئے عجم (غیر عرب) ہیں۔

اس جگہ اللہ کی دو صفات بیان کی گئی ہیں کہ اللہ عزیز ہے، صاحب قدرت و صاحب عزت ہے وہی مقتدر ہے، اسی کا سب پر اقتدار ہے، عرب ہوں، عجم ہوں سب پر اسی کی حکمرانی ہے وہ غالب ہے مغلوب نہیں۔ وہ حکیم ہے اس کا ہر کام حساب شدہ، مضبوط و محکم ہے اس میں کوئی کمزوری نہیں اسی بناء پر اس نے سب انسانوں پر احسان کیا ہے یہ احسان فقط عربوں کے لیے نہیں ہے کیونکہ وہ حکیم ہے۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴﴾

ترجمہ: "یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے وہ عنایت فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔"

بعثت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ تعالیٰ کا انسانوں کی ہدایت کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمانا ایک عظیم امر ہے۔ یہ امر بڑا ہی محترم ہے، لہٰذا انسانوں کے لیے یہ اللہ کی جانب سے بڑا فضل ہے ۔ اللہ جسے چاہے اپنا فضل عطاء فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے اپنے حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اُمت کی ہدایت کے لیے منتخب کیا ہے۔ اللہ ہی بڑے فضل والا ہے۔ ہر فضل، ہر کرم اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کام میں بھی اللہ کا فضل و کرم ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: ”ان کی مثال جن پر توریت کا بوجھ ڈال دیا گیا پھر انہوں نے اس بوجھ کو نہیں اٹھایا، اِن کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، بہت بری ہے ان لوگوں کی مثال کہ جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلا دیا اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا۔“

بے عمل علماء

اس آیت میں یہود کے علماء بارے بیان ہے کہ یہودیوں کو کتاب توریت کی تعلیم دی گئی، انہوں نے ان تعلیمات پر عمل نہیں کیا۔ ان بے عمل علماء کی مثال ایسے ہے جیسے گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں کیونکہ علم کا بار تو اس حیوان نے اٹھار کھا ہوتا ہے لیکن وہ خود ان کتابوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اس کے پاس کتاب کے اندر موجود حقائق اور معارف سے آگاہی

نہیں ہے۔ ایسے حیوان کو ان کتابوں کو اٹھانے میں تھکاوٹ کے سوا کچھ نصیب نہ ہو گا۔ تعلیمات لینے کے بعد ان کے مطابق عمل نہ کرنے والے بے عمل علماء کے لیے بھی یہی تعلیمات عذاب کا سبب ہوں گی۔ ایسی قوم بہت ہی بری قوم ہے جس نے اللہ کے احکامات پر عمل نہ کیا، اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور تعلیمات الٰہی پر عمل نہ کیا۔ اس قوم سے مراد یہودی ہیں جنہوں نے اپنے اعمال کے ذریعہ ظلم و ستم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ستمگاروں اور ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ لوگ ہمیشہ کے لیے گمراہی اور تباہی میں باقی رہیں گے۔

مسلمانوں کے لیے تنبیہ / پیغام

مسلمانوں کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تم لوگ یہودیوں کی طرح نہ ہوں، اپنی حرکات و سکنات پر توجہ رکھو۔ الٰہی معارف جاننے کے بعد ان کی عملی مخالفت نہ کرو۔ قرآنی تعلیمات حاصل کرنے کے بعد ان تعلیمات کی مخالفت نہ کرو، جو کچھ رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس لے کر آئے ہیں، اسے معمولی نہ جانو، اس کی اہمیت کو سمجھو اور اللہ کے غضب سے ڈرتے رہو۔ یہ ایک الٰہی قانون ہے کہ جو بھی اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے الٰہی کتاب کی تعلیمات کے مطابق عمل نہیں کرتا اور اللہ کے رسول کی عملی مخالفت کرتا ہے وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہو گا اور اللہ کی ناراضگی مول لے گا اور ہمیشہ کی گمراہی اور تباہی ایسے شخص کا مقدر ہو گی۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٦

ترجمہ: ''کہہ دیجئے: اے یہودیت اختیار کرنے والو! اگر تمہیں یہ زعم ہے کہ تم اللہ کے چہیتے ہو اور دوسرے لوگ نہیں تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔''

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: ”اور یہ اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کے سبب موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔“

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: ”کہہ دیجئے: وہ موت جس سے تم یقیناً گریزاں ہو اس کا تمہیں یقینا سامنا کرنا ہوگا پھر تم غیب و شہود کے جاننے والے کے سامنے پیش کیے جاؤگے پھر وہ اللہ تمہیں سب بتادے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔“

یہودیوں کا جھوٹا دعویٰ

ان آیات میں یہودیوں کے جھوٹے دعویٰ کا بیان ہے اور اس دعویٰ کے جھوٹے ہونے کی دلیل بھی پیش کی گئی ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے (پہلے بھی یہی تھا آج بھی یہی ہے) کہ وہ اولیاء اللہ ہیں، اللہ کے دوست وہی ہیں، ان کے سوا دوسرے انسانوں میں سے کوئی بھی اللہ کا دوست نہیں ہے۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ ہمارا ہے اور ہم اللہ کے ہیں، باقی سب کیڑے مکوڑے ہیں اور ہماری خدمت کے لیے ہیں کیونکہ ہم اللہ کے خاصان ہیں۔ جب کہ وہ اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

یہودیوں کی آزمائش

رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ یہودیوں کے اس دعوے بارے ثبوت مانگ لو۔ ان سے کہو کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو پھر موت کی تمنا کرو۔ پھر خود اللہ نے اپنے

رسول ﷺ کو بتادیا کہ یہ لوگ بالکل مرنے کی تمنا نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے اپنی دنیا آباد اور آخرت برباد کر رکھی ہے انہوں نے جو اعمال آگے بھیجے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ان اعمال کا نتیجہ ان کے خلاف جائے گا لہٰذا وہ مرنا نہیں چاہتے، اسی دنیا میں رہ کر فائدے اٹھانا چاہتے ہیں انہوں نے دنیا میں ظلم کیا ہے، یہ لوگ ستمگار ہیں، ان کے اعمال توریت میں دی گئی تعلیمات کے خلاف ہیں، وہ اس سے آگاہ ہیں، ان کو معلوم ہے کہ ان کی کارستانیوں کی انہیں سزا ضرور ملے گی کہ وہ موت سے فراری ہیں۔ اللہ ان ظالموں کے ناشائشتہ اور ظالمانہ کردار سے آگاہ ہے اور ستمگار اللہ کے دشمن ہیں، اللہ کے اولیاء نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کی آرزو نہیں کرنا چاہتے۔ موت اللہ کی ملاقات کا ذریعہ ہے، لہٰذا موت سے بھاگتے ہیں لیکن بھاگ نہیں سکتے موت ان کے پاس آن پہنچے گی اور انہیں اپنی آغوش میں لے لے گی۔

موت حتمی ہے

رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ ان یہودیوں کو یہ خبر دے دو کہ تم موت سے فراری ہو لیکن موت نے ہر صورت آنا ہے۔ موت ایسا سلسلہ ہے جس سے کوئی فرار نہیں کر سکتا۔ موت کے بعد تم اپنے پروردگار کی جناب میں حاضر ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا حساب لے گا اور تمہارے ظلم و ستم کی تمہیں سزا دے گا۔ تم نے دنیا میں اللہ کی بندگی کا لباس اپنے تن سے اتار پھینکا ، اللہ تمہیں ان اعمال سے آگاہ کرے گا جو تم نے دنیا میں انجام دیئے ہیں کیونکہ اللہ ظاہر و باطن، غیب اور شہادت، سب سے آگاہ ہے اس پر کچھ مخفی و پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کے برے اثرات کی تمہیں سزا دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۹

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت ترک کر دو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''پھر جب نماز ختم ہو جائے تو (اپنے کاموں کی طرف) زمین میں بکھر جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

نماز جمعہ کی اہمیت

ان آیات میں نماز جمعہ اور ذکر الٰہی کی اہمیت و افادیت پر زور دیا گیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ جمعہ کے دن جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے تو سارے کاروبار، خرید و فروخت اور دوسرے کام کاج چھوڑ کر اللہ کے ذکر کی طرف جاؤ۔ یعنی نماز جمعہ میں شرکت کے لیے دوڑ پڑو، تاخیر نہ کرو اور نماز کی ادائیگی میں رکاوٹ بننے والے ہر عمل کو ترک کرو۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں تمہارا فائدہ ہے اگر تم سمجھ لو تو۔

نماز جمعہ کے بعد کے احکام

جب نماز جمعہ ختم ہو جائے تو دوبارہ اپنے کاموں میں مصروف ہو جاؤ اور رزق کی تلاش میں نکلو، اپنے کاروبار میں کامیابی کے لیے اللہ کا ذکر کرو، اللہ کو یاد کرو۔ اللہ کا فضل یہی ہے جو تمہیں رزق کی صورت میں ملتا ہے۔ اسی طرح باقی اعمال ہیں جیسے مریض کی عیادت کرنا، لوگوں کی مشکلات حل کرنے میں مدد کرنا، دینی بھائیوں سے ملاقات کرنا، اللہ کو دل

اور زبان سے یاد کرنا، اس امید کے ساتھ کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے اور ہلاکت اور بد بختی سے نجات پا سکو۔

فقہی حکم

اس آیت سے نماز جمعہ کے وجوب کو ثابت کیا جاتا ہے۔ فقہ جعفری کے تحت زمانہ غیبت امام مہدی علیہ السلام میں اکثر فقہاء کے نزدیک نماز جمعہ واجب تخییری ہے۔ یعنی نماز جمعہ پڑھیں یا نماز ظہر ادا کریں۔ ضروری ہے کہ نماز جمعہ باجماعت ادا کی جائے اور کم از کم پانچ نمازی ہوں تو نماز جمعہ قائم ہو سکے گی۔ نماز جمعہ دو مختلف جگہوں پر قائم ہو رہی ہو تو ان کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہونا چاہیے۔

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَاۨ انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآىِٕمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱

ترجمہ: ''اور جب انہوں نے تجارت یا کھیل تماشا ہوتے دیکھ لیا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو (نماز جمعہ کے خطبے میں) کھڑے چھوڑ دیا، کہہ دیجئے: جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔''

ابتدائی دور میں مسلمانوں کی حالت

اس آیت میں ابتدائی دور کے مسلمانوں کے بارے آگاہی دی گئی ہے۔ نماز جمعہ دو رکعت ہے اور اس سے پہلے دو خطبے دیئے جاتے ہیں۔ اس دور میں ایسا ہوتا تھا کہ باہر سے تجارتی کاروان تازہ مال لے کر جب بازار میں پہنچتے تھے تو اس کا باقاعدہ اعلان ہوتا تھا اور بازار

مسجد نبوی کے ساتھ متصل تھا۔ نماز جمعہ کے وجوب کا حکم آنے کے بعد ایک دفعہ تجارتی کاروان جمعہ کے دن مدینہ آیا جبکہ مسلمان نماز جمعہ پڑھنے میں مشغول تھے۔ آواز دی گئی کہ فلاں تجارتی کاروان آگیا ہے تو نمازی اس فکر سے کہ مال ختم نہ ہو جائے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑا کر بازار جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بری حرکت سے منع کیا اور ان کی مذمت کی اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے، نماز جمعہ کے خطبے کو چھوڑ کر جانا تمہارے لیے بہت ہی برا عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا خطبہ سننا تم پر واجب تھا اور اس میں تمہارے لیے خیر و برکت تھی۔ تفسیر قمی اور تفسیر در المنثور میں ہے کہ جب تجارتی کاروان کا طبل بجا تو سارے نمازی اٹھ کر چلے گئے فقط ۱۲ آدمی موجود رہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ بارہ آدمی موجود نہ رہتے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے فرار کرنے والوں پر پتھر برساتا۔ یہ کاروان شام سے آیا تھا۔ اس دوران یہ سورہ نازل ہوئی اور اس میں نماز جمعہ کے بارے تاکید اور ذکر الٰہی کی اہمیت بیان کی گئی اور بتایا گیا کہ روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ پر بھروسہ کرو، رسول اللہ ﷺ کو تنہا نہ چھوڑو، نماز جمعہ سے پہلے خطبہ سننا ضروری ہے۔ اللہ کی طرف سے ملنے والا ثواب ہی حقیقی خیر ہے اور اصلی بچت اور منفعت اسی میں ہے باقی سب زائل ہونے والا ہے۔ اس جگہ تجارت کے ساتھ لہو و لعب اور کھیل تماشہ کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ بتایا جائے کہ اللہ کا ذکر چھوڑ کر لہو و لعب میں جانا سوائے خسارے اور نقصان کے اور کچھ نہیں ہے اور تم اپنے آپ کو لہو و لعب سے بچا کر رکھو۔

پیغام: اطاعت رسول ﷺ واجب ہے رسول ﷺ نے جو احکام دیئے ہیں اُن پر عمل کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کی فلاح و کامیابی اتباع رسول ﷺ میں ہے۔ زبانی جمع خرچ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سورۃ المنافقون

(مدنی۔ کل آیات: ۱۱)

سورہ کے مطالب

رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے منافقین کو رسوا کرنا، منافقین کو استغفار سے منع کرنا، انفاق کی تشویق اور حوصلہ افزائی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُہٗ ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ''منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو بھی علم ہے کہ آپ یقیناً اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے یہ منافقین یقیناً جھوٹے ہیں۔''

منافق کی پہچان

منافق اسے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرے لیکن باطن میں کافر ہو، جو ظاہر کچھ کریں اور ان کے اندر کچھ اور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں اپنے رسول ﷺ کو آگاہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ آپ کے پاس آکر بظاہر اعلان کرتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو، اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ اس پر گواہ ہے لیکن یہ لوگ منافق ہیں، جھوٹ بول رہے ہیں، باطن میں یہ لوگ تیری رسالت کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے جھوٹ پر مہر ثبت کر دی ہے۔

جھوٹ دو طرح کا ہوتا ہے:۔

ا۔ایسی خبر دینا جو خلاف حقیقت ہو، اسے جھوٹی خبر کا عنوان دیا جاتا ہے۔

۲۔جو بات کہی جارہی ہے وہ سچ اور حقیقت پر مبنی ہو لیکن جو شخص خبر دے رہا ہے وہ جھوٹا ہے اس کا اس خبر کے مضمون پر عقیدہ نہیں ہے، وہ جھوٹ بول رہا ہے کہ اس کا ایسا عقیدہ ہے، منافق جھوٹا شخص ہوتا ہے جو وہ کہہ رہا ہوتا ہے باطنی طور پر وہ اس کا قائل نہیں ہوتا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲

ترجمہ: ”انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، پھر وہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، جو کچھ یہ کرتے ہیں یقیناً برا ہے“

منافقوں کی جھوٹی قسمیں

اس آیت میں منافقوں کے ایک اور برے عمل کی نشاندہی کی ہے۔ منافقین دوغلے ہیں، ان کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ وہ اس برائی کے ساتھ ساتھ جھوٹی قسمیں بھی اٹھاتے ہیں اور انہیں اپنے لیے ڈھال بناتے ہیں اور ان قسموں کے ذریعہ اللہ کے راستہ کو بند کرنے کے درپے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اللہ کے راستہ پر کوئی نہ آئے اس کے لیے وہ جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ لوگوں کو دین سے منحرف کرنا چاہتے ہیں، حقیقت میں اس طرح انہوں نے بہت برے اعمال انجام دیئے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳

ترجمہ: ”یہ اس لیے ہے کہ یہ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے، پس ان کے دلوں پر مہر لگ گئی لہٰذا اب یہ سمجھتے نہیں ہیں۔“

منافقین کے برے اعمال

منافقین کے برے اعمال، ان کی جھوٹی قسمیں اور اللہ کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا سب اس لیے ہے کہ یہ لوگ زبان سے تو ایمان لائے، اسلامی عقائد کا اقرار کر لیا، لا الہ الا اللہ کا ورد کیا لیکن باطنی طور پر کافر ہیں۔ ان کی زبان پر اللہ اور باطن میں غیر اللہ ہے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو پہلے تو سچ مچ ایمان لے آئے لیکن بعد میں کافر اور مرتد ہو گئے لیکن انہوں نے اپنے مرتد ہونے پر پردہ ڈال دیا اور اس طرح یہ لوگ بھی منافقین میں شامل ہو گئے۔ یہ منافقین کی قبیح حرکات ہیں کہ انہوں نے برائی کا ارتکاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے برے اعمال کی سزا اس طرح دی ہے کہ ان کے دل و دماغ پر مہر لگا دی ہے اور ان سے حق کو سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب ہو گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ لوگ ہمیشہ ایمان سے مایوس اور حق سے محروم رہیں گے۔ یہ سزا انہیں ان کے اپنے برے اعمال کے نتیجہ میں دی گئی ہے۔

وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴

ترجمہ: ”اور جب آپ انہیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو بھلے معلوم ہوں گے اور جب وہ بولیں تو آپ ان کی باتیں توجہ سے سنتے ہیں (مگر وہ ایسے بے روح ہیں) گویا وہ دیوار سے لگائی گئی لکڑیاں ہیں، ہر آواز کو اپنے خلاف تصور کرتے ہیں، یہی لوگ

(بڑے) دشمن ہیں لہٰذا آپ ان سے محتاط رہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے! یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔''

منافقین کی اصلیت

اس آیت میں خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو کیا گیا ہے لیکن درحقیقت منافقوں کی اصلیت مؤمنوں کو بتائی جارہی ہے۔ منافقین کی خصوصیات:۔

۱۔ ان کا ظاہر دھوکہ میں ڈال دیتا ہے۔

۲۔ بہت ہی چرب زبان ہوتے ہیں۔

۳۔ ان کے ظاہری اطوار اور جسمانی ساخت بہت ہی عمدہ ہوتی ہے۔

۴۔ نرم خو ہوتے ہیں۔

۵۔ بن سنور کر رہتے ہیں۔

۶۔ ان کی گفتگو سے سب لطف اندوز ہوتے ہیں۔

۷۔ بدباطن ہیں، دیوار سے لگی خشک لکڑی کی طرح۔

۸۔ متحرک سایہ ہوتے ہیں۔

۹۔ اندر سے خالی، ایمان ہے نہ حقیقت کا ادراک۔

۱۰۔ باطنی کفر ہے، کفر کو چھپایا ہوتا ہے۔

۱۱۔ ڈرپوک ہوتے ہیں، معمول سے زیادہ انہیں خوف آتا ہے۔

۱۲۔ ہر آنے والی آواز کو اپنے مخالف قرار دیتے ہیں۔

۱۳۔ مسلمانوں کے سخت مخالف ہیں۔

۱۴۔ اسلام کے لیے خطرناک ہیں، جھوٹے ہیں۔

ان اوصاف کو ذکر کرنے کے بعد اللہ مسلمانوں سے کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں۔ ان کے برے اعمال کی مذمت کرو ان کی باتوں پر اعتبار نہ کرو۔ انسان کا بدترین دشمن وہی ہوتا ہے جسے وہ اپنا دوست سمجھے لیکن درحقیقت وہ اس کا دشمن ہو۔ پھر ان پر نفرین کی گئی کہ اللہ انہیں مار ڈالے۔ اللہ انہیں تباہ کر دے۔ مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ تم بھی ان پر لعنت بھیجو، دنیاوی معاملات میں ان پر اعتبار نہ کرو یہ لوگ منحرف ہیں، حق سے دور ہیں۔ ان پر دنیا میں اللہ کی لعنت اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔ ”جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ مغفرت طلب کریں تو وہ تم سے سر پیچھی اور اپنے سروں کو موڑ لیتے ہو۔ اے رسول ﷺ ! تم انہیں دیکھو کہ غرور و نخوت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور انحراف کا راستہ اپناتے ہیں“۔

منافقوں کا تکبر و غرور

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے منافقین کا رویہ بیان کیا گیا ہے۔ مسلمان جب ان کے انحراف کو دیکھتے تھے تو ان سے ہمدردی کرتے ہوئے ان سے کہتے تھے آؤ ہم آپ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاتے ہیں اور ان سے مل کر درخواست کرتے ہیں کہ وہ اللہ سے آپ کی غلطیوں کی معافی کے لیے درخواست کریں اور آپ کے واسطے طلب مغفرت کریں۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا یَسۡتَغۡفِرۡ لَکُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ لَوَّوۡا رُءُوۡسَهُمۡ وَ رَاَیۡتَهُمۡ یَصُدُّوۡنَ وَ هُمۡ مُّسۡتَکۡبِرُوۡنَ ۝

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جائے: آؤ کہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت مانگے تو وہ سر جھٹک دیتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کے سبب آنے سے رک جاتے ہیں۔''

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞

ترجمہ: ''ان کے لیے یکساں ہے خواہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اللہ انہیں ہر گز معاف نہیں کرے گا، اللہ فاسقین کو یقیناً ہدایت نہیں کرتا۔''

منافقوں کے لیے رسول اللہؐ کی شفاعت کا بے فائدہ ہونا

پہلی آیت میں مسلمانوں کی منافقوں کے لیے پیش کش کا تذکرہ تھا کہ انہوں نے ان منافقین سے کہا کہ ہم تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس لے جائیں گے تاکہ وہ تمہارے لیے اللہ سے طلب مغفرت کریں لیکن انہوں نے تکبر کرتے ہوئے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے کہ منافقوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا استغفار کرنا ہر گز مفید نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں ان کے لیے معافی بالکل نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ اللہ کی بندگی سے نکل چکے ہیں ان کا جرم اتنا خطرناک ہے کہ اب یہ معافی کے قابل بھی نہیں رہے کیونکہ یہ اللہ کا قانون ہے کہ وہ ان کی ہدایت نہیں فرماتا جو باغی ہیں اور جو اللہ کی بندگی سے نکل جاتے ہیں۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞

ترجمہ: ”یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں: جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرنا یہاں تک کہ یہ بکھر جائیں حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔“

منافقوں کا رویہ

منافقین لوگوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنے کی سازشیں کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے طرفداروں کو مالی فائدے مت دو تاکہ وہ فقر اور مالی تنگدستی کی وجہ سے آپ کو چھوڑ کے چلے جائیں اس طرح رسول اللہ ﷺ تنہا ہو جائیں گے اور وہ ہم پر حکومت نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس احمقانہ سوچ کا جواب دیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے تو اللہ کی ملکیت ہیں، منافقوں کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ منافقوں کے پاس جو کچھ ہے وہ بھی اللہ کا ملک ہے۔ اللہ کا ارادہ ہے کہ وہ مؤمنوں کا امتحان لے، اگر امتحان مقصود نہ ہو تو اللہ مؤمنوں کو مالدار بنا سکتا ہے۔ مومنین کو تنگدستی کے بدلہ میں اجر و ثواب مرحمت کرتا ہے۔ منافقوں کو اللہ کی اس حکمت کی خبر نہیں ہے اور ان کے ذہن میں یہ بات آ بھی نہیں سکتی وہ نا سمجھ ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸

ترجمہ: ”کہتے ہیں: اگر ہم مدینہ لوٹ کر جائیں تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے ضرور نکال باہر کرے گا، جب کہ عزت تو اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانت۔“

منافقوں کے ارادے

اس آیت میں منافقوں کے مذموم ارادے کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا کہنا تھا اگر ہم مدینہ لوٹ کر جائیں تو ہم جو کہ باوقار، مالدار، مکرم و معزز ہیں ان مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیں جو کمزور، ذلیل وپست اور فقیر ہیں۔ اس بات کا کہنے والا منافقوں کا سرغنہ عبداللہ بن اُبیؔ تھا اور اس کے ہم فکر منافقین (نام نہاد مسلمان) بھی اس کے ساتھ شریک تھے۔ وہ خود کو معزز و محترم قرار دے رہے تھے اور اپنی اس گفتگو سے درحقیقت رسول اللہ ﷺ کو دھمکی دے رہے تھے کہ وہ انہیں مدینے سے نکال دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو سخت جواب دیا ہے کہ فقط اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور مؤمنین باعزت ہیں۔ حقیقی مومن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جدا نہیں ہے۔ منافقوں کے لیے ناکامی ہے اور یہ لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

حضرت امام صادقؑ کا فرمان ہے کہ آپ نے فرمایا:

"مومن کے لیے یہ بات صحیح نہیں کہ وہ خود کو ذلیل و خوار کرے"۔

سوال کیا گیا کہ وہ کس وجہ سے ذلیل و خوار ہو جاتا ہے تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ایسا کام کر بیٹھے جس کی وجہ سے اسے بعد میں معذرت کرنا پڑے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩

ترجمہ: "اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ذکر خدا سے تمہیں غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کرے گا تو وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔"

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠

ترجمہ: ”اور جو رزق ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ کہنے لگے اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں صدقہ دیتا اور میں (بھی) صالحین میں سے ہو جاتا۔“

وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١١

ترجمہ: ”اور ہرگز خدا کسی کی اجل کے آجانے کے بعد اس میں تاخیر نہیں کرتا اور وہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔“

مومنین کو خرچ کرنے کا حکم

ان آیات میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی روزی سے خرچ کریں۔ مرنے سے پہلے یہ کام کرلو۔ تمہیں ملی روزی اللہ کا عطیہ ہے، سب کچھ اللہ کی ملک ہے، اللہ نے اپنی جانب سے تفضل کیا اور تمہیں اموال کا مالک بنا دیا۔ اللہ کے اس احسان اور تفضل کا شکر بجالایا جائے۔ شکر یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اللہ کی طرف سے مال پر عائد مالی واجبات ادا کئے جائیں۔ جب انسان کی موت آجائے گی تو اس وقت انسان سے اپنے اموال پر تصرف کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ ہر مومن کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اللہ کی طرف سے عطیہ ہے۔ اس کے بعد

مومنوں کو تنبیہ کی گئی کہ ایسا نہ ہو کہ موت کے آثار ظاہر ہو جائیں اور موت کو دیکھ کر اللہ سے یہ درخواست کرنے لگو کہ اے رب ہمیں مہلت دیدے تاکہ ہم ٹھیک بن سکیں اور اپنے اموال سے تیری راہ پر خرچ کریں۔ اللہ فرماتا ہے کہ اس وقت تمہاری درخواست قبول نہ ہو گی اور تمہیں بالکل مہلت نہ ملے گی۔ سورہ یونس آیت ۴۹ میں ہے کہ:

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ

ترجمہ: "ہر امت کے لیے ایک اجل (موت کا وقت) مقرر ہے۔ پس جب ان کی اجل (موت کا وقت) آجائے گا تو نہ ایک گھڑی اس وقت سے موئخر ہو گا نہ اس گھڑی سے کچھ آگے ہو گا"۔

موت کا وقت مقرر ہے اس سے آگے پیچھے نہیں ہوتا لہٰذا اللہ سے غافل نہ رہو، اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اور ان ہی اعمال کی بنیاد پر تمہیں جزاء دی جائے گی۔

سورہ اللیل آیت ۸۔۱۰ میں ہے:

"اور جس کسی نے بخل اور کنجوسی کی اور خود کو بے نیاز سمجھا اور نیکی کے راستہ کو جھٹلایا تو ہم بہت جلد اسے مشکل و تنگی میں مبتلا کر دیں گے۔"

جو شخص بے پرواہ ہو جاتا ہے اور اس نے حق بات کو جھوٹ سمجھا اسے سختی میں پہنچائیں گے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کنجوسی کرنے والے اور نیک باتوں کو جھٹلانے والوں کو اللہ دنیا ہی میں مشکل میں ڈالے گا اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

پیغام: منافقین سے چوکتے رہو یہ بہت ہی خطرناک گروہ ہے۔ انھیں دوست نہ بناؤ۔ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرو۔ مال اللہ کا ہے جو آپ کے پاس اللہ کے فضل و کرم سے موجود ہے۔ آج اسے خرچ کرو اور کل اس کا فائدہ حاصل کرو اور وہی رزق دینے والا ہے۔ مال خرچ کرنے سے کم نہ ہو گا بلکہ اس میں برکت ہو گی۔ صدقہ میں دیئے جانے والا

ایک روپیہ دس گنا بن کر واپس ملے گا۔ عزت، تھیہ، خدمت، کرامت، اللہ تعالیٰ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مؤمنین کے لیے ہے۔

سورۃ التغابن

(مدنی۔ کل آیات: ۱۸)

سورہ کے مطالب

مومنوں کی انفاق پر تشویق کرنا، اطمینان و سکون کا نزول، مومنوں کے دلوں کی تسکین، اللہ کی مالکیت، اللہ کی تسبیح کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الۡاَرۡضِ ۚ لَهُ الۡمُلۡكُ وَ لَهُ الۡحَمۡدُ ۫ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۱

ترجمہ: ''زمین و آسمان کا ہر ذرہ خدا کی تسبیح کر رہا ہے کہ اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہی ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

موجودات کا تسبیح کرنا

پہلے بھی بیان ہو چکا کہ ہر موجود اپنے وجود کے ذریعہ کہہ رہا ہے کہ میں فقیر ہوں جو کچھ میرے پاس ہے اللہ کی طرف سے ہے، اللہ ہی بے نیاز اور غنی بالذات ہے۔ اللہ ہر عیب سے پاک ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اس کا ملک و مملکت لامتناہی ہے۔ پوری کائنات پر اللہ کا حکم نافذ ہے۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کی طرف پلٹتی ہیں کیونکہ وہی ذات تعریف کے لائق ہے۔ ہر موجود کا آغاز اور انجام اللہ ہی ہے۔ مبداء و معاد اللہ کی جانب سے ہے اللہ کی قدرت بھی لامحدود ہے حتمی طور پر اللہ ہی قیامت کے دن تمام مخلوقات کو مبعوث کرے گا۔

هُوَ الَّذِيۡ خَلَقَكُمۡ فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَّ مِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۝۲

ترجمہ: ''اسی نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم میں سے کچھ مومن ہیں اور کچھ کافر اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔''

انسان کی خلقت اور ایمان و کفر کا معاملہ

تمام انسانوں کو اللہ نے خلق کیا ہے۔ خلقت کے ساتھ ہی انہیں عقل و قوت اور اختیار و ارادہ دیا ہے۔ کسی پر جبر نہیں کیا بلکہ انسانوں کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ کفر اختیار کریں یا ایمان۔ کفر و ایمان کا معیار انسان کا باطن ہے، اللہ تعالیٰ سب کے اعمال سے آگاہ ہے۔ اس سے کچھ بھی پوشیدہ و مخفی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی بنیاد پر مومن کو کافر سے ممتاز کیا ہے اور اسی بنیاد پر ان کو جزاء و ثواب ملے گا۔ اللہ پر کوئی بھی معاملہ پوشیدہ نہیں ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝۳

ترجمہ: ”اسی نے آسمان و زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تمہاری صورت کو بھی انتہائی حسن بنایا ہے اور پھر اسی کی طرف سب کی بازگشت بھی ہے۔“

آسمانوں اور زمین کی با مقصد خلقت

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت ایک معین ہدف اور مقصد کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تصویر کشی کی ہے (ہر چیز کی تصویر وہ ہوتی ہے جس سے اس شئی کا قوام اور اس کے وجود کی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے)۔ اس کے بعد بتایا ہے کہ انسان کو بہترین شکل میں خلق کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے جسم کی تمام اکائیاں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور متناسب ہیں۔ ہر حصہ مناسب اور بہترین شکل میں ہے اور ہر ایک عضو اور حصہ کا ایک مقصد ہے جس کو وہ پورا کرنے پر مامور ہے۔ لہٰذا انسان میں جمال و کمال دونوں توأم (ملے ہوئے) ہیں۔ آخر میں یہ خبر دی کہ سب کی بازگشت اللہ کی طرف ہے۔

اب جبکہ انسان کی خلقت لغو، بے ہودہ و بے کار نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین وجہ میں بنایا ہے خدا پر لازم ہے کہ وہ دنیاوی نشأت کے بعد انہیں آخرت کی نشأت کے لیے مبعوث کرے۔ تمام مخلوقات آخرکار اللہ کی طرف پلٹ کر جائیں گی اور وہاں پر ان کو جزاء دی جائے گی۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴

ترجمہ: ”وہ زمین و آسمان کی ہر شے سے باخبر ہے اور ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن کا تم اظہار کرتے ہو یا جنہیں تم چھپاتے ہو اور وہ سینوں کے رازوں سے بھی باخبر ہے۔“

علم خدا

اللہ کا علم لامحدود ہے۔ اس آیت میں معاد کے منکرین کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ سوال کر سکتے ہیں معاد کس طرح ممکن ہے کیونکہ پوری کائنات میں رونما ہونے والے حوادث و واقعات بے شمار ہیں، ان میں سے کچھ واقعات تو ظاہر ہیں اور کچھ ظاہر نہیں ہیں، کچھ نظر آتے ہیں اور کچھ نظر نہیں آتے۔ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا اور ان میں جو کچھ رونما ہو رہا ہے ان کے ظاہر میں جو کچھ ہے اور جو کچھ ان کے باطن میں ہے جو کچھ انسانوں کے سینوں میں پنہاں ہے اور انسان جن اعمال و اقوال کو ظاہر کرتے ہیں یا مخفی رکھتے ہیں سب اللہ پر آشکار ہیں۔ اللہ کے لیے کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔ اللہ اسی علم کی بنیاد پر تمہیں جزاء و سزا دے گا۔

اَلَمۡ یَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۵﴾

ترجمہ: ''کیا تمہارے پاس پہلے کفر اختیار کرنے والوں کی خبر نہیں آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کام کے وبال کا مزہ چکھ لیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

مشرکین سے خطاب

مشرکین کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ تم اپنے سے پہلے کافروں کے انجام کو یاد کرو کہ کس طرح وہ کفر کے نتیجہ میں دنیا میں ہلاک ہو گئے۔ ان کی قدرت کے نشان تک مٹ گئے، آخرت میں بھی ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔ لہٰذا تم ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو، تمہیں بھی اس نافرمانی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ خود کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے دوچار نہ کرو۔ اللہ پر ایمان لے آؤ اور آخرت کا انکار نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر جھوٹ و افتراء مت باندھو۔ حقائق کو تسلیم کرو، اپنی نجات کا سامان مہیا کرو، ہلاکت کا نہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّهۡدُوۡنَنَا ۫ فَكَفَرُوۡا وَ تَوَلَّوۡا وَّ اسۡتَغۡنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۶﴾

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ ان کے پاس رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آتے تھے تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کیا بشر ہماری ہدایت کرے گا اور یہ کہہ کر انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا تو خدا بھی ان سے بے نیاز ہے اور وہ قابلِ تعریف غنی ہے۔''

سابقہ اقوام پر عذاب آنے کی وجہ

اس آیت میں سابقہ اقوام کے دنیاوی اور اُخروی عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہدایت دینے والے رسول ان کے پاس روشن دلائل اور معجزات کے ساتھ تشریف لائے لیکن اس دور کی اقوام نے ان سے کہا تم تو ہماری طرح کے انسان ہو تم کس طرح ہمیں ہدایت دے سکتے ہو؟ اس طرح انہوں نے کفر اختیار کیا اور منحرف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اس رویہ کی وجہ سے ان سے رُخ موڑ لیا۔ بت پرست، کافر خیال کرتے تھے کہ طاقت، صلاحیت ان کے لیے ہے وہ خیال کرتے تھے ان کے پاس جو کچھ ہے یہ انہیں فناء ہونے سے بچالے گا اس لیے انہوں نے خود کو ایمان سے بے نیاز قرار دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مطلق بے نیازی کا اظہار فرمایا اور ایسا عذاب ان پر اُتارا کہ وہ ختم ہو گئے۔ اس طرح انہیں ان کے برے اعمال کا نتیجہ ملا اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں دردناک عذاب دے گا۔ آخر میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ مطلقاً بے نیاز ہے، وہ ہی لائق تعریف ہے۔ کافروں پر اتارا گیا عذاب اس کے عدل اور غنی ہونے کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ان کی طرف پلٹا دیئے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

ترجمہ: ”ان کفّار کا خیال یہ ہے کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا تو کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار کی قسم تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور پھر بتایا جائے گا کہ تم نے کیا کیا ہے اور یہ کام خدا کے لیے بہت آسان ہے۔“

مشرکین کو جواب

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ مشرکین خیال کرتے ہیں کہ انہیں سزا نہیں ملے گی اور ان کو مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا۔ تو انہیں تاکید سے کہہ دو کہ ہر صورت تمہیں اٹھایا جائے گا اور قیامت کے دن تمہیں حساب کے لیے لایا جائے گا۔ وہاں پر تمہیں تمہارے اعمال کے بارے بتایا جائے گا اور یہ اللہ پر آسان ہو گا یہ کوئی مشکل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کمال و جمال کو اکٹھے کرنے والا ہے۔ اللہ کی قدرت لامحدود ہے، اللہ کا علم لامتناہی ہے وہ اس مخلوق کو مارنے کے بعد واپس لانے پر قادر ہے اس سے عاجز نہیں ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۸

ترجمہ: ''لہٰذا خدا اور رسول اور اس نور پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔''

ایمان کی دعوت

مشرکین کے لیے روشن دلائل بیان کر دیئے گئے اور انہیں یہ بات سمجھا دی گئی کہ اس دُنیا کے بعد ایک اور جہاں ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور اس جہان میں تمہارے تمام اعمال تمہارے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے اور تم سے ان اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ لہٰذا تم پر واجب ہے کہ تم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور نور ہدایت (قرآن) پر ایمان لے آؤ جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اتارا ہے۔ یہی نور ہے جو تمہیں صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔ یہ بات بڑی واضح ہو چکی ہے اب تم اس میں کوتاہی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ

تمہارے تمام اعمال کی باریکیوں تک سے واقف ہے اس پر کچھ بھی مخفی نہیں ہے اور اللہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزاء دے گا۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ: ''وہ قیامت کے دن تم سب کو جمع کرے گا اور وہی ہار جیت کا دن ہوگا اور جو اللہ پر ایمان رکھے گا اور نیک اعمال کرے گا خدا اس کی برائیوں کو دور کردے گا اور اسے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان ہی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔''

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

ترجمہ: ''اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ اصحاب جہنّم ہیں اور وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہ ان کا بدترین انجام ہے۔''

مومن اور کافر کا امتیاز

ان دو آیات میں مومن و کافر کا جائزہ پیش کیا گیاہے۔ قیامت کے دن کو یوم الجمع (اکٹھا ہونے کا دن) اور یوم التغابن (دھوکے کا دن) کا نام دیا گیا ہے۔ اس دن کے معیار دنیا

کے معیارات سے مختلف ہوں گے۔ اس دن تمام انبیاء دنیاوی معیارات اور اندازوں کے برعکس ظاہر ہوں گے۔ اس دن سارے لوگ اس بات کو جان لیں گے کہ اللہ کے ساتھ اپنی ذات کے معاملہ میں انہوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ کیونکہ اپنے نفس و جان کے سرمایہ سے جو منفعت حاصل کر سکتے تھے اسے کھو بیٹھے ہیں۔ انہوں نے منفعت کی بجائے اللہ کی نارضایتی اور ناخوشی کو حاصل کر لیا ہے اور بہت بڑے خسارے میں رہے ہیں۔ ان کو چاہیے تھا کہ اپنی جان کا سودا اللہ کے ساتھ کرتے اور آج فائدہ اٹھاتے۔ وہ دنیاوی مقامات حاصل کرنے کے لیے اللہ سے اپنا معاملہ درست نہ کرسکے اس طرح دھوکہ میں آگئے۔ اس دن مومن و کافر سب ہی دھوکہ میں ہوں گے کیونکہ جب وہ اپنے اعمال کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ انہیں جو کرنا چاہیے تھا وہ نہیں کیا۔ سب خسارے میں ہوں گے۔ لیکن مومن و کافر میں فرق ہو گا کیونکہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لاتے رہے لیکن حقِ اطاعت ادا نہ کرسکے اللہ ان کی غلطیوں کو معاف کر دے گا۔ اللہ کی بخشش و مغفرت سے ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور وہ بہشت میں داخل ہوں گے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں، اس میں بہت ہی دلربا اور پرسکون ماحول ہو گا۔ مومنین اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ان کے لیے بڑی کامیابی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے اور ان کو جھٹلانے والے کافروں کا ٹھکانہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے کوئی رعایت نہ ہو گی، یہ کافروں کا انجام ہے اور بہت برا انجام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے انسان اس دنیا میں اپنے بارے فکر کر لے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے دن کے لیے اکٹھا کرنا ہے جس میں ہر شئی ظاہر ہو گی۔ اس دن اللہ ان کی برائیوں پر پردہ ڈال دے گا جو ایمان لائے تھے لیکن جو ایمان نہیں لائے تھے ان کے برے اعمال ظاہر و آشکار ہوں گے اور ان کی رسوائی کا سبب بنیں گے۔ لہٰذا اللہ پر ایمان لے آؤ، نیک اعمال بجا لاؤ، اللہ کی آیات کو مت جھٹلاؤ اور اسی دنیا میں رہ کر خود کو آتش جہنم سے بچاؤ۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی ہے مگر خدا کی اجازت سے اور جو صاحبِ ایمان ہوتا ہے خدا اس کے دل کی ہدایت ڈال دیتا ہے اور خدا ہر شے کا خوب جاننے والا ہے۔''

مصائب اور ناگوار حادثات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک قانون کلی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ دنیا کے تمام معاملات اسباب کے تحت ہیں۔ دنیا میں رونما ہونے والے ہر واقعہ کا ایک سبب ہوتا ہے۔ انسان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے یا وہ کسی ناخوشگوار واقعہ سے دوچار ہوتا ہے تو اس کی تاثیر اللہ کی اجازت سے ہی ہوا کرتی ہے۔ اگر اللہ چاہے تو اس کے سبب کو غیر موثر کر سکتا ہے۔ اب انسان کو اللہ نے اختیار دیا ہے اور وہ اپنے اختیار سے اپنی خوشحالی اور اپنی غمی کے اسباب مہیا کرتا ہے۔ اسباب انسان خود فراہم کرتا ہے اب ان اسباب کی تاثیر تو ہونا ہی ہے لہٰذا اللہ نے فرما دیا کہ کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ اور مصیبت اللہ کی اجازت کے بغیر رونما نہیں ہوتی۔ البتہ اس کی سزا انسان کو اس لیے ملتی ہے کہ اس سبب کو مہیا کرنے والا براہ راست وہ خود ہی ہے۔ اگر کوئی اپنے خرمن کو آگ لگا دے تو آگ لگانے سے وہ جل کر راکھ ہو جائے گا۔ آگ آپ نے لگائی ہے، آگ کی تاثیر کی اجازت اللہ کی طرف سے باقی رہی اور تمہارے اوپر مصیبت آگئی، اس قسم کے اذن کو اذن تکوینی کہتے ہیں۔ تشریعی اور شریعت کا قانون یہ ہے کہ خرمن کو آگ لگا کر اپنا نقصان نہ کریں۔ اب اگر کسی نے آگ لگا دی تو یہ نقصان تمہارا ہوگا اور مجرم کو اللہ بھی سزا دے گا۔ دنیا میں جتنے بھی ناخوشگوار واقعات رونما ہوتے ہیں، جنگیں ہوتی ہیں،

ظلم ہوتا ہے، مظالم کے اسباب انسان فراہم کرتا ہے اور اس کے نتائج دوسرے انسان کو جھیلنا ہوتے ہیں اس لیے شرعی حکم یہ ہے کہ ظلم کے مقابلہ میں کھڑے ہو جاؤ، شر پسندوں کو شر سے روکو، فساد پھیلانے والوں کو اس کام سے روکو، اگر نہیں روکو گے تو تکوینی اثرات ہوں گے، تمہارے اوپر مصائب آئیں گے، یہ مصائب اللہ کی طرف سے نہیں ہیں ان کا موجب تو خود انسان ہی ہے۔ اسی طرح جب انسان پر کوئی بیماری آتی ہے، بیماری کے اسباب انسان خود فراہم کرتا ہے پھر بیماری سے شفا پانے کے ذرائع بھی موجود ہیں انہیں بھی انسان نے خود ہی استعمال کرنے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا اور بیماری کا نقصان ہوتا ہے تو اس کا ذمہ دار خود انسان ہے۔ اللہ نے کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک قصہ بیان فرمارہا ہے:

''اے انسان اللہ پر ایمان لے آؤ کیونکہ جو اللہ پر ایمان لے آتا ہے اللہ اس کے دل کی راہنمائی کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر انسان زبان سے اللہ کے وجود کا، اللہ کے خالق ہونے کا، اللہ کی وحدانیت و ربوبیت کا اقرار کرے تو اس کا دل حقائق کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور اس بات کو درک کرے گا کہ تمام اسباب کا خالق و مالک اللہ ہے اور سارے جہاں کے اسباب اپنی تاثیر میں اللہ کی جانب سے اجازت کے محتاج ہیں۔ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی بھی واقعہ رونما نہیں ہوتا اور رونما ہونے والے تمام واقعات اللہ کے علم میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو وہ چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اسے روکا نہیں جا سکتا اور جسے وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اس کو کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ نمرود نے آگ کا الاؤ جلایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینکا، آگ کا کام جلانا تھا لیکن اللہ کی مشیت یہ تھی کہ آگ نہ جلائے تو آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا اور آگ کی تاثیر کو روک لیا۔ اس مثال کو ہر واقعہ و حادثہ میں چاہے چھوٹا ہو یا بڑا اپنی نظر میں رکھیں۔ انسان اپنے مہیا کئے ہوئے اسباب کے اثرات کا ذمہ دار ہے، شر کے اسباب مہیا کئے ہوں تو اس میں شر ہی ہو گا اور خیر کے اسباب مہیا کئے ہوں تو خیر ہی ہو

گی۔ خیر و شر کے تکوینی اسباب اللہ کی جانب سے ہیں لیکن ان کے تشریعی احکام بھی ہیں، اللہ نے جس سبب کو وجود میں لانے سے منع کیا ہے اگر کوئی شخص اس سبب کو وجود میں لاتا ہے تو اس سبب کی تکوینی تاثیر تو یہ ہے کہ یہ شخص گناہگار ہو گا کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے شر کے سبب کو ایجاد کیا ہے۔"

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: "اور تم لوگ خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر انحراف کرو گے تو رسول کی ذمہ داری واضح طور پر پیغام پہنچا دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت

اس آیت میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کو بیان کیا جا رہا ہے اور اللہ کی اطاعت کے بعد رسول ﷺ کی اطاعت کو عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اللہ کی اطاعت سے مراد

اللہ کی اطاعت سے یہ مراد ہے کہ انسان اللہ کے وضع کئے ہوئے شرائع و قوانین کو تسلیم کرے اور اطاعت محض بغیر کسی قید و شرط کے اللہ کے فرامین و احکام کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے۔

رسول کی اطاعت سے مراد

رسول اللہؐ لوگوں پر حق ولایت رکھتے ہیں، اللہ کی طرف سے اُمت پر حکومت، سلطنت، ریاست کا حق صرف ان ہی کو حاصل ہے۔ مقنّنہ، انتظامیہ، عدلیہ نیز زندگی کے تمام شعبوں، اجتماعی ہوں یا نجی سب پر اللہ کی طرف سے حاکمیت اللہ کے نمائندے کی ہے۔ جس کو ہر کام میں مکمل اختیار حاصل ہے۔

رسول کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ ان کی حکمرانی کے تمام تقاضوں کو تسلیم کیا جائے، ان کے دستورات پر عمل کیا جائے، ان کا احترام کیا جائے اور ان کے فیصلہ کے خلاف بغاوت نہ کی جائے کیونکہ ان کا ہر حکم، حکم ولائی ہے۔ ان احکام بارے سر پیچی اور مخالفت جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ جو احکام و قوانین معاشرہ پر لاگو کرتا ہے یا جو بیانات جاری کرتا ہے، اگر کوئی ان بیانات کو تسلیم نہیں کرتا یا ان کے بیان کردہ قوانین پر عمل نہیں کرتا تو اس کا نقصان خود اسی نافرمانی کرنے والے کا ہوگا۔ رسول کا کام اللہ کے پیغامات کو عوام تک پہنچا دینا اور ان کے مفاد سے، امور سے انہیں آگاہ کرنا ہے۔ اللہ فرما رہا ہے ہمارا رسول جبری طور پر آپ سے نہیں منواتا کہ جو میں کہہ رہا ہوں اسے مانو، اگر مانو گے تو تمہارا فائدہ ہے نہ مانو گے تو تمہارا نقصان ہے، جبر و اکراہ نہیں ہے۔ اپنے اختیار اور ارادے سے رسول کے بیان کردہ دستورات کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اللہ ہی وہ ہے جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور تمام صاحبانِ ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

اللہ کی اطاعت کے وجوب کی وجہ

اللہ کی اطاعت واجب ہے اور رسول ﷺ کی اطاعت اس لحاظ سے واجب ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت ہے۔ یہ کس وجہ سے ہے؟ اس کی علت کیا ہے؟ اللہ کی اطاعت کیوں واجب ہے؟ اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ اللہ کی اطاعت اس لیے واجب ہے کیونکہ قوانین بنانے والا وہ ہی ہے، مخلوق کا نظام اسی نے قرار دیا ہے اور نظام بنانے کا حق اسے اس لیے ہے کہ وہ ہی سب کا مالک ہے اور مالکیت اس وجہ سے ہے کہ اس نے سب کو خلق کیا ہے لہٰذا جب معبود فقط اللہ ہے اور اللہ کے سواء کسی میں صلاحیت ہی موجود نہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے جب ایسا ہے تو پھر اسی کی اطاعت کرنا واجب ہے کوئی اور ہے ہی نہیں کہ جس کی اطاعت کی جائے کسی اور میں یہ لیاقت موجود نہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اندھا اسے کہتے ہیں جو بینائی کی صلاحیت رکھتا ہو لیکن اس میں بینائی نہ ہو۔ لہٰذا دیوار کو اندھا نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں بینا ہونے کی صلاحیت ہی موجود نہیں ہے۔ اسی طرح الہ اسے کہتے ہیں جس میں لیاقت و صلاحیت موجود ہو کہ اس کی بات مانی جائے، اس کی اطاعت کی جائے اور وہ اللہ ہی ہے، کیونکہ اللہ کے سواء کوئی اور لائق اطاعت موجود نہیں ہ۔ اطاعت اس کی ہوتی ہے جو مختیار کُل ہو، جو غنی بالذات ہو، جو قادر مطلق ہو، جو علیم و خبیر ہو، جو رب ہو، جو مالک ہو، جو خالق ہو، وہ تو فقط اللہ ہی ہے کوئی اور نہیں ہے لہٰذا انسان کو شیطان کی اطاعت نہیں کرنا چاہیے اسی طرح اپنی خواہشات کی اطاعت بھی نہیں کرنا چاہیے۔ جب اللہ کی اطاعت واجب ہے تو پھر مومنوں پر لازم ہے وہ اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کردیں کسی اور پر اعتماد نہ کریں۔ اعتماد اسی پر کیا جاتا ہے جو آپ کے تمام معاملات کو حل کرسکے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں لہٰذا ان سے ہوشیار رہو اور اگر انہیں معاف کردو اور ان سے در گزر کرو اور انہیں بخش دو تو اللہ بھی بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

گھر کے اندر سے مخالفت

اس جگہ مومنوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اب جبکہ تم ایمان لے آئے ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کی اولاد بھی ایمان لے آئے یا آپ کی ازواج (شوہر، بیوی) بھی ایمان لے آئیں، لہٰذا اے مومنو! متوجہ رہو کہ تمہارے ہمسروں میں سے (شوہر مومن تو اس کی بیوی، بیوی مومنہ تو اس کا شوہر) اور تمہاری اولادوں میں سے ایسے ہیں جو تمہارے مخالف ہیں اور تمہیں اس راستہ سے ہٹانا چاہتے ہیں جس کا تم نے انتخاب کیا ہے لہٰذا پہلی بات تم ان کی حرکات و سکنات، ان کی باتوں، چوڑی چپڑی گفتگو، ان کی سازشوں کے بارے چوکنے رہو، غافل نہ ہو، ان کے خطرات سے تب ہی بچ سکو گے۔ اللہ کی رضا کو ان کی رضا پر مقدم رکھو۔

اخلاقی پہلو

دوسری بات کا تعلق اسلامی اخلاقیات سے ہے اور وہ یہ ہے کہ تم سب کچھ جاننے کے باوجود ان کی خطاؤں کو معاف کر دو، ان کی غلطیوں کو نظر انداز کر دو، ان کا مواخذہ نہ کرو اور ان کے نقائص اور ان کی کمزوریوں پر پردہ ڈال دو۔ (البتہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے دھوکہ میں نہ آنا کہ وہ تمہیں کسی طرح حق سے منحرف نہ کریں)۔ ایسا رویہ خدا کو پسند ہے کیونکہ اللہ بھی تو اپنے دشمنوں پر غفور ہے، رحیم ہے، تم بھی اپنے آپ کو اللہ کی صفت غفوریت اور

صفت رحمت سے آراستہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے معاشرہ کی اصلاح اور گھرانہ میں امن و سکون اور پیار و محبت کی فضاء کی برقراری کے لیے یہ فرمان جاری کیا ہے۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ (سورہ نور آیت ۲۲)

ترجمہ: ''انہیں (جنہوں نے غلطیاں کی ہیں) معاف کردو اور ان کے رویوں سے چشم پوشی کرو، صرف نظر کرو کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تمہیں معاف کردے۔''

اگر ہر گھر میں، ہر خاندان میں، ہر سوسائٹی میں باہمی تعلقات و روابط میں اس قانون کو جاری کردیں کہ جب ساتھی سے غلطی ہو تو اسے معاف کردیں، اس کی غلطی پر مواخذہ نہ کریں اور اس کی غلطی کو نظرانداز کردیں، سُنی اَن سُنی کردیں تو معاشرہ میں سکون کی فضاء قائم ہوگی۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے صرف امتحان کا ذریعہ ہیں اور اجر عظیم صرف اللہ کے پاس ہے۔''

مومنین کا امتحان

اللہ نے دُنیا کو دار امتحان قرار دیا ہے۔ دنیا میں انسان کو ملنے والی دو بڑی نعمتیں یعنی اموال اور اولاد دونوں امتحان کا وسیلہ ہیں۔ ان دو نعمتوں سے زندگی کی رونق ہے۔ ان میں جاذبیت ہے، کشش ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ان سے ایسا تعلق نہ بنائے کہ آخرت کو بھول جائے اور ان کی وجہ سے اللہ کے احکام کی نافرمانی کر بیٹھے۔ دنیا کی ہر نعمت کا حساب ہوگا، اللہ نے جو نعمت دی ہے اس کا شکریہ ہے کہ اسے اس طرح استعمال میں لاؤ جس طرح اللہ نے بیان فرمادیا ہے اور اولاد کے بارے جو احکام ہیں ان کی رعایت کرو۔ اموال اور اولاد کو اللہ کی

اطاعت میں رکاوٹ نہ بننے دو، جب ایسا کریں گے تو پھر اللہ کے ہاں تمہارے لیے بڑا اجر و ثواب ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اللہ سے ڈرو اور اس کی بات سنو اور اطاعت کرو اور راہ خدا میں خرچ کرو کہ اس میں تمہارے لیے خیر ہے اور جو اپنے ہی نفس کے بخل سے محفوظ ہو جائے وہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔''

استطاعت و توانائی کے مطابق تقویٰ

اس جگہ تقویٰ کے حکم کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ جس قدر تم سے ہو سکے تقویٰ الٰہی اختیار کرو۔ اللہ کا قانون ہے کہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک مومن کو چاہیے کہ وہ ہر کام میں اللہ کو مد نظر رکھے، اللہ کی ناراضگی سے خود کو بچائے۔ لیکن اگر ایسی حالت پیش آجائے کہ وہ خود کو نہ بچا پائے تو پھر ایسے مقامات کے لیے استثنائی احکام موجود ہیں۔ حکم کلی یہ ہے کہ اللہ کے فرمان کو سنو اور پھر اس فرمان پر عمل کرو اس میں کوتاہی نہ کرو۔ اللہ کی دعوت کو قبول کرو، اور دل سے اللہ کے احکام کو تسلیم کرو، اور اللہ کی اطاعت کے لیے ہمیشہ آمادہ رہو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اللہ کے دئے ہوئے مال سے خرچ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تمہیں اس کا اچھا عوض ملے گا۔ کنجوسی سے بچو، اللہ کے دیئے ہوئے مال سے واجبات ادا کرنے کے بعد اپنے مال سے خرچ کرنا بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔ جو لوگ کنجوسی نہیں کرتے مال سے محبت نہیں رکھتے، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ بخل اور کنجوسی ایک بری صفت ہے جو کہ صفات رذیلہ سے ہے

اس کو اپنے سے دور کرنے میں انسان کی بہتری ہے اس کی جگہ صفت جود و سخا کو اپنے نفس میں لے آؤ کہ یہ صفات حمیدہ میں سے ہے۔

اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡہُ لَکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ شَکُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دوگے تو وہ اسے دوگنا بنادے گا اور تمہیں معاف بھی کردے گا کہ وہ بڑا قدر داں اور برداشت کرنے والا ہے۔''

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''وہ حاضر و غائب کا جاننے والا اور صاحب عزت و حکمت ہے۔''

اللہ کے لیے قرض حسنہ

اللہ کی کریمی دیکھئے وہی مالک ہے، سب کچھ اسی کا ہے خود ہی دے کر فرمارہا ہے کہ مجھے قرض حسنہ دو اور ساتھ یہ بھی فرمارہا ہے کہ تم مجھے قرض دوگے تو میں اس کے اصل کے ساتھ چند برابر اضافہ کے ساتھ لوٹادوں گا۔ اللہ نے پہلے انفاق کا حکم دیا اور اجمالی طور پر فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے اور کنجوسی سے بالواسطہ منع کیا اور بتادیا جو کنجوسی نہیں کرتے وہی کامیاب ہیں۔ جبکہ اس آیت میں ایک منزل اور بڑھادی ہے کہ مجھے قرض حسنہ دو جس کا بدلہ چند برابر ملے گا اور حدیث میں ہے کہ اگر فقراء و مساکین کو صدقہ دوگے تو ایک کے بدلے دو ملے گا اور اگر کسی ضرورت مند کو قرض دوگے تو ایک کے بدلہ میں (گیارہ گنا ملے گا)۔ اللہ تعالیٰ بے حساب دیتا ہے، ضابطہ یہ ہے کہ مال کو حلال ذرائع سے کماؤ۔ اس کے شرعی واجبات زکات و خمس وغیرہ ادا کرو۔ اس کے بعد خالص مال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں کنجوسی نہ کرو۔ اللہ فرماتا ہے مالدار میرے امانتدار ہیں، مال تو میرا مال ہے،

فقراء و مساکین میرے عیال ہیں جو میرے مال سے میرے عیال پر خرچ نہیں کرتا، میں اسے آتش جہنم میں ڈالوں گا اور کسی کی پرواہ نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنے اطاعت گزار بندوں کو نعمات سے نوازتا ہے۔ وہ اطاعت کرنے والوں کا شکریہ بھی ادا کرتا ہے اس معنی میں کہ اس نعمت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ اللہ تعالی غیب و شہود سے آگاہ ہے، تمہارا کچھ بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے، اس کا ہر کام مصلحت اور حکمت کے تابع ہے، اللہ غالب اور وہی تمہارا مالک ہے۔ اس کے تمام دستورات حکمت و مصلحت کے تابع ہیں لہٰذا اللہ کے احکام کو دل و جان سے سنو، ان پر عمل کرو، اس میں خود تمہارا فائدہ ہے۔

سورۃ الطلاق

(مدنی۔ کل آیات 12)

سورہ کے مطالب

طلاق سے متعلق احکامات اور کچھ جواز، دھمکیوں اور خوشخبری کا عمومی بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝۱

ترجمہ : ”اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دے دیا کرو اور عدت کا شمار رکھو اور اپنے رب اللہ سے ڈرو، تم انہیں (عدت کے دنوں میں) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ عورتیں خود نکل جائیں مگر یہ کہ وہ کسی نمایاں برائی کا ارتکاب کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو اس نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا، تجھے کیا معلوم اس کے بعد شاید اللہ کوئی صورت پیدا کر دے۔“

طلاق اور عدت سے مربوط مسائل

اس آیت کا مخاطب رسول اکرمؐ اور اُمت اسلامی ہے اور خداوند فرمارہا ہے کہ جب اپنی عورتوں کو طلاق دو اور جب طلاق دینے کا وقت آئے تو عدت کی مدت قرار دو۔

”عدۃ“ عدت سے مراد ہے کہ عورت پر لازم ہے کہ عدت کی مدت جو شریعت نے تعیین کی ہے۔ جب تک وہ ختم نہ ہو جائے، دوسرا نکاح نہ کرے اور یہ جو فرمایا ہے ”طلاق

کے لیے عدت قرار دو" یعنی عدت کا وقت اس وقت سے شروع ہو گا جب طلاق دی ہے اور طلاق ایسے طہر اور پاکی کے دنوں میں ہو کہ جس میں جماع اور جنسی عمل نہ پایا گیا ہو۔ اس وقت سے عدت کا وقت شروع ہو گا یہاں تک کہ تین طہر گزر جائیں اور وہ پاک ہو جائے، اس کے بعد وہ شادی کر سکتی ہے۔ عدت کے دنوں میں نان و نفقہ اور گھر کا حق رکھتی ہے اور شوہر پر لازم ہے کہ اسے خرچ دے اور گھر سے باہر نہیں نکال سکتا۔ اس لیے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ "خدا سے ڈرو اور اس کی منع کی گئی چیزوں سے پرہیز کرو اور طلاق دی گئی عورتوں کو گھروں سے نہ نکالو۔"

البتہ جن دنوں میں وہ طلاق کے بعد اپنے شوہر کے گھر میں رہ رہی ہے شوہر کو رجوع کا حق ہے اور دوبارہ اپنی بیوی کے ساتھ گھر بسانا چاہے تو بسا سکتا ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے "وہ مطلقہ عورتیں بھی اپنے شوہر کے گھر سے نہ جائیں" بعد والی عبارت پہلے جملے سے استثناء ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انہیں اپنے گھروں سے باہر مت نکالو مگر یہ کہ وہ علناً گناہ اور فحاشی جیسے زنا، چوری، گالم گلوچ اہل خانہ کو تکلیف دینے کی مرتکب ہوں۔ اس مطلب کی تائید میں روایات بھی موجود ہیں۔ آگے ارشاد ہوتا ہے یہ ابھی احکام اور حدود ہیں جو بھی ان سے تجاوز کرے گا در حقیقت اس نے خود پر ظلم کیا ہے پھر حکم کے فلسفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے!

یہ جو کہا ہے کہ عدت کے وقت عورتیں اپنے شوہر کے گھر پر ہی رہیں اس لیے ہے کہ بسا اوقات طلاق کے بعد خدا ایسا سبب پیدا کر دے کہ شوہر اور بیوی کی حالت کو بدل دے اور شوہر کے دل میں رجوع کرنے کا رجحان اور میلان پیدا کر دے کیونکہ دلوں کی باگ ڈور تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ۬ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''پس جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کو آئیں تو انہیں اچھی طرح سے (اپنے عقد میں) رکھو یا انہیں اچھے طریقے سے علیحدہ کر دو اور اپنوں میں سے دو صاحبان عدل کو گواہ بناؤ اور اللہ کی خاطر درست گواہی دو، یہ وہ باتیں ہیں جن کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جو اللہ سے ڈرتا رہے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جب مطلقہ عورتیں عدت کے ختم ہونے کے قریب ہوں، یا اُن سے رجوع کرلو اور اچھے طریقے سے ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے دوبارہ زندگی شروع کرو یا نیکی اور سمجھ بوجھ کے ساتھ اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور دو آدمیوں کو طلاق پر گواہ بنالو اور وہ بھی گواہی دیں کہ خدا تمام اعمال، اقوال اور نیتوں پر گواہ ہے۔''

یاد رکھو یہ تقویٰ اور حدودالٰہی کے خیال رکھنے کا حکم ہے۔ ایسے مطالب ہیں کہ مؤمنین کو خدا اور قیامت کے دن کے بارے نصیحت ملتی ہے اور وہ حق کی جانب میلان پیدا کرتے ہوئے باطل سے جدا اور دور ہو جاتے ہیں یعنی حدودالٰہی کی بے ایمانی یا ان کی تبدیلی ایمان سے خارج ہونے کا سبب ہے۔

پھر فرماتا ہے: "جو بھی خدا سے ڈرے اور خدا پر ایمان اور اس کی حدود پر ثابت قدم رہے خدا بھی زندگی کی مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا۔"

وَّ يَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ قَدۡرًا ﴿۳﴾

ترجمہ: "اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ سوچ بھی نہ سکتا ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے پس اس کے لیے اللہ کافی ہے، اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے، بتحقیق اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔"

گزشتہ آیات کے آخر میں بات کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: جو خدا شرم کرے اور اس کے اوامر اور نواہی کا خیال رکھے، خدا اس کی زندگی کی مشکلات سے نکلنے کا سبب اور راستہ پیدا کر دے گا۔ کیونکہ دین اور شریعت انسان کے فطری اُمور میں سے ہے اور اس کی دنیا اور آخرت کی سعادت کا سبب ہیں اور خداوند متعال، دین، شریعت، بیوی، مال اور دوسری ضروریات جو زندگی اور بقاء کے لیے ضروری ہیں وہاں سے عطا کرتا ہے جہاں سے انسان نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔ یعنی خدا کے خوف کی وجہ سے وہ زندگی اور اس کی نعمتوں سے محروم نہیں ہوتا، بلکہ مادی اور معنوی رزق اور روزی کی خداوند متعال کی ضمانت دی گئی ہے اور خدا اسے دیتا ہے۔

پھر آگے ارشاد فرماتا ہے: جو خدا پر توکل کرے یعنی خدا کے ارادے کو اپنے ارادے پر مقدم کرے اور دین اور الٰہی احکام پر عمل کرے، خداوند متعال اس کا کفیل ہوگا۔ کیونکہ خداوند متعال مسبّب الاسباب ہے اور تمام اسباب اسی پر ختم ہوتے ہیں۔ اس لیے اپنے اوامر کو آخر تک پہنچاتا ہے۔ جس چیز کا ارادہ کرے اسے محقق فرماتا ہے۔ جس طرح فرمایا:

اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ[1]

ترجمہ: ”تحقیق اس کا امر ایسا ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرے، فرماتا ہے ہو جا، تو پس وہ ہو جاتی ہے اور خداوند متعال ہر چیز پر قادر ہے۔“

اس نے ہر چیز کی حد قرار دی ہے یعنی کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ اس کی حد اور اندازہ معین ہے۔ صرف خداوند متعال کی ذات ہے کہ جو محدود نہیں، کوئی چیز اس کو احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ خدا کی ایسی ذات ہے جس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

وَ الّٰٓـِٔيۡ يَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِيۡضِ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔيۡ لَمۡ يَحِضۡنَ ؕ وَ اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ؕ وَ مَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ۝۴

ترجمہ: ”تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو گئی ہیں، (ان کے بارے میں) اگر تمہیں شک ہو جائے (کہ خون کا بند ہونا سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے ہے یا کسی اور عارضے کی وجہ سے) تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور یہی حکم ان عورتوں کا ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔“

یعنی جن عورتوں کو ماہواری نہیں ہوتی اور تمہیں شک ہے کہ حیض اور ماہواری کا نہ آنا ان کی زیادہ عمر کی وجہ سے ہے یا مزاج کی وجہ سے؟ اور وہ عورتیں بھی جو ماہواری کے دنوں میں خون نہ دیکھیں ان کی طلاق کی مدت تین مہینے ہے اور حاملہ عورتوں کی عدت کا وقت

---

[1]: سورہ یس، آیت 82۔

ان کا وضع حمل ہے اور جو بھی خدا سے ڈرے اور اس کی حدود کا خیال رکھے، خداوند متعال دنیا اور آخرت کے کاموں اور مشکلات اور مصیبتوں میں آسانیاں پیدا کر دے گا۔

ذٰلِكَ اَمۡرُ اللّٰهِ اَنۡزَلَهٗۤ اِلَيۡكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ۞

ترجمہ: "یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کی برائیاں اس سے دور کر دے گا اور اس کے لیے اجر کو بڑھا دے گا۔"

یعنی یہ جو احکام بیان ہوئے ہیں یہ اوامر ونواہی ہیں کہ جو تم پر فرض کیے ہیں اور جو بھی احکام اور حدود پر عمل کرے گا اور تقوی اختیار کرے گا، خداوند متعال اس کے صغیرہ گناہوں کو معاف فرمائے گا اور اس کی برائیوں کی پردہ پوشی کرے گا اور اجر عظیم عطا فرمائے گا جیسا کہ فرماتا ہے :

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا[1]

ترجمہ: "اگر گناہان کبیرہ جن سے منع کیا گیا ہے انہیں انجام نہ دو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کو معاف کریں گے اور تمہیں کریمانہ مکان میں داخل کردیں گے (اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ الٰہی احکام من جملہ احکام طلاق کی مخالفت گناہ کبیرہ ہے جس کی معافی نہیں۔"

[1] ۔ سورہ نسا، آیت 31۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ ۶

ترجمہ: ''ان عورتوں کو (زمانہ عدت میں) بقدر امکان وہاں سکونت دو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک انہیں خرچہ دیتے رہو پھر اگر تمہارے کہنے پر وہ دودھ پلائیں تو انہیں (اس کی) اجرت دے دیا کرو اور احسن طریقے سے باہم مشورہ کر لیا کرو اور (اجرت طے کرنے میں) اگر تمہیں آپس میں دشواری پیش آئے تو (ماں کی جگہ) کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔''

طلاق دینے کے بعد کے مسائل

فرماتا ہے: طلاق یافتہ خواتین کو اپنے گھروں میں رکھو جو تم نے اپنے لیے بنائے ہیں اور تمہیں حق نہیں ہے کہ انہیں کسی قسم کا نقصان پہنچاؤ یا ان کے کے لیے مشکلات پیدا کرو، جس سے ان کا وہاں رہنا مشکل ہو جائے۔ مکان، روٹی اور کپڑا اور نان ونفقہ پورا پورا ادا کرو اور اگر حاملہ ہیں تو وضع حمل تک ان کا نان و نفقہ دیتے رہو اور اگر بچے کو دودھ پلانے پر بھی حاضر ہوئیں تو دودھ پلانے کی قیمت انہیں ادا کرو۔ کیونکہ بچے کا نان ونفقہ والد کے ذمہ ہے بہر حال دودھ پلانے کے معاملے میں ایک دوسرے سے مشورہ کرلو اور باہمی رضامندی سے کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ تاکہ نہ تمہیں، نہ تمہاری بیویوں اور نہ تمہارے بچے کو نقصان اور تکلیف

پہنچے اور اگر دودھ پلانے کے مسئلے پر اختلاف ہوجائے اور (اختلاف کی صورت میں) ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنے لگیں تو بہت جلد اس سے پہلے کہ بچے کو نقصان پہنچے ایک اور عورت کو اجرت پر لے لو تاکہ بچے کو دودھ پلائے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۟

ترجمہ: ''وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر اس کے رزق میں تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جتنا اللہ نے اسے دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی کو اس سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا جتنا اسے دیا ہے، تنگدستی کے بعد عنقریب اللہ آسانی پیدا کردے گا۔''

یعنی امیر لوگ جب اپنی بچے دار بیوی کو طلاق دیتے ہیں تو ضروری ہے کہ بچوں کو دودھ پلانے کے ایام میں ان کی زندگی میں آسانیاں پیدا کریں اور جو مرد غریب اور تنگدست ہیں جتنا کرسکتے ہیں اور جو خدا نے اپنے مال کا کہا ہے، اس میں سے ان کے لیے خرچ کریں اور خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں دیتا۔ پھر غریبوں سے ہمدردی اور خوشخبری دیتے ہوئے فرماتا ہے؛ خداوندمتعال تنگدستی اور مشکلات کے بعد آسائش اور رفاہ عطا کرتا ہے۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝

ترجمہ: ''اور ایسی کتنی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب لیا اور انہیں برے عذاب میں ڈال دیا۔''

فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا ﴿۹﴾

ترجمہ: ''پھر انہوں نے اپنے اعمال کے وبال کا ذائقہ چکھ لیا اور ان کا انجام خسارے پر منتہی ہوا۔''

خدا اور رسول کی نافرمانی کا انجام

کتنی مرتبہ بعض شہروں کے لوگوں نے اپنے پرودگار کی نافرمانی کی اور اپنے نبی کی پیروی اور اطاعت سے تکبر کیا اور ہم نے بھی ان کے اعمال کی وجہ سے ان کا سخت حساب لیا اور انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی اور دنیا سے انہیں محو کر دیا اور انہوں نے اپنے شرم آور اعمال کا نتیجہ دیکھ لیا یقیناً سرکشی کا انجام، نقصان ہی ہے۔ نتیجتاً جس عذاب کا وہ انکار کرتے تھے اس میں مبتلا ہوئے اور جس نے انہیں معترض کر دیا اور یہ تو دنیا کا عذاب تھا، البتہ آخرت میں بھی خدا نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور یہ دنیا اور آخرت میں عذاب جھیلنے والے اور نقصان میں رہنے والے ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۛۚ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۛ قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكُمۡ ذِكۡرًا ۙ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''ان کے لیے اللہ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، پس اے عقل مند ایماندارو! اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ نے تمہاری طرف ایک ذکر نازل کیا ہے۔''

یعنی اے عقلمند مؤمنین جب سرکشی اور طغیان کا انجام دنیا اور آخرت کی ہلاکت اور بدبختی ہے تو تم خدا سے ڈرو اور اس کے اوامر اور نواہی کی پابندی کرو یقیناً خداوند متعال نے قرآن کو رسول کے ساتھ بھیجا ہے جو (کتاب) سراسر موعظہ اور نصیحت ہے تمہیں حق اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کی اور تمہاری عقل اجازت نہیں دیتی کہ تم صراط اور ہدایت کے راستے سے منحرف ہو اور خود کو ہلاکت اور بدبختی سے دوچار کرو۔

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝۱۱

ترجمہ: ''ایک ایسا رسول جو تمہیں اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ وہ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجالانے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے اور جو اللہ پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ابد تک ہمیشہ رہیں گے، اللہ نے ایسے شخص کے لیے بہترین رزق دے رکھا ہے۔''

کلمہ (رسولًا) بیان ہے یا پہلی آیت میں کلمہ (ذکر) کا بدل ہے۔

اس بنا پر خداوند متعال نے رسول اکرم ﷺ کو، جو وعظ اور تذکرہ کا وسیلہ ہیں اور لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہیں، انہیں عالم غیب کی طرف سے مبعوث فرمایا اور بشر کی رسالت کا ذمہ دیا اور یہ رسول خداوند متعال کی طرف سے ایک نعمت ہیں جو کہ الٰہی آیات کو عملاً تمہارے لیے تلاوت کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے مومن جو لائق

ہیں، انہیں اپنی جہالت اور گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کے نور کی طرف راہنمائی کریں اور پھر ان مومنین کو جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں انھیں خوشخبری دیتے ہوئے (کیونکہ ایمان بغیر عمل صالح کے محقق نہیں ہوتا) فرماتا ہے: خداوند متعال ان جیسے لوگوں کو ایسی جنت میں داخل فرمائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یقیناً خداوند متعال نے کتنا اچھا رزق انہیں عطا فرمایا ہے جو کہ دنیا میں ایمان اور عمل صالح ہیں اور آخرت میں جاوید اور ہیشگی جنت ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَہُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۬ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”وہی اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی طرح زمین بھی، اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ نے بلحاظ علم ہر چیز پر احاطہ کیا ہوا ہے۔“

بظاہر خداوند فرماتا ہے: جس خدا نے تمہارے لیے رسول بھیجے اور تمہاری ہدایت فرمائی، وہی معبود ہے جس نے سات آسمانوں اور سات زمینوں کو خلق فرمایا۔[1] شاید وہ فرمانا چاہ رہا ہے کہ! خداوند متعال نے ایسی زمین خلق کی ہے جو سات آسمانوں کی مانند ہیں یعنی وہی انسان جو زمینی مادہ اور ملکوتی اور آسمانی روح کا مرکب ہے۔

---

[1] ۔سات زمینوں سے مراد، یا سات آسمانی ستارے ہیں کہ جن کی ساخت زمین کی طرح ہے یا سیارہ زمین ہے کہ جس کے ایک دوسرے کے اوپر طبقات ہیں اور جنہوں نے ایک دوسرے کا احاطہ کیا ہوا ہے یا براعظم یا زمین میں موجود سات خشکیاں مراد ہیں۔

پھر آگے فرماتا ہے: خداوند اپنے امر کو ان زمینوں اور آسمانوں کے درمیان نازل فرماتا ہے اور خدا کا امر وہی کلمہ (ایجاد) ہے کہ اس صورت میں آسمانوں اور زمینوں میں نزول امر، نزول کا آغاز آسمانوں سے ہے کہ ایک کے بعد ایک دوسرے کی طرف نازل ہوتا ہے یہاں تک کہ عالم ارضی وزمینی تک پہنچ جائے۔[1]

بہرحال فرمارہا ہے: یہ امر کی ایجاد اور تدبیر اس وجہ سے ہے کہ ہر وہ متفکر کہ جو خلقت کے بارے میں غور وفکر کرے بغیر کسی شک وتردید کے سمجھ جائے کہ خداوند متعال کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

ہر عقلمند مومن پر واجب ہے کہ خدا کے امر کی مخالفت سے پرہیز کریں اس سے ڈریں۔ظاہراً یہ آیات دلالت کرتی ہیں کہ ایک (زمین) سے زیادہ موجود ہیں۔ اگرچہ دوسری آیات میں آسمانوں کے مقابلے میں زمین کو مفرد استعمال کیا گیا ہے۔

سورۃ التحریم

(مدنی۔ کل آیات: 12)

سورہ کے مطالب

رسولِ خدا اور اُن کی بعض بیویوں کا قصہ، عمل اور جزا کے درمیان ارتباط کا بیان؛ کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کا حکم؛ مؤمن اور کافر عورتوں کی مثال۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

---

[1] ۔ جیسا کہ سورہ حم سجدہ کی آیت 12 اور سورہ الم سجدہ کی آیت 5 میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

ترجمہ : ''اے نبی! جو چیز اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دی ہے اسے آپ حرام کیوں ٹھہراتے ہیں؟ آپ اپنی ازواج کی مرضی چاہتے ہیں؟ اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

ایک حلال چیز کا اپنے اوپر حرام کرنے کا واقعہ

یہ ملامت اور مذمت پر مبنی بیان درحقیقت رسولِ خدا کی بیویوں کے بارے میں تھا اور آیت رسول اکرمؐ کی دلجوئی کے لیے اُن کی بیویوں کے خلاف نازل ہوئی ہے۔ آیت کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ایک حلال چیز کو مجبوری کی بنا پر اور بیویوں کے اجبار پر اپنے اوپر حرام کر دیا اور انہیں قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ چھوڑ دیں گے اور آیت اس کام سے منع کر رہی ہے۔

پس آیت میں ایک تو رسولؐ خدا سے مربوط شخصی مسئلہ بیان ہوا ہے دوسرا آیت میں لفظ (تحریم) سے مراد خدا کی طرف سے حرام نہیں تھا بلکہ رسول اکرمؐ کی نذر اور قسم کی وجہ سے حرمت تھی، کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی حلال چیز کو اپنے اوپر یا کسی اور پر حرام قرار دیں تشریعاً۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اس نے حضرت حفصہ کے ساتھ مل کر سازش کی تاکہ رسولِ خدا زینب (یا سودہ) کے گھر نہ جائیں۔ اس لیے ان سے جا کر کہیں کہ آپؐ سے بُری بُو آتی ہے۔ حضرت نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ بُو اس شربت کی ہے جو زینب (یا سودہ) کے گھر سے پیا ہے۔ خدا کی قسم پھر نہیں پیوں گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسولِؐ خدا کی ایک کنیز تھی جس کا نام ماریہ تھا اور عائشہ اور حفصہ نہیں چاہتی تھیں کہ رسولِؐ خدا اُن کے پاس جائیں لہٰذا پیغمبر اکرمؐ کو مجبور کیا اور تکلیفیں دیں اور رسول اکرمؐ نے اُن کو راضی کرنے کے لیے قسم کھائی کہ پھر کبھی ماریہ کے پاس نہیں جائیں گے۔ لیکن خدا نے یہ آیت نازل کرکے اس تحریم سے منع فرمایا ہے اور یہ بتانے کے لیے کہ کفارہ ادا کرکے قسم کو توڑا جا سکتا ہے فرماتا ہے: خدا بخشنے والا اور رحیم ہے۔اس بناپر بندوں کے نقائص کو چھپاتا ہے اور اُن پر رحم کرتا ہے۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۲

ترجمہ: ''اللہ نے تمہارے لیے قسموں کے کھولنے کے واسطے (حکم) مقرر کیا ہے، اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

قسم کو توڑنے کا حکم

فرماتا ہے: خداوند متعال نے تم پر واجب کیا ہے کہ کفارہ دے کر قسم کو توڑ دو اور خدا تمہارا ولی اور سرپرست ہے کیونکہ تمام اُمور کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہے اور اس نے تمہارے لیے احکام بتائے ہیں اور تمہاری ہدایت کرتا ہے اور وہ دانا اور حکیم ہے لہٰذا اس کے تمام احکامات، علم اور مصلحت اور حکمت کے تحت ہوتے ہیں اس آیت سے سمجھ آتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے کسی کام کو چھوڑنے کے لیے قسم کھائی تھی اور آیت حکم دے رہی ہے کہ قسم کو توڑ دیں۔

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۳﴾

ترجمہ: ”اور (یاد کرو) جب نبی نے اپنی بعض ازواج سے راز کی بات کہی تھی پس جب اس نے اس (راز) کو فاش کیا اور اللہ نے نبی کو اس سے آگاہ کیا تو اس سے نبی نے اس کا کچھ حصہ بتا دیا اور کچھ حصہ ٹال دیا پھر جب نبی نے اپنی زوجہ کو وہ بات بتا دی تو وہ کہنے لگی: آپ کو یہ کس نے بتایا؟ فرمایا: مجھے (خدائے) علیم و خبیر نے خبر دی ہے۔“

رسول اکرمؐ کے راز فاش ہونے کا قصہ

ظاہری طور پر جو سمجھ آرہا ہے کہ رسول اکرمؐ نے رازوں میں سے ایک راز اپنی بعض بیویوں یعنی حضرت حفصہ؛ حضرت عمر بن خطاب کی بیٹی کے سامنے بیان کیا اور اسے تاکید کی کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا لیکن حضرت حفصہ نے رسول اکرمؐ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت عائشہ کو بھی بتا دیا اور خداوند متعال نے راز فاش کرنے کی بات اپنے رسول کو بتا دی اور خدا نے حضرت حفصہ کی طرف سے راز فاش کرنے کا جزوی طور پر ذکر کیا ہے اور رسول اکرمؐ کو بتایا اور دوسرے حصے سے صرف نظر کیا۔ جب رسولؐ خدا نے حضرت حفصہ اس کا ذکر کیا تو اس نے کہا: آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میں نے آپ کا راز فاش کیا ہے؟ رسول اکرمؐ نے فرمایا: علیم اور خبیر خدا نے مجھے بتایا ہے جو آشکار اور دانا ہے اور اسرار اور سازشوں سے باخبر ہے۔

اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا ۚ وَ اِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰٮهُ وَ جِبۡرِيۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَ الۡمَلٰٓـئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ۞

ترجمہ: ''اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کر لو (تو بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی پشت پناہی کرو گی تو اللہ یقیناً اس (رسول) کا مولا ہے اور جبرائیل اور صالح مومنین اور فرشتے بھی اس کے بعد ان کے پشت پناہ ہیں۔''

رسول اکرمؐ کی مدد و نصرت کا اعلان

اس آیت کا مخاطب رسول اکرمؐ کی دو بیویاں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ہیں۔ فرماتا ہے: اگر تم دونوں توبہ کرکے رسول اکرمؐ کی طرف لوٹ آؤ تو ٹھیک ورنہ اگر رسول کے خلاف متحد ہو گئیں تو جان لو کہ خدا اُس کا ولی اور سرپرست ہے اور آپ کے کام کو خود ذمے لے گا اور اُن کی مدد کرے گا نیز حضرت جبرائیل، صالح اور نیک مؤمنین اس کے یار و مددگار ہوں گے اور فرشتے بھی اُن کے بعد اس کی مدد کریں گے اور سب کے سب اسی کی مدد و نصرت پر متحد اور متفق ہیں۔ جب کہ صالح اور نیک مؤمنین سے مراد اہل سنت اور شیعہ روایات کے تناظر میں صرف علی علیہ السّلام ہیں۔

اس آیت میں خداوند متعال در حقیقت اُن دو عورتوں کو سمجھانا چاہتا ہے کہ تمہارا دل تمہارے کام کی وجہ سے باطل کی طرف منحرف ہو چکا ہے اور راز فاش کرکے اور رسول اکرمؐ کو تکلیف دے کر گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوئی ہو کیونکہ رسول اکرمؐ کو تکلیف دینا، اُن کے خلاف سازش کرنا اور اس کے خلاف کسی کام پر متحد ہونا گناہ کبیرہ میں سے ہے جیسا کہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ۔۔۔[1]

ترجمہ: ”بیشک جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔۔۔“

عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىِٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا۝۵

ترجمہ: ”اگر نبی تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ اس کا رب تمہارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے جو مسلمان، ایماندار اطاعت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار اور روزہ رکھنے والیاں ہوں خواہ شوہر دیدہ ہوں یا کنواری۔“

بہترین عورتوں کی صفات کا تذکرہ

اس آیت میں خدا کی بے نیازی کی طرف اشارہ ہے اور فرمانا چاہ رہا ہے کہ اگرچہ تمہیں رسول اکرمؐ کی بیویاں بننے کا شرف حاصل ہوا ہے لیکن خدا کے نزدیک کرامت کا معیار صرف تقویٰ ہے اور لہٰذا اگر وہ آپ کو طلاق دے دیں خدا تم سے بہتر عورتیں انہیں عطا فرمائے گا وہ عورتیں جو مؤمنہ، عبادت گزار، اہل توبہ، خشوع و خضوع سے سرشار اور اہل ثروت ہوں گی، جو بیوہ یا باکرہ ہوں گی۔ پس برتری کا ملاک زوجیت اور بیوی ہونا نہیں بلکہ یہ صفات ہیں جو اس آیت میں ذکر ہیں۔

---

[1] ۔ سورہ احزاب، آیت 57۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَ أَهْلِيكُمْ نَارًا وَّ قُودُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللهَ مَا أَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝٦

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔''

جہنم کی آگ کا تذکرہ

(غلاظ) غلیظ کی جمع ہے جس کا معنی ہے تندمزاج اور (شداد) شدید کی جمع ہے جس کا معنی ہے پہلوان، بہادر اور ارادے اور کام میں طاقتور اور (وقود) کا معنی ہے ایندھن۔

فرماتا ہے: ''اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ ایسی آگ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں یعنی لوگوں سے نکلنے والے شعلوں کا سبب خود انہی کے ہاتھ میں ہے اور آگ اُن کے اعمال کا مجسم ہے اور بعض مفسرین نے (حجارہ) سے بُت مراد لیے ہیں۔''[1]

آگے فرماتا ہے: اس آگ پر فرشتے مقرر کیے گئے ہیں تاکہ اہل جہنم اور دوزخ پر قسم قسم کے عذاب نازل کریں فرشتے جو عمل میں تندمزاج اور طاقت ور ہیں اور دوسرے فرشتوں کی طرح خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور اس کے اوامر کے پابند ہیں اور جو کچھ اُن سے کہا جائے بغیر کسی مخالفت اور سستی کے اسے انجام دیتے ہیں۔ یعنی وہ اہل دوزخ پر کسی قسم کا رحم

---

[1]۔ تفسیر مجمع البیان۔

کرنے والے نہیں اور الٰہی اوامر کو بعینہٖ انجام دیتے ہیں بغیر اس کے کہ کمزوری اور تھکاوٹ کے سبب اس کے انجام دینے میں کوتاہی کریں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۧ ⑦

ترجمہ: ''اے کافرو! آج عذر پیش نہ کرو، جو عمل کرتے رہے ہو بس تمہیں اسی کی سزا مل جائے گی۔''

کافروں کے اعمال کا نتیجہ

یعنی قیامت کے دن جب کفار کو سامنے ہلاکت اور دوزخ نظر آئے گی، معافیاں مانگنا شروع کر دیں گے اور خداوند متعال کی طرف سے خطاب ہوگا: آج معافیاں مت مانگو کیونکہ آج صرف جزا کا دن ہے اور یہ تمہاری جزا بھی وہی تمہارے اعمال ہیں جو تم نے خود اعمال انجام دیئے ہیں۔ آج تم معافی مانگ کر اپنے اور اپنے کیے گئے اعمال کے درمیان ارتباط کو ختم نہیں کر سکتے اور یہ ارتباط تبدیل نہیں ہو سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑧

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کے آگے توبہ کرو خالص توبہ،[1] بعید نہیں کہ اللہ تم سے تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس دن اللہ نہ اپنے نبی کو رسوا کرے گا اور نہ ہی ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا اور وہ دعا کر رہے ہوں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر دے اور ہم سے در گزر فرما، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

توبہ نصوح کا حکم

(نصوح) نصح سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے: مفید اور بہترین عمل اور گفتار کی جستجو۔ البتہ اخلاص کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس بنا پر توبہ نصوح، وہ خالص توبہ ہے جو صاحب توبہ کو گناہ کی طرف پلٹنے سے روکتی ہے اور بندے کو دوبارہ گناہ کرنے سے روک کر خالص بنا دیتی ہے۔

پہلی آیت کے بعد کہ جس میں مؤمنین کو حکم دیا کہ خود کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اس آیت میں تمام مؤمنین سے فرماتا ہے کہ توبہ کریں وہ بھی خالصانہ توبہ اور مؤمنین کو توبہ کی تشویق دلانے کے لیے فرماتا ہے: اُمید ہے خداوند متعال تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا اور قیامت کے دن تمہیں جنت میں داخل کرے گا اور وہ ایسا دن ہے کہ خداوند متعال پیغمبر اور ان کے ہمراہ مؤمنین کی شخصیت کو پایمال نہیں کرے گا اور انہیں

---

[1] ۔ پہلے بھی کہا ہے کہ علی علیہ السلام نے توبہ کے بارے میں فرمایا ہے: حقیقی توبہ کی سات شرائط ہیں پچھلے گناہوں پر ندامت اور شرمندگی؛ قضا واجبات کی ادائیگی؛ حقوق العباد کی ادائیگی؛ جن پر ظلم کیا ہے ان سے معافی مانگنا؛ دوبارہ گناہ نہ کرنے پر عزم؛ گناہ اور حرام سے پیدا ہونے والے گناہ کو (عبادت الٰہی میں) ختم کرنا؛ اور نفس کو اطاعت الٰہی کی سختی میں ڈالنا جیسے وہ گناہوں کی لذت اٹھا چکا ہے۔

کرامت سے محروم نہیں کرے گا اور جو خوبصورت وعدے دیئے ہیں وہ اُن کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔

مومنین کے ایمان کے ساتھ پیغمبر کی ہمراہی کو ذکر اس لیے کیا ہے تاکہ سمجھا سکے کہ دنیامیں صرف ایمان کافی نہیں ہے۔ ضروری ہے ایمان کے لوازمات بھی ساتھ ہوں یعنی پیغمبر کے ساتھ ہو اور بغیر چوں چراں اُن کی اطاعت کرے اور شاید مراد یہ ہو کہ خداوند متعال اس دن پیغمبرؑ کو حقیر نہیں فرمائے گا اور جو ایمان لائے اور پیغمبر کے ہمراہ رہے اور ان سے جدا نہیں ہوئے وغیرہ۔ بہرحال آگے ارشاد فرماتا ہے: اُن کے ایمان کا نور ان کے سامنے اور کردار اور اعمال کا نور اُن کے دائیں جانب حرکت کررہا ہوگا اور کہتے ہیں اے پروردگار ہمارے نور کو کامل فرما (یعنی ہمارے ایمان و عمل کے درجات کے نقائص کو دور فرما) اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما تاکہ ہمارا نور نور کامل ہو جائے یقیناً تو ہر چیز پر قادر مطلق ہے۔ ظاہراً یہ تین خصوصیات :۔

1: عدم تحقیر

2: نور کے کامل ہونے کی درخواست

3: گناہوں کی بخشش

ان میں سے پہلی نبی کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ دوسری اور تیسری خصوصیت مؤمنین سے مخصوص ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾

ترجمہ: ”اے نبی! کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔“

کافروں و منافقوں سے جہاد میں فرق

(کافروں اور منافقوں سے جنگ اور جہاد) سے مراد ان دو گروہوں کی طرف سے ممکنہ اقدامات کے مقابلے کے لیے اصلاح کی کوشش ہے۔ درحقیقت اس آیت میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ ان دو گروہوں کی طرف سے فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے کوششیں جاری رکھیں۔ یعنی کافروں کے ساتھ پہلے ان کے سامنے حق بیان کیا جائے اور اپنی رسالت کو پہچانا جائے، اگر ایمان لے آئے تو ٹھیک، ورنہ اُن کے ساتھ جنگ کریں اور منافقین کے معاملے میں، پہلے اُن کی دلجوئی کریں تاکہ آہستہ آہستہ اُن کے دل ایمان کی طرف مائل ہوں لیکن اگر پھر بھی منافقت پر قائم رہیں تو پیغمبر صرف اُن کو فتنہ وفساد سے روکے رکھیں کیونکہ منافقین کے ساتھ جنگ پیغمبر اکرم ﷺ کی سنت میں ذکر نہیں ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت میں جہاد کا معنی حدود و تعزیرات میں سختی مراد لیا ہے۔[1]

بہرحال خدا اپنے رسول سے چاہتا ہے کہ منافقین کے ساتھ سخت لہجہ اپنایا جائے اور اُن کا ٹھکانہ جہنم میں یقینی ہے اور یہ بہت بری جگہ ہے اور یہی ان کے اعمال اور کردار کے مطابق، اُن کی جزاء ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰

---

[1] ۔ تفسیر مجمع البیان جلد 10۔

ترجمہ: ''اللہ نے کفار کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال پیش کی ہے، یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر ان دونوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور انہیں حکم دیا گیا: تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔''

انبیاء اور صالحین سے صرف رشتہ داری فائدہ مند نہیں

خداوند متعال نے حضرت لوط اور نوح کی بیویوں کی مثال بیان فرمائی تاکہ کافر عبرت حاصل کر سکیں اور سمجھ جائیں صالحین اور انبیاء کے ساتھ رشتہ داری اور رابطہ انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور اگر رسول خدا کے معاملے میں خیانت کریں گے تو اہل جہنم میں سے ہوں گے اور یہ جو فرمایا! وو عورتیں ہمارے صالح بندوں میں سے دو کے پاس تھیں یعنی اُن کی بیویاں تھیں لیکن اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے ہمارے دو صالح بندے بھی ذرہ برابر عذاب اُن سے دور نہیں کر سکے جس طرح دوسرے جہنم میں جائیں گے اُن دو سے بھی کہا جائے گا آگ میں داخل ہو جاو کیونکہ کفر اور دشمنی، رشتوں اور دوستیوں کو ختم کر دیتی ہے۔
اس مثال میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے لیے بہت سخت تعریض ہے جو رسولِ خدا کی بیویاں ہیں کیونکہ انہوں نے پیغمبر کے راز فاش کرکے اور انہیں تکلیفیں دے کر اس سے خیانت کی ہے۔ خصوصاً جب یہاں لفظ کفر اور خیانت کو استعمال کیا گیا ہے اور جہنم کی آگ میں داخل ہونے کے حکم کو بیان کیا گیا ہے۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''اور اللہ نے مومنین کے لیے فرعون کی بیوی[1] کی مثال پیش کی ہے، اس نے دعا کی: اے میرے رب! جنت میں میرے لیے اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کی حرکت سے بچا اور مجھے ظالموں سے نجات عطا فرما۔''

فرعون کی بیوی کی مثال

اس مثال میں خداوند متعال اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمارہا ہے جو عبودیت اور بندگی خدا میں ایک خاص رتبہ رکھتی تھیں اور ایمان کی اس منزل پر فائز تھیں کہ فرعون کی ہمسائیگی اور اس کا جاہ وجلال اسے نہیں بہکا سکا اور اس کے ایمان لانے میں روکاوٹ نہیں بن سکا۔ اس کا ظاہر او رباطن دونوں اس طرح ایک ہوگئے کہ خدا کے قرب وجوار میں جنت میں بنے گھر کو فرعون کی ہمنشینی اور اس کے محل پر ترجیح دی۔ یعنی اس نے دنیوی تمام لذات سے منہ موڑ لیا اور خدا کی پناہ میں چلی گئی اور اس کی قرب خدا کے سوا کوئی آرزو نہیں تھی اس لیے خدا کے حضور درخواست کرتی ہیں کہ مجھے فرعون اور اس کے کردار اور اس ظالم قوم سے نجات عطا فرما اور یہ دعا درحقیقت فرعونی اور برائیوں سے آلودہ معاشرے

[1] ۔ تفسیر الدرالمنثور میں نقل ہوا ہے کہ جب فرعون کو خبر ملی کہ اس کی بیوی خدا پر ایمان لا چکی ہے تو دردناک اذیتیں اور تکلیفیں دیں اور اسے چار کیلوں سے باندھ کر اور وزنی پتھر سے اسے تکلیفیں دیں لیکن اس کے باوجود وہ خدا پر ایمان سے دستبردار نہ ہوئیں۔

سے اعلان لاتعلّقی اور اعلان برائت ہے کیونکہ فرعون ربوبیت کا دعوی کر بیٹھا تھا اور کہتا تھا (میں تمہارا پروردگار بلند و بالا ہوں)[1] اور (تمہارے لیے اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا)[2]۔

وَ مَرۡیَمَ ابۡنَتَ عِمۡرٰنَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَہَا فَنَفَخۡنَا فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِنَا وَ صَدَّقَتۡ بِکَلِمٰتِ رَبِّہَا وَ کُتُبِہٖ وَ کَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِیۡنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور مریم بنت عمران کو بھی (اللہ مثال کے طور پر پیش کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح میں سے پھونک دیا اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔''

حضرت مریمؑ کی مثال

یہاں آگے اہل ایمان کے لیے حضرت عمران کی بیٹی حضرت مریمؑ کی مثال بیان فرماتا ہے اور مریم واحد خاتون ہیں جن کا قرآن میں نام لیا گیا ہے اور 34 بار ذکر ہوا ہے اور زیادہ تر آیات میں مریمؑ کو اس کی پاکدامنی کی وجہ سے تعریف کی گئی ہے اور یہ تاکید شاید اس تہمت کی خاطر ہے جو یہودی اس خاتون پر لگاتے ہیں اس آیت میں بھی پہلے مریم کی اس کی پاکدامنی کی وجہ سے تعریف کرتا ہے اور فرماتا ہے: ہم نے اپنی روح سے اس کے وجود میں پھونکا کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہے۔اس وقت فرماتا ہے: مریم نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی یعنی انبیاء کی وحی الٰہی پر ایمان لائیں اور اُن آسمانی کتابوں کی تصدیق کی جس میں الٰہی شریعتوں کو بیان کیا گیا ہے اور وہ قانت افراد میں سے تھیں (یعنی اُن افراد میں

---

[1] ۔سورہ نازعات، آیت 24۔

[2] ۔سورہ قصص، آیت 38۔

سے تھیں جو خدا کے سامنے مطیع اور خاضع ہیں) اور اس امر پر قائم تھیں یا یہ کہ وہ اپنے والداور قوم اور رشتہ داروں کی طرح مخلص اور مطیع کنیز تھیں[1] اور یہ بیان بھی پیغمبرؐ کی بیویوں پر تعریض تھی کہ جنہوں نے رسول اکرمؐ کے راز کو فاش کیا۔

سورة الملک

(مکی۔ کل آیات: 30)

[1] ۔ تفسیر قرطبیؒ، جلد 18 کے مطابق۔

سورہ کے مطالب

تمام خلق عالم کے لیے خداوند متعال کی ربوبیت کا بیان اور اس ربوبیت کو قبول کرنے کی دعوت اور قیامت کے اعتقاد پر ایمان کی دعوت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِهِ الۡمُلۡكُ ۫ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضے میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

(مبارک) یعنی برکات اور نیکیوں کا سرچشمہ۔

فرماتا ہے: ''بہت بابرکت ہے خدا کی ذات جس کے قبضے میں ملک و ملکوت کی حکمرانی ہے اور اس کا پورا تسلط ہے اس پر اور اس کی قدرت وطاقت لامتناہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَكُمۡ اَیُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور وہ بڑا غالب آنے والا، بخشنے والا ہے۔''

موت وحیات کی خلقت کا مقصد

(حیات) یعنی چیز، ایسے ہو کہ جس میں شعور اور ارادہ ہو اور (موت) کا معنی ہے اس حالت کا نہ ہونا، منتھی آیات کے سیاق میں، ایک زندہ موجود کا ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف انتقال کو "موت" کہا گیا ہے اگرچہ اس کا شعور اور ارادہ باقی رہ جاتا ہے اور اس معنیٰ میں (موت) عدم حیات نہیں ہے بلکہ انتقال ہے اور ایک وجودی امر ہے جیسے حیات، جس سے خلقت نے تعلق قائم کیا ہے اور خلقت کی گئی ہے۔

بہر حال فرماتا ہے: خداوند متعال نے تمہیں اس طرح پیدا کیا ہے کہ پہلے زندہ موجود رہو اور پھر مر جاؤ اور اس طرح کی خلقت کا مقصد تمہارا امتحان ہے تاکہ اچھے اور برے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور پتہ چل جائے (عملی میدان میں) تم میں بہتر عمل کون کرتا ہے اور یہ فرق اس وجہ سے ہے تاکہ خدا تمہیں تمہارے اعمال کی بناء پر جزاء دے۔ یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خلقت میں مقصود بالذات نیک اعمال والے لوگ ہیں اور دوسرے اُن کی وجہ سے خلق ہوئے ہیں۔ آخر میں فرماتا ہے: خداوند عزیز ہے کیونکہ مطلقاً قدرت اور حکمرانی اس کے پاس ہے اور کوئی بھی اس پر غالب نہیں آسکتا اور وہ غفور ہے اس بناء پر اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپاتا ہے اور آیت یہ دو نام ذکر کر کے گناہگاروں کو ڈرا بھی رہی ہے اور تشویق بھی دے رہی ہے اور انہیں خوف اور اُمید کی حالت میں باقی رکھتی ہے۔

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾

ترجمہ: "اس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر بنایا، تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بدنظمی نہیں دیکھے گا، ذرا پھر پلٹ کر دیکھو کیا تم کوئی خلل پاتے ہو؟"

ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''پھر پلٹ کر دوبارہ دیکھو تمہاری نگاہ ناکام ہو کر تھک کر تمہاری طرف لوٹ آئے گی۔''

خدا کی حکمت وتدبیر کا بیان

فرماتا ہے: وہ وہی خدا ہے کہ سات آسمانوں کو ایک جیسا خلق فرمایا اور آپ اے پیغمبرؐ (اور ہر وہ شخص جو دیکھ سکتا ہے) کوئی بھی چیز نہیں دیکھو گے جو حکمت سے خالی ہو اور الٰھی تدبیر کی کڑی سے کڑی پورے جہان میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہے اور موجودات ایک دوسرے سے مرتبط ہیں جیسے ترازو کے پلڑے اور اختلاف کے باوجود غرض خالق کو پانے میں سب متفق اور متحد ہیں اور خداوند متعال نے ہر مخلوق کو اس طرح خلق فرمایا ہے کہ اپنی خلقت کے مقصد کو حاصل کر سکے اور ایک موجود دوسرے کے لیے رکاوٹ نہ بنے اور اگر (اس آیت میں) خدا کو رحمان کے نام سے یاد کیا گیا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام کائنات اس کی عمومی رحمت سے پھوٹی ہے۔ بہر حال فرماتا ہے: تو پوری کائنات میں تھوڑا سا بھی فرق نہیں پاؤ گے اور اگر پھر بھی باریک بینی سے نگاہ کرو تو دیکھو گے کہ پوری کائنات میں ذرہ برابر بھی بدنظمی نظر نہیں آئے گی اگر پھر دوبارہ یا زیادہ مرتبہ غور وفکر کرو دیکھو صرف نگائیں تھک جائیں گی لیکن کوئی اختلاف اور فرق نہیں ملے گا۔ لہٰذا کائنات میں ایک نظم حاکم ہے ایسا نظم جو متصل اور مربوط ہے۔

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝٥

ترجمہ : ”اور بے شک ہم نے قریب ترین آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

فرماتا ہے: ”ہم نے دنیا کے آسمان کو کوکب (ستارے، سیارے) کی زینت سے سجایا ہے اور وہ شیطان جو غیبی خبروں سے آگاہی کے لیے ملکوتی حد کے قریب ہوتے ہیں شہاب (ستاروں سے جدا ہونے والے ٹکڑوں) کے ذریعے بھگاتے ہیں اور شریر جنوں میں سے شیاطین کے لیے جہنم کی دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

وَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶

ترجمہ : ”اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔“

اِذَاۤ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّ هِيَ تَفُوْرُ ۝۷

ترجمہ : ”جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کے بھڑکنے کی ہولناک آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی۔“

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَاۤ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝۸

ترجمہ : ”قریب ہے کہ شدت غیظ سے پھٹ پڑے جب بھی اس میں کوئی گروہ (کافروں کا) ڈالا جائے گا اس سے جہنم کے کارندے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں آیا؟۔“

انبیاء کو جھٹلانے والوں کا انجام

کافروں سے مراد وہ سب افراد ہیں جو خدا کی ربوبیت کے منکر ہیں جو بت پرست ہیں اور خدا کی کلی ربوبیت کا انکار کرتے ہیں اسی طرح یہودی اور عیسائی جنہوں نے خدا اور رسول میں جدائی ڈائی ہے اور ہر ایک خدا اور دوسرے گروہ کے پیغمبر کا انکار کرتے ہیں، یہ سب شامل ہیں۔

اس آیت میں تمام کافروں کو ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے کہ خداوند متعال نے اُن کے لیے جہنم کے عذاب کو تیار کر رکھا ہے اور جب کافروں کو جہنم میں ڈالا جائے گا ایک بلند آواز سنیں گے کہ جو مقناطیس کی طرح انہیں اپنے اندر کی طرف کھینچ لے گی (جس طرح سانس لیتے ہوئے ہوا اندر کھینچی جاتی ہے) اس حال میں کہ آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے اور اس طرح بھڑکی ہوئی ہے کہ جیسے غصے اور غضب سے پھٹنے والی ہو اور جب بھی ایک گروہ جہنم میں جائے گا آگ پر موجود فرشتے اُن سے پوچھیں گے کہ کیا ڈرانے والا پیغمبر تمہاری طرف نہیں آیا تھا اور تمہیں اس قسم کے عذاب سے نہیں ڈرایا تھا؟

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴿۹﴾

ترجمہ: ''وہ جواب دیں گے: ہاں تنبیہ کرنے والا ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے (اسے) جھٹلا دیا اور ہم نے کہا: اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے، تم لوگ بس ایک بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔''

وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور وہ کہیں گے: اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم جہنمیوں میں نہ ہوتے۔''

فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِهِمۡ‌ ۚ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''اس طرح وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر لیں گے، پس اہل جہنم کے لیے رحمت خدا سے دوری ہے۔''

یہ کلام ان جہنمیوں کا فرشتوں کو جواب ہے اور اعتراف کرتے ہیں کہ پیغمبر اور ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے جھٹلا دیا تھا اور یہ کہ خدا نے کوئی دین اور شریعت نازل نہیں کی ہے اور تم بھی ہماری طرح ہو اور نبوت کا دعوا کر کے گمراہ ہو گئے ہو۔[1]

پھر آگے حسرت بھری آواز میں کہتے ہیں: اگر دنیا میں ہم انبیاء کے وعظ و نصیحت کو سنتے اور اطاعت کرتے یا اُن کی حق دلیلوں کے بارے غور کرتے تو آج اہل جہنم سے نہ ہوتے اور اُن کے ساتھ عذاب کی آگ میں نہ جلتے (کیونکہ حق کی باطل سے شناخت اور پہچان کا راستہ غور و فکر ہے) بالآخر جہنمیوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور سمجھ گئے کہ اُن کے اعمال کا طبعی اثر یہی ہے کہ آج جہنم جائیں اور اچھا تھا کہ دنیا میں ایسے کام نہ کرتے۔ پھر ان پر نفرین اور لعنت کرتے ہوئے فرماتا ہے: اہل جہنم کے لیے ہلاکت اور بربادی ہو۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''جو لوگ غائبانہ اپنے رب کا خوف کرتے ہیں یقیناً ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔''

---

[1] ۔ تفسیر مجمع البیان میں یہ فرشتوں کی جہنمیوں سے بات کا آخری حصہ ہے کہ کہتے ہیں: تم واضح گمراہی میں تھے۔

کافروں اور اُن کی سزا کے مقابلے میں ، یہاں مؤمنین کی حالت کو بیان فرماتا ہے کیونکہ وعدہ و وعید کے مقام پر تھا، مؤمنین کی صفات میں سے بھی خدا کے خوف کی طرف اشارہ فرمایا اور (غیب سے ڈر) یعنی مؤمنین اس چیز پر ایمان لائے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں جو غیب کے پردے میں ہے اور اسکو اپنے حواس سے درک نہیں کر سکتے ۔اور مؤمنین کے اسی خوف اور ڈر کی وجہ سے انہیں اپنی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ دیتا ہے۔

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾

ترجمہ : ''اور تم لوگ اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو یقینا وہ تو سینوں میں موجود رازوں سے خوب واقف ہے۔''

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾

ترجمہ : ''کیا جس نے پیدا کیا اس کو علم نہیں؟ حالانکہ وہ باریک بین، بڑا باخبر بھی ہے۔''

خدا کے علم کی وسعتوں کا بیان

خدا کے لامتناہی اور مطلق علم کو بیان کرنا چاہتا ہے اور فرمانا چاہتا ہے کہ خدا تمام موجود کے اعمال کا علم رکھتا ہے اور جانتا ہے کیونکہ وہ نیتوں اور سینے میں چھپے رازوں کو جانتا ہے تمہاری ظاہری اور خفیہ باتوں کا علم رکھتا ہے اور کوئی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے پھر کوئی کیسے سوچ سکتا ہے کہ جو خدا، خالق بھی ہے اور اُن کے تمام وجود پر احاطہ کئے ہوئے ہے اور اُن کے اعمال اور تاثرات کو جانتا ہے اُن کے ظاہر اور باطن سے بھی آگاہ ہے، کیسے اس کا علم ان سب چیزوں کا احاطہ نہ کرے؟ حالانکہ وہ لطیف ہے یعنی چیزوں کے اندر نفوذ رکھتا ہے وجود کی جزئیات اور اُن کے اثرات سے آگاہ ہے اُن کی تمام حالتوں سے واقف ہے۔

اور یہ در حقیقت ایک کامل حجیت ہے اس بیان کے ساتھ کہ ،انسان کے تمام ارادی اعمال اگرچہ خود انسان سے منسوب ہیں لیکن در حقیقت یہ خدا ہے جو کہ عمل کا ارادہ کرکے ،اپنے بندے اور دوسرے اسباب کے توسط سے ایجاد کرتا ہے پس در حقیقت ان اعمال کا خالق بھی خدا ہے یعنی خدا ہے کہ عمل اور عمل کرنے والے کے درمیان رابطہ برقرار فرماتا ہے اور وہ ہر چیز اور اس کے اثر کے درمیان رابط ہے اور اس چیز کے اثرات کو ظاہر کرتا ہے اور فرمایا:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ ۙ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ [1]

ترجمہ: ''ہر چیز کا خالق خدا ہے اور وہ ہر چیز پر وکیل ہے) پس کیسے ممکن ہے کہ انسان کا کوئی فعل اور عمل اُس سے پوشیدہ رہے؟''

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو رام کیا پس اس کے دوش پر چلو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس زندہ ہو کر جانا ہے۔''

فرماتا ہے: خدا وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ اس پر چل سکو اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو اور جو رزق اور روزی تمہارے لیے معین کی ہے اس سے استفادہ کرو اور زمین میں مختلف کام انجام دو اور سرانجام آخرت میں دوبارہ زندگی کے بعد اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾

---

[1] ۔سورہ زمر، آیت 62۔

ترجمہ : "کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور زمین جھولنے لگ جائے؟"

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ : "کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے؟ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی تھی۔"

عذاب الٰہی سے ڈرانا

فرمانا چاہتا ہے؛ کہ کس طرح بے فکر ہو کر خدا کی ربوبیت کا انکار کیا ہے اور کس طرح اپنے آپ کو آسمانوں پر مقرر فرشتوں اور کائنات پر مامور فرشتوں سے محفوظ سمجھتے ہو کہ زمین کو تمہارے پاؤں کے نیچے سے سرکا دیں اور تمہیں اس میں دفن کر دیں حالانکہ زمین اس طرح متزلزل اور مضطرب ہے جیسے جھولا جھول رہا ہو البتہ بعض مفسرین نے [1] (من فی السماء) کو خداوند متعال سے تفسیر کی ہے اور کہا کہ اگرچہ خدا ایک مکان میں نہیں رہتا لیکن اُس کی سلطنت اور اُمور کی تدبیر آسمان میں ہے۔

پھر فرماتا ہے: کیا محفوظ ہو اس سے کہ آسمان کے فرشتے پتھروں کی ہوالے آئیں اور تم پر پتھروں کی بارش کریں (جیسا کہ قوم لوط پر ہوئی؟) بس بہت جلد جان جاؤ گے انتظار کہ انذار کا معنی اور مطلب کیا ہے عذاب سے حفاظت اور محفوظ ہونے کا مطلب کیا ہے؟ (ہمیشہ

---

[1] ۔ تفسیر مجمع البیان جلد 10۔

سے سنتے آرہے ہیں کہ جب مصیبتیں نازل ہوتی ہیں تو امیر، غریب طاقتور اور کمزور سب اُس کا شکار ہوتے ہیں اور جیسا کہ ضرب المثل ہے خشک کے ساتھ تر بھی جل جاتے ہیں۔[1]

وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''اور بتحقیق ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی تو دیکھ لو میرا عذاب کیسا تھا۔''

فرماتا ہے: پہلی نابود اور ہلاک کی گئی اُمتوں نے آیات کو جھٹلایا تو میرا عذاب اور اُن کی نعمتوں کا زوال کیسا تھا؟ اور یا اُن کا میری ربوبیت کے انکار کا انجام کیا ہوا؟ البتہ عمومی مصائب میں اہل تفکر کے لیے نشانیاں موجود ہیں۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقْبِضْنَ ۘؔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ اپنے اوپر پرواز کرنے والے پرندوں کو پر پھیلاتے ہوئے اور سمیٹتے ہوئے نہیں دیکھتے؟ رحمٰن کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا، بتحقیق وہ ہر چیز پر خوب نگاہ رکھنے والا ہے۔''

پرندوں کی پرواز بھی تدبیر الٰہی کا مظہر ہے

اس آیت میں تدبیر الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کو بیان کیا گیا ہے اور فرمایا ہے: کیا جو پرندے تمہارے سروں کے اوپر سے پرواز کرتے ہیں اور اپنے پروں کو کھولتے ہیں

[1] ۔یہ حصہ، کمال مصطفیٰ شاکر کا ہے۔

اور پھر بند کرتے ہیں تاکہ جان لو کہ صرف خدا رحمان ہیں کہ ان کو فضا میں گرنے نہیں دیتا اگرچہ پرندوں کا فضا میں رہنا اور اُن کا نا گرنا طبعی اسباب کی وجہ سے ہے جس طرح عالم طبیعت میں دوسرے تمام اُمور طبیعی علل اور اسباب سے مربوط ہیں لیکن تمام علل خداوند سبحان پر ہی ختم ہوتے ہیں اور یہ بات صرف پرندوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے لیکن صرف خصوصاً اس کا ذکر اس لیے ہے کہ پرندوں کی پرواز تعجب آور ہے کہ بنی نوع انسان، خلقت کی ابتداء سے ہی اس بارے فکر کرتا تھا۔ آخر میں ارشاد فرمایا ہے: خداوند تمام چیزوں کو دیکھنے والا ہے اور ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۚ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ”رحمٰن کے سوا تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ کفار تو بس دھوکے میں ہیں۔“

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”اگر اللہ اپنی روزی روک دے تو کون ہے جو تمہیں رزق دے مگر یہ لوگ سرکشی اور نفرت پر اڑ گئے ہیں۔“

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''کیا وہ شخص زیادہ ہدایت پر ہے جو اپنے منہ کے بل چلتا ہے یا وہ جو سیدھا سر اٹھائے راہ راست پر چلتا ہے؟''

کافروں پر حجت اور انہیں دائمی عذاب کی نوید

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کافروں کی مذمت فرمارہا ہے کہ جنہوں نے دوسرے معبود بنا لیے ہیں۔ فرماتا ہے بلکہ پوچھتا ہے خدا رحمٰن کے علاوہ وہ کون ہے کہ جس طرف اشارہ کرکے پوچھا جاتا ہے کہ یہ تمہارا یارو مددگار اور لشکر ہے؟

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سرنوشت کو خراب کردے یا تمہارے لیے عذاب مقدر کردے تو تمہارا مددگار کون ہوگا؟ کیونکہ مشرکین کے پاس کوئی جواب نہیں تھا تو خود خداوند جواب میں ارشاد فرماتا ہے: صرف اور صرف کافر غرور کا شکار ہیں یعنی غرور اور دھوکے میں اتنے غرق ہیں اور ہر طرف سے ان کا اس طرح احاطہ کیے ہوئے ہے کہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ معبود بارے جو ان کا عقیدہ ہے وہ ٹھیک عقیدہ ہے۔

اور پھر آگے ارشاد فرماتا ہے کہ بتایئے وہ کون ہے کہ جس کی طرف اشارہ کرکے کہا جاتا ہے: یہ ہے جو آپ کو رزق اور روزی دیتا ہے؟ اُصولاً اگر خداوند مہربان تمہیں رزق و روزی نہ دے وہ تمہیں روزی دے سکتا ہے؟ پھر خود خدا جواب میں ارشاد فرماتا ہے؛ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ کافر حق کو پہچان چکے ہیں لیکن تصدیق نہیں کرتے اور اسی طرح حق سے دور ہو رہے ہیں۔

پھر کافروں کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے: سیدھا چلنا یا سر کے بل زمین پر رینگنا برابر ہے؟ یعنی کافر جو بغض اور عداوت رکھتے ہیں اور حق سے نفرت کی وجہ سے اس حد تک چلے گئے ہیں کہ جو سیدھا چل کر راستہ طے کیا جا سکتا ہے وہ سر کے بل چل کر طے کر رہے ہیں اور یقیناً ایسا آدمی بلندی اور پستی کو نہیں سمجھ سکتا اور گڑھے کو دوسری ہموار سطح سے تشخیص

نہیں دے سکتا لہٰذا حق اور سچ کے راستے کی تشخیص نہیں کر سکتا برخلاف اس آدمی کے جو کھڑا ہے یا پاؤں پر چلتا ہے کیونکہ وہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے دیکھتا ہے اور گڑھا دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ راستہ کہاں ختم ہو رہا ہے اسی بناء پر وہ ہلاکت سے امان میں ہے۔ اور یہ سوال اس آیت میں ہر کافر اور جاہل اور مؤمن جو بصیرت اور حق کا متلاشی ہے کی تمثیل بیان فرماتا ہے تاکہ لوگوں کو ہدایت کی پہچان اور حق کے راستے پر چلنے کی تشویق دلا سکے۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”کہہ دیجئے: وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے مگر تم کم ہی شکر کرتے ہو۔“

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”کہہ دیجئے: اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کے روبرو جمع کیے جاؤ گے۔“

رسول اکرمؐ سے خطاب ہے: اُن کو کہہ دو خدا ہے جس نے ابتداء میں اور بغیر کسی پہلے سے موجود نمونے کے تمہیں خلق فرمایا ہے وہ بھی بغیر کسی سابقہ کے اور مادہ کے تمہیں پیدا کیا اور کان، آنکھ، دل متفکر دیئے اور یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں (کیونکہ کان اور آنکھ تمام حواس کی نمائندہ ہے اور دل متفکر قوت گویائی کا نمائندہ ہے) اسی وجہ سے آخر میں فرماتا ہے: کتنا کم شکر ادا کرتے ہو یعنی اپنی بڑی اور عظیم نعمتوں کے بدلے جس طرح شکر ادا کرنا چاہیے ادا نہیں کرتے۔

اور یہ بھی کہہ دو کہ تمہاری خلقت کو زمین سے مربوط کیا ہے اور تمہارا کمال صرف اور صرف ان اعمال کی وجہ سے ہے جو زمینی مادہ سے مربوط ہے اس کے بغیر کمال حاصل نہیں ہو سکتا جی ہاں! خداوند متعال نے زمینی اور جسمانی مواد کو انسان کے دل کی زینت قرار دیا ہے کہ اس کے وسیلہ سے امتحان لیا جاسکے۔ اور نیک دوسروں سے الگ ہو جائیں اور آخر کار تم قبروں سے اٹھائے جاؤ گے اور قیامت میں اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور خبر دی جائے گی اور یہ وعدہ حق ہے ایک اور جگہ پر اسی طرح سے اشاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝٨ [1]

ترجمہ: ''یہ ہم ہیں کہ جو کچھ زمین پر ہے اس سے زینت بخشی تاکہ انہیں آزما سکیں، پتہ چل جائے ان میں سے بہتر کون عمل کرتا ہے اور جو کچھ زمین پر ہے خشک خاک کی طرح ان کی نظروں کے سامنے اڑا دیں گے۔''

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝٢٥

ترجمہ: ''اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟''

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝٢٦

ترجمہ: ''کہہ دیجئے: علم تو صرف اللہ کے پاس ہے جب کہ میں تو صرف واضح تنبیہ کرنے والا ہوں۔''

یعنی کافر مذاق اڑانے اور مؤمنین کے پیغمبر کو عاجز بتانے کے لیے کہتے: اگر سچ کہہ رہے ہو تو قیامت کا وعدہ کب محقق ہو گا؟ اور خداوند جواب میں اپنے رسولؐ سے فرماتے ہیں

---

[1] ۔سورہ کہف، آیات 7-8۔

: کہہ دو، قیامت کے وقت کا علم صرف خدا کے پاس ہے اس کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اور میں ڈرانے والا ہوں اور ڈرانے کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور میری ذمہ داری تم تک پہنچانا ہے کہ بہت جلد خدا کے حضور حاضر ہوگے لیکن اس دن کے وقوع کا علم نہیں ہے اور نہیں جانتا، کہ جن کو ڈرایا گیا ہے اور (نہیں ڈرے) ان کی ہلاکت اور بربادی کب ان کے دامن گیر ہوگی؟۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓــٴَـتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''پھر جب وہ اس وعدے کو قریب پائیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا: یہی وہ چیز ہے جسے تم طلب کرتے تھے۔''

یعنی اس وعدے اور عذاب کو جب نزدیک سے دیکھیں گے تو جنہوں نے مانگا ہے تو ان کے چہرے کی ہوائیاں اڑ جائیں گی اور نااُمیدی اور نقصان کے اثرات اُن کے چہرے پر نمایاں ہو جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا یہ عذاب جو دیکھ رہے ہو یہ وہی وعدہ ہے کہ جو تمہیں دیا گیا تھا اور تم ہمیشہ پوچھتے تھے کہ یہ قیامت کب واقع ہوگی؟ اور ایک قول یہ ہے کہ اس بات کو کہنے والے فرشتے ہوں گے جو خدا کے حکم سے اہل دوزخ سے خطاب کریں گے اور بعض مفسرین[1] نے کہا کہ اہل دوزخ ایک دوسرے کو کہیں گے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾

---

[1] ۔ تفسیر فخر رازی، جلد 30۔

ترجمہ: ''کہہ دیجئے: مجھے بتلاؤ کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟''

رسول خدا کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے ان کافروں کو کہہ دو کہ مجھے اس بات کا جواب دو کہ اگر خدا مجھے اور مومنین کو ہلاک کر دے یا اپنی رحمت کی وجہ سے ہلاک نہ کرے تو تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟ اور تم کافر جو عذاب کے مستحق ہو تو تمہیں دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ بعض مفسرین سے نقل ہوا ہے[1] کہ مکہ کے کفار رسول خدا اور مومنین کو ہلاکت کی بد دعا دیتے تھے۔ لہٰذا خداوند متعال نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل کی ہے۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجئے: وہی رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لا چکے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون صریح گمراہی میں ہے۔''

رسول خدا سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: ان کافروں سے کہہ دو وہ خدا جس کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں تم اس سے ہماری اور مومنین کی بربادی کی دعا کرتے ہو؟ وہی معاف کرنے والا ہی ہے جس کی نعمت نے ہر چیز کو احاطہ کیا ہوا ہے اور ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اس پر توکل کیا ہے اور اپنے تمام کام اس کے سپرد کیے ہیں پس اے کافرو بہت جلد سمجھ جاؤ گے کہ کون گمراہ ہے ہم یا تم؟۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

---

[1] ۔ تفسیر فخر رازی، جلد 30۔

ترجمہ : ''کہہ دیجئے: بتلاؤ کہ اگر تمہارا یہ پانی زمین میں جذب ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے آب رواں لے آئے ؟''

پھر رسول اکرمؐ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: ان کافروں سے کہہ دو کہ تم مجھے بتاؤ یہ پانی جو زندگی کی بقاء کا ضامن ہے اگر زمین کے اندر چلا جائے اور زمین کے اوپر پانی کا قطرہ بھی نا ہو کون ہے جو زمین کے اوپر پانی جاری کرے گا؟ اس بارے میں بہت سی روایات بھی ہیں[1] جو کہتی ہیں یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی ولایت اور ان کی دشمنی پر منطبق ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ روایات مصداق پر کلی انطباق کے باب میں سے ہیں (بہرحال مؤمنین دو اچھی حالتوں میں مردد ہیں یا کامیاب ہیں اور یا جنت میں درجہ سعادت حاصل کریں گے لہٰذا مؤمن کی سعادت اس کی موت میں ہے کیونکہ جنت اور رضوان الٰہی کو حاصل کرلے گا لیکن کافر اس کی موت صرف اسے دردناک عذاب تک پہنچائے گی)[2]۔

---

[1] ۔ تفسیر قمی، جلد 2۔

[2] ۔ یہ عبارت مصطفیٰ کمال شاکر کی ہے۔

سورۃ القلم

(مکی ۔ کل آیات: 52)

سورہ کے مطالب

مشرکین کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لگائی گئی تہمتوں اور ناروا نسبتوں کی وجہ سے اُن کی دلجوئی مقصود ہے اور ساتھ رسول اکرمؐ کو حکم دینا تاکہ وہ خدا کا شکر ادا کریں اور

مشرکین کے ساتھ کسی قسم کی نرمی برتنے سے پرہیز کریں اور خداوند متعال کے حکم پر صبر کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نٓ وَ الۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''نون، قسم ہے قلم کی اور اس کی جسے (لکھنے والے) لکھتے ہیں۔''

ن: حروف مقطعات اور قرآنی اسرار میں سے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مدد اور نصرت خدا کی طرف اشارہ ہے۔

قلم: لکھنے کا وسیلہ و (سطر) سے مراد لکھے ہوئے کلمات کی ایک لائن مراد ہے۔

اللہ فرماتا ہے: قلم اور جو اس سے لکھتے ہیں اس کی قسم اور یہ چیز الٰہی نعمتوں میں سے عظیم ترین ہے جو سبب بنتی ہے کہ معارف بشری محفوظ رہیں۔ البتہ بعض مفسرین [1] نے قلم سے مراد اعلیٰ و ارفع قلم، قلم خلقت مراد لی ہے (وما یسطرون) سے وہ اعمال مراد لیے ہیں جو ''کراماً کاتبین'' لکھتے ہیں اور بعض نے لوح محفوظ سے تعبیر کیا ہے۔

مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲﴾

ترجمہ: ''آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں۔''

وَ اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۚ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور یقیناً آپ کے لیے بے انتہا اجر ہے۔''

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ﴿۴﴾

---

[1]: تفسیر فخر رازی، جلد 30۔

ترجمہ: ”اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔“

فَسَتُبۡصِرُ وَ یُبۡصِرُوۡنَ ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ”پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔“

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب اور گذشتہ قسم کا جواب ہے اللہ فرماتا ہے: آپ اس نعمت کی خاطر جو خداوند متعال نے تجھے عطا کی ہے (مجنون نہیں ہو اور مراد اس نعمت سے نبوت کا مقام ہے اور وہ دلائل ہیں جو نبوت پر دلالت کرتے ہیں اور انہیں ہر قسم کی نفسیاتی اور روحانی خلل سے مبراء قرار دیتے ہیں اور جو کچھ کافر کہتے ہیں سراسر جھوٹ اور بہتان ہے) بے شک آپ کے لیے رسالت کی وجہ سے لامحدود اجر ہے پس رسالت کے راستے میں پیش آنے والی تکالیف کو برداشت کریں اور جان لیں کہ آپ کا اجر وزحمات ضائع نہیں ہوں گی اور جان لیجئے آئے میرے رسول آپ اخلاقی صفات، نفسانی ملکات اور عظیم کمالاتی صفات سے مزین ہیں اور آپ کے اعمال اور افعال کا سرچشمہ یہی اعلیٰ صفات ہیں۔

پس جب معلوم ہو گیا کہ آپ دیوانے اور مجنون نہیں ہیں اور نبوت اور عظیم نفسیاتی ملکات کے حامل ہیں اور خدا کی طرف سے بھی عظیم اجر رکھتے ہیں جان لیجئے کہ بہت جلد آپ کی دعوت کے آثار آشکار ہوں گے اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اصلی دیوانہ اور مجنون کون ہے؟ اور کون فتنہ پھیلانے کا سبب ہے؟ آپ یا وہ لوگ جو آپ پر دیوانگی کی تہمت لگاتے ہیں؟

بِاَیِّىکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ﴿۶﴾

ترجمہ: ”کہ تم میں سے کسے جنون عارض ہے۔“

اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ۪ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ﴿۷﴾

ترجمہ : ''آپ کا رب یقیناً انہیں خوب جانتا ہے جو راہ خدا سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔''

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸

ترجمہ : ''للہذا آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانیں۔''

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹

ترجمہ : ''وہ چاہتے ہیں اگر آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔''

اللہ فرمانا چاہ رہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر تہمت لگانے والے دراصل خود گمراہ ہیں اور رسولؐ خدا اور ان کے پیروکار ہی ہدایت یافتہ ہیں اور خدا جانتا ہے کہ کون اس راستے سے بھٹک چکا ہے اور کون اس کے راستے پر ثابت قدم ہے کیونکہ (ہدایت کا) حقیقی راستہ اس خدا کا راستہ ہے اور ہدایت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر اس وقت رسولؐ خدا کو مخاطب قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: جب معلوم ہو گیا کہ جھٹلانے والے خود گمراہ ہیں بس آپ کسی بھی صورت میں زبانی یا عملی ان کی موافقت نہ کریں۔ یہ جھٹلانے والے کوشش کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک ہوں تاکہ آپ ان کے دین اور راہ وروش کو پسند کریں تاکہ وہ بھی تھوڑا سا آپ کے دین کے نزدیک ہو جائیں یعنی آپ انہیں معترض نہ ہوں اور وہ بھی آپ کو معترض نہ ہوں جبکہ حدیث میں بھی ایسے ہی ان کی طرف سے تجویز کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔
لیکن عقیدہ حق رکھنے والے حق کے معاملے میں کسی قسم کی مصالحت نہیں کرتے ان کے برعکس باطل عقیدہ رکھنے والے مختلف دلائل اور معاملات سے تمسک کرتے ہیں تاکہ وہ حد وسط یا درمیانی راستہ نکال سکیں۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰

ترجمہ : ''اور آپ کسی بھی زیادہ قسمیں کھانے والے، بے وقار شخص کے کہنے میں نہ آئیں۔''

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴿١١﴾

ترجمہ : ''جو عیب جو، چغل خوری میں دوڑ دھوپ کرنے والا،''

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ﴿١٢﴾

ترجمہ : ''بھلائی سے روکنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا، بد کردار،''

عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿١٣﴾

ترجمہ : ''بدخو اور ان سب باتوں کے ساتھ بدذات بھی ہے،''

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿١٤﴾

ترجمہ : ''اس بنا پر کہ وہ مال واولاد کا مالک ہے۔''

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾

ترجمہ : ''جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے: یہ تو قصہ ہائے پارینہ ہیں۔''

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿١٦﴾

ترجمہ : ''عنقریب ہم اس کی سونڈ داغیں گے۔''

لغات

حلاف: یعنی ایسا شخص جو ہر حق یا باطل چیز کے لیے قسم کھاتا ہے اس صاحب قسم یعنی خداوند متعال کی عظمت کا قائل نہیں ہے۔

مھین: یعنی کوتاہ فکر، یا بہت شریر اور جھوٹا۔

ھماز: یعنی عیب نکالنے والا اور طعنہ دینے والا۔

مشاء بنمیم: یعنی چغل خوری کرنے کے لیے اور دو کو لڑانے کے لیے باتیں بتانے والا۔

معتد: ظلم و ستم میں حد سے گزرنے والا اور جو اپنی حد سے تجاوز کرتا ہے۔

اثیم: یعنی جو زیادہ گناہ کرے یہاں تک کہ گناہ اور فساد کے علاوہ اس سے کوئی کام نہ ہوتا ہو اور گناہ چھوڑے بھی نہیں رہ سکتا۔

عتل: سخت و بری بات یہاں پر بداخلاق اور جفاکار شخص مراد ہے کہ جو کہ باطل کے راستے میں سختی اور ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے۔

زنیم: یعنی جس کا حسب نسب نہ ہو یا زنازادہ، شریر، خبیث۔

دشمنان رسولؐ کی صفات رذیلہ کا تذکرہ

خداوند متعال نے ان تمام بری صفات کو ذکر فرمایا دیا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے بعض دشمنوں کو جو انہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہتے تھے انہیں ان صفات رزیلہ سے یاد کیا ہے اور یہ صفات درحقیقت تمام بری صفات کا مجموعہ ہیں اور ظاہراً جس شخص نے رسولؐ اکرم کو تجویز دی کہ پیسے لے لو اور دعوت اسلام کرنا چھوڑ دو (ولید بن مغیرہ یا اخنس بن شریق یا اسود بن عبد یغوث تھا) اور خداوند متعال رسول اکرم کو حکم دے رہا ہے کہ ہرگز ان کی دعوت کو قبول مت کرنا اور ان سے بے اعتنائی برتیں۔

پھر آگے فرماتا ہے: اور جو چیز (مال و دولت دینے والے) کے لیے سرکشی کا سبب بنی ہے، وہ اس کا مال و دولت اور اولاد کی فراوانی ہے اور وہ ان نعمتوں پر خدا کا شکر بجالانے اور

اپنے نفس کی اصلاح کی بجائے کفران نعمت کرتا ہے۔ جب ہماری واضح اور آشکار آیات اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ خرافات ہیں اور یہ وہی گذشتہ لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔

خداوند متعال بھی ان کے اس غرور اور تکبر کی وجہ سے اس کی ناک پر علامات لگادے گا یعنی آخرکار اسے ذلیل وخوار کرے گا ایسی ذلت جو دیکھی جاسکے گی اور ظاہر اً یہ علامت لگانا (ذلت کی) آخرت اور قیامت کے دن ہو گی۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''ہم نے انہیں اس طرح آزمایا جس طرح ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ صبح سویرے اس (باغ) کا پھل توڑیں گے۔''

وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''اور وہ استثنا نہیں کر رہے تھے۔ (انشاء اللہ نہیں کہا)۔''

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''اور آپ کے رب کی طرف سے گھومنے والی (بلا) گھوم گئی اور وہ سو رہے تھے۔''

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''پس وہ (باغ) کٹی ہوئی فصل کی طرح ہو گیا۔''

لغات

بلاء: یعنی امتحان اور مصیبت کا پیش آنا۔

صرم: یعنی درخت سے پھل کا چننا۔

کلمہ استثناء: یعنی مستثنیٰ ایک گروہ سے بعض افراد کو جدا کرنا اور کلمہ ان شاء اللہ کہنے کے معنی میں ہے۔

طائف عذاب: عذاب ہے جو کہ رات کو نازل ہو۔

صریم: یعنی ایسا درخت جس کا پھل چن لیا گیا ہو اور اس آیت سے لے کر سترہویں آیت تک رسول اکرم ﷺ کو جھٹلانے والوں کو ڈرایا جارہا ہے اور جو تشبیہ یہاں لائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جھٹلانے والے یقینی عذاب سے دوچار ہوں گے۔

صاحبان باغ کا قصہ

صاحبان باغ ظاہراً اہل یمن تھے جن کے باغ تھے اور روایات کے مطابق ان کا والد بہت منصف مزاج اور سخی انسان تھا جب بھی پھلوں کی چنائی کا وقت آتا ہے غریبوں کا حصہ علیحدہ کرلیتا لیکن اس کی موت کے بعد اس کے پانچ بیٹوں نے فیصلہ کیا کہ پھل توڑ دیئے جائیں لیکن کسی فقیر وغریب کو نہ دیئے جائیں شاید جو اعتماد اپنے آپ پر رکھتے تھے اس وجہ سے ان شاء اللہ نہ کہا بلکہ یقینی اور قطعی طور پر کہا: کل پھل توڑیں گے بس خدا کی طرف سے عذاب نے باغ کو گھیر لیا حالانکہ وہ سو رہے تھے۔اس وقت باغ کے سب درخت ایسے ہوگئے کہ پھل لگے ہی نہ ہوں یا پھلوں کو ان سے توڑ لیا گیا ہو اور اس آگ کی وجہ سے خداوند متعال نے جو بھیجی تھی وہ اس سے جل گئے اور سیاہ ہوگئے۔

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿٢١﴾

ترجمہ : ’’صبح انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں۔‘‘

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ : ’’اگر تمہیں پھل توڑنا ہے تو اپنی کھیتی کی طرف سویرے ہی چل پڑو۔‘‘

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾

ترجمہ : ’’چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں آہستہ آواز میں کہتے جاتے تھے،‘‘

اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿٢٤﴾

ترجمہ : ’’کہ یہاں تمہارے پاس آج قطعاً کوئی مسکین نہ آنے پائے۔‘‘

وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ : ’’چنانچہ وہ خود کو (مسکینوں کے) روکنے پر قادر سمجھتے ہوئے سویرے پہنچ گئے۔‘‘

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ : ’’مگر جب انہوں نے باغ کو دیکھا تو کہا: ہم تو راستہ بھول گئے ہیں۔‘‘

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ : ’’(نہیں) بلکہ ہم محروم رہ گئے ہیں۔‘‘

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾

ترجمہ : ’’ان میں جو سب سے زیادہ اعتدال پسند تھا کہنے لگا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟‘‘

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ''وہ کہنے لگے: پاکیزہ ہے ہمارا رب! ہم ہی قصور وار تھے۔''

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: ''پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔''

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾

ترجمہ: ''کہنے لگے: ہائے ہماری شامت! ہم سرکش ہو گئے تھے۔''

عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: ''بعید نہیں کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے، اب ہم اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔''

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ''عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، کاش! یہ لوگ جان لیتے۔''

لغات

تنادوا: یعنی ایک دوسرے کو آواز لگانا۔

اصباح: صبح کرنا۔

صارمین: یعنی وہ جو پھول توڑتے ہیں۔

حرث: یعنی کھیتی۔

تخافت: یعنی چھپانا

حرد: یعنی منع کرنا، روکنا

قادرین: قدر سے لیا گیا ہے یعنی اندازہ گیری۔

اللہ فرماتا ہے: سویرے انہوں نے ایک دوسرے کو بلایا اور کہا کہ اگر پھل توڑنے ہیں تو جلدی اُٹھو اور باغ میں چلو پس باغ کی طرف چل پڑے۔ حالانکہ سرگوشی میں مشورہ بھی کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے آہستہ آہستہ چلو غریبوں کو پتہ نہ چلے ورنہ مجبور ہو جائیں گے انہیں بھی کچھ دیں۔ صبح سویرے باغ کی طرف چل پڑے اور ارادہ یہ کیا ہوا تھا کہ غریبوں کو کچھ نہیں دیں گے اور آپس میں طے کر چکے تھے کہ وہ بہت جلد پھلوں کو توڑ دیں گے اور غریبوں کو کچھ نہیں دیں گے لیکن جیسے ہی باغ کو اس حالت میں دیکھا اپنے آپ سے کہا ہم کتنے گمراہ تھے کہ سوچ رہے تھے کہ پھلوں کو توڑیں گے اور غریبوں کو کچھ بھی نہیں دیں گے اور راستہ بھی بدل کر آئے اور یہ وہ باغ نہیں ہے جو ہمارا تھا[1] اور کہا ہم صرف راستہ بھٹکے ہیں حالانکہ وہ رزق سے بھی محروم ہو گئے تھے۔

ان بھائیوں میں سے جو عقلمند اور معتدل تھا اور وہ انہیں راہِ حق کی تلقین کرتا تھا (اگرچہ عملاً ان کی پیروی کرتا) اس نے کہا: میں نے تمہیں نصیحت نہیں کی تھی اور نہیں کہا تھا کہ خدا کی حمد اور تسبیح کیوں نہیں کرتے اور اسے (وحدہ لا شریك له) کیوں نہیں مانتے؟ کیوں صرف ظاہری اسباب پر بھروسہ کرتے ہو اور قسم کھاتے ہو کہ کل حتماً پھلوں کو توڑو گے اور کاموں میں مشیت الٰہی کی تاثیر سے غافل ہو گئے اور میں نے تمہیں اس طرف متوجہ کیا تھا۔

اور اگر استثناء سے یہاں مراد یہ ہو کہ فقراء کے حصہ کو علیحدہ کیا جائے تو معنی اس طرح بنے گا کہ اپنی غلطی کی طرف متوجہ ہونے کے بعد خدا کی تسبیح کرتے ہیں یعنی خدا کو یاد کیا

---

[1]: تفسیر مجمع البیان، جلد 10۔

اور اپنی غلط نیت کہ غریبوں کو ان کا حصہ نہیں دیں گے اس سے توبہ کی اور اگر استثناء کا معنی انشاء اللہ کہنے کا ہو تو معنی یہ بنے گا کہ صاحبان باغ جب اپنی غلطی کی طرف متوجہ ہوئے تو خدا کی تسبیح کی اور خدا کے شرک اور صرف ظاہری اسباب پر اتفاق کرنے سے توبہ کی اور اعتراف کرتے ہیں کہ ان اعمال اور افکار کی وجہ سے انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور نیز اعتراف کرتے ہیں کہ غریبوں اور مسکینوں کے حق میں بھی ظلم کیا ہے۔

اس وقت ایک دوسرے کی طرف رخ کرکے ایک دوسرے کو قصور وار ٹھہرانے لگے پھر سب اعتراف کرتے ہیں کہ یقیناً ہم نے بندگی کی حد سے تجاوز کیا ہے اور سرکشی کی ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ خداوند متعال ہمیں باغ سے بہتر باغ عطا فرمائے گا کیونکہ ہم تمام ظاہری اسباب سے مایوس ہوگئے ہیں اور فقط خدا سے دل لگا لیا ہے اور اس کی عبادت اور اطاعت کرتے ہیں۔

اس قصہ کے آخر میں خداوند متعال فرماتا ہے جی ہاں! جس دنیاوی عذاب سے ہم انسان کو ڈراتے ہیں وہ صاحبان باغ کے عذاب کی طرح ہے تمام گزشتہ اور آئندہ اقوام میں ہماری سنت یہی ہے کہ انہیں مال اور اولاد دے کر ان سے امتحان لیتے ہیں جب کہ زیادہ تر انسانوں نے سرکشی اور نافرمانی کی اور شکر کی بجائے کفر کا راستہ اختیار کیا اور ہم نے بھی انہیں نابود کیا لیکن اگر سمجھدار ہیں تو جان جائیں کہ آخرت کا عذاب بہت دردناک ہے کیونکہ آخرت کا عذاب خدا کے قہر سے پھوٹے گا اور کوئی بھی اس کے سامنے استقامت نہیں دکھا سکتا اور چھٹکارا بھی نہیں پا سکتا حتیٰ کہ موت کا وجود بھی نہیں ہوگا کہ وہ موت کے ذریعے عذاب سے چھٹکارا پا سکیں اور آخرت کا عذاب انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا اور وہ عذاب ہمیشگی ہوگا بر خلاف دنیا کے عذاب کے جو ختم ہو جاتا ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس یقیناً نعمت بھری جنتیں ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کافروں اور جھٹلانے والوں کے مقابلے میں نیک اور پرہیزگار لوگوں کو بشارت دیتا ہے کہ آخرت میں ان کا مقام کیا ہو گا؟ اہل تقویٰ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ پیوستہ عبادت اور اطاعت خدا میں ہیں اور خداوند متعال نے انہیں جس چیز سے روکا ہے وہ رُک گئے ہیں اور دنیا میں صرف خدا کی ربوبیت کے قائل ہیں اور خلوص سے صرف خدا کی بات کرتے ہیں لہٰذا ان کا پروردگار اور ان کے کاموں کا مدبر خداوند متعال ہے جو انہیں قیامت کے دن نعمتوں سے بھری جنت عطا فرمائے گا کہ جس کی لذات، درد والم سے جڑی نہیں ہو گی اور بہت جلد سورہ تکاثر میں بیان کریں گے کہ اس سے مراد ولایت کی جنت ہے۔

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۵﴾ؕ

ترجمہ: ''کیا ہم مسلمانوں کو مجرمین جیسا بنا دیں گے؟''

مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿۳۶﴾ۚ

ترجمہ: ''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟''

اَمۡ لَکُمۡ کِتٰبٌ فِیۡہِ تَدۡرُسُوۡنَ ﴿۳۷﴾ۙ

ترجمہ: ''کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟''

اِنَّ لَکُمۡ فِیۡہِ لَمَا تَخَیَّرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ۚ

ترجمہ: ''اس میں وہی باتیں ہوں جنہیں تم پسند کرتے ہو،''

اَمۡ لَکُمۡ اَیۡمَانٌ عَلَیۡنَا بَالِغَۃٌ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ اِنَّ لَکُمۡ لَمَا تَحۡکُمُوۡنَ ﴿۳۹﴾ۚ

ترجمہ: ''یا ہمارے ذمے تمہارے لیے قیامت تک کے لیے کوئی عہد و پیمان ہے کہ تمہیں وہی ملے گا جس کو تم مقرر کر دیتے ہو؟''

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۚ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''آپ ان سے پوچھیں: ان میں سے کون اس کا ذمہ دار ہے؟''

اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''کیا ان کے شریک ہیں؟ پس اگر وہ سچے ہیں تو اپنے شریکوں کو لے آئیں۔''

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۙ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''جس دن مشکل ترین لمحہ آئے گا اور انہیں سجدے کے لیے بلایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے۔''

کفار کی خوش فہمی اور اس کا جواب

ظاہراً خداوند متعال جھٹلانے والوں کے دعوی کو رد کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ جو مومنین کو کہتے ہیں: اگر معاد اور قیامت ہوئی تو ہم دنیا کی طرح وہاں بھی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں گے اور ہماری عاقبت بہت اچھی ہو گی جس طرح اُن کی زبانی دوسری جگہ پر نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّ لَىِٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ (سورہ فصلت، آیت 50)

ترجمہ: ''اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر میں اپنے رب کی طرف پلٹایا بھی گیا تو میرے لیے اللہ کے ہاں یقینا بھلائی ہے۔''

لہٰذا یہاں ان کو جواب دیتے ہوئے ارشادفرماتا ہے: کیا گمان کرلیا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو گناہ گاروں کے ساتھ برابر سمجھ لیا ہے اور دونوں سے ایک جیسا معاملہ کریں گے؟ ہر گز ایسا نہیں ہو سکتا اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایسا حکم لگاتے ہو؟ کیونکہ مسلمانوں کا جو رتبہ اور مقام خدا کے نزدیک ہے اس وجہ سے ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا اور مسلمان وہ ہیں جو خدا کے حکم کے تابع ہوں اور جو خدا چاہتا ہے اس کی پیروی کرتے ہیں برعکس مجرم جو خدا کی نافرمانی کرتے ہیں اور خدا کے حکم کے مطیع اور فرماں بردار نہیں ہیں۔

پھر کچھ انکاری سوالات کرکے اُن پر حجت تمام فرماتا ہے اس طرح کہ نافرمان اور مسلمان اگر ایک جیسے ہیں (جیسا کہ کافر سوچتے ہیں) تو یہ برابری یا تو خدا کی رحمت اور نعمت کی وجہ سے ہے یا ایسا نہیں ہے؟ اگر خدا کی طرف سے ہے تو انسانی عقل بھی اس کو تسلیم کرے ،حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ''مَا لَكُمْ ۗ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ'' پس (جب عقل تائید نہیں کرتی) تو کوئی نقلی دلیل ہونی چاہیے۔ البتہ نقلی دلیل بھی نہیں ہے ''اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ'' یا ایسا ہے کہ ان کافروں کی دلیل نہ عقلی ہے نہ نقلی ہے بلکہ سنی سنائی باتیں ہیں کہ خداوند متعال نے ان کو کہا ہے اور خدا کے کلام سے انہوں نے سمجھا ہے کہ قیامت کے دن اُن سے مسلمانوں جیسا سلوک ہوگا۔ یہ بھی محال ہے کیونکہ وحی صرف انبیاء پر ہوتی ہے اور وہی خدا سے ہم کلام ہو سکتے ہیں بس یہاں تک تین احتمال رد کیے جا چکے ہیں۔ احتمال چہارم یہ ہے کہ ایسا حکم خدا کی طرف سے نہیں ہے اب اگر یہ حکم، حکم قطعی ہو تو اس کی تین صورتیں بنتی ہیں:۔

1۔ یا ان کا یہ حکم خود انہی سے مستند ہے یعنی وہ خود قیامت کے دن فیصلہ کرنے والے ہیں اور ایسا ہر گز نہیں ہے۔ '' سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ''

2۔ یا یہ ہے کہ اس دن حاکم انکے خدا ہوں گے کہ اس صورت میں قرآن فرماتا ہے: اگر سچ کہتے ہو تو اپنے شرکاء کو حاضر کرو۔

3۔ یا یہ کہ غیب کی خبروں پر دسترس رکھتے ہیں یہاں تک کہ جیسا یہ چاہیں گے ویسے ہی ہوگا ہے '' اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ''[1] حالانکہ یہ بھی حقیقت نہیں ہے۔

اب ہو سکتا ہے یہ حکم صرف ایک بہانہ ہو ،تاکہ دعوتِ حق کو قبول کرنے سے سرپیچی کر سکیں اور ذمہ داری سے فرار کر سکیں کیوں کہ ڈرتے ہیں کہ شاید رسول خدا ان سے اجر مانگ لیں اور اس سے بچنے کے لیے ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٦﴾

ترجمہ: ''حالانکہ ایسا نہیں ہے اور رسول خدا نے ان سے اجرت کا تقاضا نہیں کیا اور یہ سات احتمال ہیں جسے خداوند متعال نے ایک ایک کرکے بیان کیا اور اسے رد بھی کیا ہے۔''

بہر حال فرماتا ہے: تم کیسے ایسا حکم لگاتے ہو؟یعنی عقل بھی ایسا حکم نہیں لگاتی اور نہ کوئی نقلی دلیل اس پر ہے کیوں کہ خدا کی طرف سے ایسی کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی کہ اس میں اس قسم کا حکم موجود ہو اور تم نے وہاں سے سیکھا ہو اور پڑھا ہو کہ دنیا وآخرت میں تمہارا جو جی چاہے انجام دو اور سعادت کا اختیار تمہارے اپنے ہاتھوں میں ہے۔

آگے فرماتا ہے: ایسا بھی نہیں ہے کہ خداوند متعال نے شفاهاً تمہارے ساتھ اس قسم کا عہد کیا ہو یا قسم دی ہو اور تم نے عہد نامہ لے لیا ہو کہ جب تک قیامت رہے گی تمہارے ساتھ بھی مسلمانوں جیسا حسن سلوک کیا جائے گا۔(ایسا ہر گز نہیں)۔ اس وقت رسول خداؐ کو مخاطب قرار دے کر فرماتا ہے: ان سے پوچھو تم میں سے کون اس امر کے انجام دینے کا

---

[1] ۔ سورہ قلم، آیت 47۔

ذمہ دار ہے؟ در حقیقت فرمانا چاہتا ہے: کہ ان کا دعویٰ اتنا جھوٹا اور ااس کا بطلان اتنا واضح اور روشن ہے کہ کوئی پاگل ہی ایسی بات کر سکتا ہے۔

پھر ان کے ایک اور دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے فرماتا ہے کہ شاید اس طرح کہیں کہ ان کے خدا ان کی شفاعت کریں گے اور انہیں مسلمانوں کے برابر کا مقام دیں گے تو ان کے لیے خدا فرماتا ہے: کہ اگر ان کے خدا ہیں اور وہ اپنی بات میں سچے ہیں تو اپنے خداؤں کو لے کر آئیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کے خدا معبود نہیں ہیں ،دوسری بات یہ کہ ربوبیت میں وہ شریک نہیں ہیں، تیسری بات یہ کہ ایسی شفاعت کرنے کی طاقت ان کے پاس نہیں ہے۔ پھر آگے فرماتا ہے: جب شدت امر اپنے انتہا درجے کو پہنچے گی[1] اور ان کافروں کو بلایا جائے گا کہ خدا کے لیے سجدہ کرو تو سجدہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ ان کے دلوں میں خضوع نہیں ہے اور استکبار کا ملکہ ان کے باطن میں گھر چکا ہے اور وہ دن بھی باطن کے آشکار اور ظاہر ہونے کا دن ہے۔ ''یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ''[2]

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَ قَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی حالانکہ انہیں سجدے کے لیے اس وقت بھی بلایا جاتا تھا جب یہ لوگ سالم تھے۔''

---

[1] ۔ کیونکہ انسان جب سخت مصیبت جیسے سیلاب وغیرہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اپنی شلوار کو اوپر کر لیتا ہے اور کمر مضبوطی سے باندھ لیتا ہے تاکہ اس مشکل اور مصیبت سے چھٹکارے کا حیلہ کرے (فارسی مترجم)

[2] ۔ سورہ طارق، آیت 9۔

اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں فرماتا ہے: خداوند متعال کا کوئی شریک نہیں ہے اور آخرت میں سعادت کا واحد راستہ سجدہ ہے یعنی خداوند متعال کے لیے خضوع کرنا اور ربوبیت میں اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے اور جھٹلانے والے جو دنیا میں سالم تھے اور سجدہ کر سکتے تھے لیکن سجدہ نہیں کیا اور دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا لہٰذا آج قیامت کے دن بھی سجدہ کرنے پر قادر نہیں ہوں گے اور ان کی آنکھیں شرم سے جھکی ہوئی ہوں گی اور ذلت نے انہیں گھیرا ہوا ہوگا۔

فَذَرْنِیْ وَ مَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''پس مجھے اس کلام کی تکذیب کرنے والوں سے نبٹنے دیں، ہم بتدریج انہیں گرفت میں لیں گے اس طرح کہ انہیں خبر ہی نہ ہو۔''

نعمتوں کی فراوانی عذاب کا سبب بن سکتی ہے

اس آیت میں جھٹلانے والوں کی وجہ سے رسولؐ خدا کو جو تکلیف پہنچی ہے اس پر اسے تسلی دیتے ہوئے اور کافروں کی وجہ سے جو دھمکی ملی ہے، اس ضمن میں فرماتا ہے: میں خود ان کو عذاب دینے کے لیے کافی ہوں لہٰذا جو قرآن کو جھوٹ سمجھتے ہیں ان کا معاملہ میرے سپرد کر دو اور مطمئن ہو جاؤ کہ قدم بہ قدم انہیں عذاب کے نزدیک کر دوں گا اور وہ متوجہ بھی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ ان کی ہلاکت اور بربادی حتمی ہو جائے گی (استدراج) یعنی ذرہ ذرہ کسی کے رتبہ اور مقام کو نیچے لانا اور قرآن کی اصطلاح میں ایک کے بعد دوسری نعمت کا ملنا جو کہ انسان کو غافل کر دے یہاں تک کہ کفران نعمت کا مرتکب ہو جائے اور نعمت دینے والے کو بھلا بیٹھے نتیجتاً ہلاکت سے دوچار ہو جائے اور یہ جو فرمایا: انہیں ایسے نیچے لائیں گے کہ سمجھ

ہی نہیں پائیں گے کہ یہ ہلاکت نعمت کے راستے سے ہی آئے گی کہ جسے کافر اپنے لیے خیر اور سعادت سمجھتے تھے نہ کہ شر اور بدبختی۔

وَ اُمۡلِیۡ لَہُمۡ ؕ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ''اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، میری تدبیر یقیناً بہت مضبوط ہے۔''

فرماتا ہے: میں کافروں کو مہلت دیتا ہوں تاکہ زیادہ سے زیادہ نعمتوں میں غرق ہو کر گناہ اور غفلت کے مرتکب ہوں اور جو چاہیں انجام دیں یعنی ان کی موت میں تاخیر کر دیتا ہوں اور یہ ایک قسم کا محکم اور استوار مکر ہے کیونکہ نعمتیں جیسے سلامتی، طولانی عمر اور دوسری نعمتیں اگرچہ شکر اور اطاعت کا سبب ہیں لیکن وہ (کافر اور مشرک) ان نعمتوں میں غرق ہونے کی وجہ سے منعم کو بھول جاتے ہیں اپنے ارادہ اور اختیار سے کفران نعمت کو منتخب کیا ہے۔

اَمۡ تَسۡـَٔلُہُمۡ اَجۡرًا فَہُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾ۚ

ترجمہ: ''کیا آپ ان سے اجرت مانگتے ہیں جس کے تاوان تلے یہ لوگ دب جائیں؟''

اَمۡ عِنۡدَہُمُ الۡغَیۡبُ فَہُمۡ یَکۡتُبُوۡنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھتے ہوں؟''

جیسا کہ پہلے کہا ہے یہ دو آیات پہلے ذکر شدہ بحث کے فروعات میں سے ہے کہ جو ان کے اس دعوی کو رد کرنے کے لیے پیش کی گئی کہ مسلمان اور کافر برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (گمان کرتے ہیں) تو نے ان سے اجرت مانگی ہے اور وہ غرامت کو ادا کریں، اس لیے ایمان لانے سے سرکشی کرتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں یا غیب کی خبروں پر تسلط رکھتے ہیں اور قضاء وقدر ان کے ہاتھ میں ہے کہ جیسے چاہیں گے حکم کریں گے اور قیامت کے دن

خود کو مسلمانوں کے برابر قرار دیں گے؟ اور کیوں کہ ایسا نہیں ہے اور ان میں سے کوئی بھی احتمال درست نہیں ہے لہٰذا ان کا یہ دعویٰ کہ ، قیامت کے دن مسلمانوں کی طرح ان سے برابر سلوک کیا جائے گا ، ایک بیہودہ اور بغیر دلیل کے ہے۔ (اور کہا گیا ہے کہ بہت سے ایسے ہیں جو نعمتوں اور احسان کی فراوانی کی وجہ سے نیچے گرتے ہیں اور بہت سے تعریف اور تمجید کی وجہ سے متکبر اور مغرور ہو جاتے ہیں اور بعض گناہوں کی پردہ پوشی کی وجہ سے گستاخ اور جری بن جاتے ہیں)[1]۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ؕ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''پس اپنے رب کے حکم تک صبر کریں اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے غم سے نڈھال ہو کر (اپنے رب کو) پکارا تھا۔''

لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''اگر ان کے رب کی رحمت انہیں سنبھال نہ لیتی تو وہ برے حال میں چٹیل میدان میں پھینک دیئے جاتے۔''

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ''مگر اس کے رب نے اسے برگزیدہ فرمایا اور اسے صالحین میں شامل کر لیا۔''

---

[1] ۔ یہ عبارت مصطفیٰ کمال شاکر کی ہے۔

فرماتا ہے: اے پیغمبرؐ آپ خدا کے اس حکم کے سامنے جو جھٹلانے والوں کو نیچے گرائے گا اور ہلاک کرے گا، اس حکم کے سامنے صبر کرو اور یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جاؤ کہ غیظ و غضب سے پر تھے اور اپنی قوم پر عذاب کے لیے خدا سے دعا کی اور عذاب کے نازل کرنے کے لیے جلدی سے کام لیا تا کہ مجبور نہ ہو کہ اپنے اوپر ظلم کا اعتراف کرو، خدا کی تسبیح کرو جیسا کہ حضرت یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ سے آواز دی:

''لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ ٭ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ''[1]

پھر اس نہی کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: اگر خدا کی طرف سے حضرت یونس کو توبہ کی مہلت نہ ملی ہوتی[2] اور خدا اس کی توبہ کو قبول نہ کرتا اور گذشتہ کا ازالہ نا فرماتا تو ایک ایسے صحرا میں ڈال دیا جاتا جہاں نہ پانی ہوتا اور نہ سبزہ نہ سایہ اور نہ کوئی اور چیز۔ جو کچھ بھی انجام دیا تھا اس کی وجہ سے ملامت بھی کیا جاتا۔

اس آیت کا اور سورہ صافات کی آیت ۱۴۳ اور ۱۴۴ [3] کا آپس میں مقایسہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونسؑ کا اپنی قوم سے غیظ و غضب کی حالت میں باہر جانا اور ان پر نفرین کرنا اقتضاء کر رہا تھا کہ ہمیشہ مچھلی کے پیٹ میں رہتے لیکن دائمی تسبیح اس قضاء کے سامنے آ گئی اور تقدیر الٰہی یہ ہوئی کہ صحرا اور بیابانوں میں ڈال دیئے جائیں اور اس کی مذمت کی جائے لیکن ان کی توبہ اس امر کے مانع ہو گئی [4] اور تنہا مذمت نہ کی گئی بلکہ خداوند متعال نے

---

[1] ۔ سورہ انبیاء، آیت 87۔

[2] ۔ جیسا کہ کئی بار کہا ہے کہ بندے کی توبہ خداوند متعال کی طرف سے دو توبہ کے درمیان گھری ہوئی ہے۔ پہلے خداوند متعال اپنے بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسے توبہ کی توفیق دیتا ہے اور پھر بندہ توبہ کے ذریعے خدا کی طرف پلٹتا ہے اور آخر میں خداوند متعال اپنی رحمت اور غفران کے ساتھ اس کی طرف نظر فرماتا ہے (فارسی مترجم)

[3] ۔ فَلَوْ لَآ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ اگر یونس دل سے تسبیح نہ کرتے تو یقینا تا قیام قیامت مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔

[4] ۔ کئی بار کہا ہے کہ نعمت کی حقیقت سے مراد وہی خدا کی سرپرستی اور ولایت ہے۔

انہیں چن لیا اور صالحین میں قرار دیا '' صلاح شئی '' یعنی اس کی حالت کو ویسے بنا دیا جیسا ہونا چاہیے۔

وَ اِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِاَبۡصَارِہِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکۡرَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّہٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ''اور کفار جب اس ذکر (قرآن) کو سنتے ہیں تو قریب ہے کہ اپنی نظروں سے آپ کے قدم اکھاڑ دیں اور کہتے ہیں: یہ دیوانہ ضرور ہے۔''

لغات

(ان) مخفف مثقلہ ہے یعنی (ان) کا مخفف ہے۔

(زلق) لغزش اور خطا کے معنی میں ہے۔

(ازلاق) یعنی مرگی اور یہ ہلاکت سے کنایہ اور اشارہ ہے۔

نظر بد

فرماتا ہے: یقیناً کافر جب قرآن کو سنتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ اپنی نظر بد سے تجھے گرا دیں۔ نظر بد ایک قسم کی نفسیاتی تاثیر رکھتی ہے اور روایات میں بھی اس کا ذکر ہے اور اس کی نفی پر کوئی دلیل عقلی بھی نہیں ہے لیکن بعض اس کا انکار کرتے ہیں کہ یہ ایک خرافاتی عقیدہ ہے حالانکہ اس کے برعکس، بہت سے حادثات دیکھے گئے ہیں جو نظر بد کی وجہ سے پیش آئے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے: اس آیت کا معنٰی یہ ہے کہ جب کافر قرآن سمجھتے ہیں بغض اور غصے کی حالت میں ایسے تجھے دیکھتے ہیں کہ گویا اس بغض بھری نگاہ سے آپ کو قتل کر دیں۔[1]

1۔ تفسیر مجمع البیان، جلد 10۔

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''اور حالانکہ یہ (قرآن) عالمین کے لیے فقط نصیحت ہے۔''

یعنی یہ جو پیغمبر کو'' نعوذ باللہ'' دیوانہ کہتے ہیں اور قرآن کو'' نعوذ باللہ'' جنون کی باتیں بتاتے ہیں بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں بلکہ قرآن تمام عالم کے لیے ایک تذکراور یاددہانی ہے تاکہ جو حقیقی طور پر ہدایت کا طالب ہے، وہ صراط مستقیم پر آ جائے اور (ایسا شخص) قرآن کے تذکرات سے بہرہ مند ہوگا جیسا کہ فرمایا:

''اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ، لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ''[1]

سورۃ الحاقہ

(مکی۔کل آیات: 52)

سورہ کے مطالب

---

[1]: سورہ تکویر، آیت ۲۷۔۲۸۔

قیامت کے مسئلہ کو بیان کرنا اور جھٹلانے والی اقوام کی اولاد اور اہل سعادت اور اہل بد بختی کی صفات کا تذکرہ کرنا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَآقَّۃُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''حتمی وقوع پذیر۔''

مَا الۡحَآقَّۃُ ۚ﴿۲﴾

ترجمہ: ''وہ حتمی وقوع پذیر کیا ہے؟''

وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحَآقَّۃُ ؕ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو کس چیز نے بتایا کہ وہ حتمی وقوع پذیر کیا ہے؟''

لغات

''حاقہ'' قیامت کبریٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کا دن حق اور ثابت اور غیر قابل تردید اور تخلف ہے۔

''ما'' سوالیہ ہے اور قیامت کی عظمت سمجھانے کے لیے استعمال ہوا ہے پھر اس کی اہمیت اور عظمت اور کمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہر اس شخص سے خطاب ہے جو قابلیت رکھتا ہے، فرماتا ہے: تم نہیں جانتے کہ حاقہ کیا ہے؟ اور یہ بات در حقیقت قیامت کے علم کی ہر شخص سے نفی کر رہی ہے۔

کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَ عَادٌۢ بِالۡقَارِعَۃِ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''ثمود اور عاد نے اس کھڑکا دینے والے واقعے کو جھٹلا دیا تھا۔''

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝٥

ترجمہ: ''پھر ثمود کو تو اس طغیانی حادثے سے ہلاک کر دیا گیا۔''

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝٦

ترجمہ: ''اور عاد کو ایک سرکش طوفانی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔''

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧

ترجمہ: ''جسے اس نے مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ان پر مسلط رکھا، پس آپ ان لوگوں کو وہاں دیکھیے اس طرح پڑے ہوئے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔''

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝٨

ترجمہ: ''کیا ان میں سے تجھے کوئی باقی ماندہ نظر آرہا ہے؟''

قوم عاد و ثمود

قارعہ: یہ بھی قیامت کبریٰ کے ناموں میں سے ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کو تہس نہس کر دیا جائے گا اور نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا ان آیات میں قیامت کو بعض جھٹلانے والی اقوام کا تذکرہ ہے تاکہ بتائیں کہ ان کی ہلاکت کی وجہ کیا تھی؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ

بتانا چاہتا ہے کہ قیامت وہی دردناک اور تہس نہس کرنے والا حادثہ ہے کہ قوم عاد اور ثمود جنہوں نے خداوند متعال کو جھٹلایا اور خداوند متعال نے انہیں اپنے عذاب سے دوچار کیا۔ قوم ثمود آسمانی بجلی یا زلزلہ یا صاعقہ سے ہلاک ہوئی[1] شاید اس آیت میں قوم ثمود کی ہلاکت کے سبب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور فرماتا ہے: قوم ثمود سرکشی کی وجہ سے ہلاک ہوئی لیکن پہلی وجہ سیاق کے ساتھ زیادہ مطابقت رکھتی ہے کیونکہ بعد والی آیات میں عذاب کی کیفیت کو ہی بیان کیا گیا ہے نہ کہ ہلاک ہونے والے لوگوں کی صفات۔ بہرحال قوم عاد ایک سخت اور تیز طوفان کے سبب ہلاک ہوئی۔ خداوند متعال نے ان کے اوپر آندھی کو متواتر سات دن اور راتیں ان پر مسلط کئے رکھا اور اگر آپ ہوتے تو ان کو دیکھتے کہ کھجور کے پتوں کی طرح زمین پر پڑے تھے پھر یہ کہ اس عذاب نے انہیں ہر طرف سے گھیر رکھا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: کیا کسی کو دیکھتے ہو کہ ان میں سے کوئی بچ گیا ہو؟

وَجَآءَ فِرۡعَوۡنُ وَمَنۡ قَبۡلَهٗ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتُ بِالۡخَاطِئَةِ ۚ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور سرنگوں شدہ بستیوں نے بھی اسی غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔''

فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ فَاَخَذَهُمۡ اَخۡذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''پھر انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے انہیں بڑی سختی کے ساتھ گرفت میں لے لیا۔''

اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ حَمَلۡنٰكُمۡ فِى الۡجَارِيَةِ ۙ﴿۱۱﴾

---

[1]: تفسیر کشاف، جلد 4۔

ترجمہ: ''جب پانی میں طغیانی آئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا۔''

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''تاکہ ہم اسے تمہارے لیے یادگار بنادیں اور سمجھدار کان ہی اسے محفوظ کر لیتا ہے۔''

آیات، طوفان نوح کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ان تمام لوگوں کو جن کے اسلاف اس طوفان سے بچ گئے تھے مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: کہ یہ ہم تھے کہ جب پانی کی طغیانی عروج پر تھی تمہیں کشتی پر سوار کیا اور غرق ہونے سے بچالیا۔ اگر تمہارے ساتھ ایسا کیا ہے تو اس وجہ سے کہ تمہارے لیے تذکر کا سبب بنے تاکہ عبرت حاصل کر سکو اور اپنے اندر واقعہ کو یاد رکھو اور بھولو مت تاکہ اس کا اثر یعنی عبرت تمہارے اندر پیدا ہو۔الہی سنتوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو راستہ دکھا کر اس کی ہدایت کی جائے اور تذکر سے مراد یہ ہے کہ انسان کو سعادت کے راستے کی یاددہانی کرائی جائے (کہ ممکن ہے اس تذکر کی وجہ سے غفلت سے بیدار ہو جائیں) اور پروردگار کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ تمام موجودات کے کمال کی طرف رہنمائی کی جائے اور انہیں اس عروج کے نقطہ پر پہنچایا جائے اور یہ جملہ '' تَعِيَهَآ أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ'' اس مطلب کی طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ (وعی) یعنی ہدایت ربوبی کے ذریعے، ہدایت کے مصادیق کو حاصل کرنا مراد ہے۔ اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ بیرونی حوادث انسان کے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں جیسا کہ سورہ اعراف کی آیت نمبر 96 سے استفادہ ہو رہا تھا کہ انسان کے اعمال بیرونی حادثات میں تاثیر گذار ہیں۔ ''تفسیر الدرالنثور میں روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی رسولؐ خدا نے فرمایا: میں نے خداوند متعال سے دعا کی ہے کہ ''اذن واعیہ'' علی کو قرار دے جس کے بعد علی علیہ السلام نے فرمایا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں رسولؐ خدا سے کوئی چیز سنوں اور اسے بھول جاؤں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''پس جب صور میں ایک دفعہ پھونک ماری جائے گی،''

وَّ حُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۙ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے تو وہ ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے،''

فَيَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ۙ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''تو اس روز وقوع پذیر ہونے والا واقعہ پیش آ جائے گا۔''

صور پھونکنے سے لوگوں کا قبروں سے اٹھنا اور حساب کتاب کے لیے اکٹھا ہونا مراد ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے اور اگر اسے (واحدہ) صفت کے ساتھ یاد کیا ہے تو یہ اس کے حتمی ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں تکرار کی ضرورت نہیں۔ظاہراً (نفخہ) سے مراد اس آیت میں نفخہ دوم یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکنا ہے کہ جس میں مردے زندہ ہو جائیں گے۔ پھر آگے فرماتا ہے: جب زمین اور پہاڑ پر قدرت الٰہی مسلط ہو جائے گی اس وقت ایک ہی آن میں ریزہ ریزہ اور پراکندہ ہو جائیں گے اور ایسے ہی دن قیامت برپا ہو گی۔

وَ انۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوۡمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس روز ڈھیلا پڑ جائے گا،''

وَّ الۡمَلَكُ عَلٰۤى اَرۡجَآئِهَا ؕ وَ يَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ؕ﴿۱۷﴾

ترجمہ: "اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور اس دن آٹھ فرشتے آپ کے رب کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔"[1]

قیامت کے دن آسمان بکھر جائے گا سست اور کمزور ہو جائے گا اور ملائکہ آسمان کے ارد گرد ہوں گے جب کہ عرش کو حمل کرنے کے لیے فرشتوں جیسی مخلوق ہے کہ آٹھ افراد ہیں اور ظاہراً اس دن ملائکہ، آسمان اور عرش لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے جبکہ ایک اور جگہ فرمایا:

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾[2]

ترجمہ: "اور آپ فرشتوں کو عرش کے گرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی ثناء کے ساتھ تسبیح کرتے ہوئے دیکھیں گے اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ ہو چکا ہو گا اور کہا جائے گا: ثنائے کامل اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔"

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: "اس دن تم سب پیش کیے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی۔"

یعنی قیامت کے دن ہر انسان کا عمل اور عقیدہ خداوند متعال کے لیے ظاہر ہو جائے گا اس طرح کہ کوئی عمل اور عقیدہ اس سے پوشیدہ نہیں ہوگا تمام باطنی اسرار و رموز ظاہر ہو جائیں گے جیسا کہ پہلے کہا ہے یہ خدا کا علمی احاطہ دنیا میں بھی ہے لیکن قیامت کے دن لوگ

---

[1] ۔ تفسیر قمی میں ہے کہ عرش الٰہی کو 4 آدمی ہمیشہ اٹھائے کھڑے ہیں، لیکن قیامت کے دن 8 آدمی اٹھائیں گے چار پہلے اور چار ان کے ساتھ شامل ہوں گے پہلے چار: حضرت نوح، ابراھیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیھم السلام ہیں اور آخرین میں سے چار: محمد، علی، حسن اور حسین علیھم السلام ہیں۔

[2] ۔ سورہ زمر، آیت 75۔

واضح طور پر دیکھ سکیں گے کہ خدا کے علم کے احاطہ میں رہتے تھے اور ان کے تمام افکار و عقائد اور اعمال واضح تھے اور کوئی چیز خداوند متعال سے پوشیدہ نہیں ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۚ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''پس جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (دوسروں سے) کہے گا: لو میرا نامہ عمل پڑھو۔[1]''

اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۚ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''مجھے تو یقین تھا کہ مجھے اپنے حساب کا سامنا کرنا ہوگا۔''

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۙ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا،''

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''بلند و بالا جنت میں،''

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''جس کے میوے قریب (دسترس میں) ہوں گے۔''

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

[1] ۔ تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کے ہر گروہ کو ان کے امام کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا، جیسا کہ سورہ اسرا آیت: 71؛ اسی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور یمین سے مراد امام کی معرفت اور اثبات ہے۔ پس جو اپنے امام کے حق کو پہچانتے ہوں گے اصحاب یمین ہوں گے اور جو اپنے امام کو نہیں پہچانتے ہوں گے وہ اصحاب شمال ہوں گے۔

ترجمہ: ''خوشگواری کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلے میں جنہیں تم گزشتہ زمانے میں بجالائے۔''

نیک اعمال کا اجر وثواب

یعنی وہ نیک اور صالح افراد کہ جن کا عقیدہ اور عمل دونوں اچھے تھے قیامت کے دن ان کو نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو خوشی سے فرشتوں کی طرف منہ کرکے کہیں گے: آؤ میرا نامہ اعمال دیکھو اور پڑھو کہ کیسے میری سعادت وخوشبختی کا حکم لگایا گیا ہے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ دنیا میں ایسے دن پر ایمان رکھتا تھا اور مطمئن تھا کہ بہت جلد اپنے حساب وکتاب سے ملوں گا۔ پس خدا پر ایمان لایا اور اپنے عمل کی اصلاح کی۔

یقیناً وہاں ایسی زندگی گزارے گا کہ اس سے خوش اور راضی ہوگا جنت میں اسے اعلی مقام کہ جس کی نعمتوں کی توصیف ممکن نہیں، عطا کیا جائے گا اور جنت کے میوے اس کی دسترس میں ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کھاؤ اور پیو اور جنت کی تمام لذتوں سے بہرہ مند ہو جاؤ! اور تمھیں مبارک ہو۔ یہ اس کے ایمان اور عمل صالح کا اجر ہے کہ جو اس نے فانی دنیا میں آج کے لیے مہیا کرکے رکھا تھا۔

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۬ۙ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ کِتٰبِیَهۡ ﴿ۚ۲۵﴾

ترجمہ: ''اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے وہ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا نامہ اعمال نہ دیا جاتا۔''

وَ لَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِیَهۡ ﴿ۚ۲۶﴾

ترجمہ: ''اور مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔''

یٰلَیۡتَهَا کَانَتِ الۡقَاضِیَةَ ﴿ۚ۲۷﴾

ترجمہ: "کاش! موت میرا کام تمام کر دیتی۔"

مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۚ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: "میرے مال نے مجھے نفع نہ دیا۔"

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۚ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: "میرا اقتدار نابود ہو گیا۔"

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: "(حکم آئے گا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہناؤ۔"

ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۙ ﴿٣١﴾

ترجمہ: "پھر اسے جہنم میں تپا دو،"

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۭ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: "پھر ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں اسے جکڑ لو۔"

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۙ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: "یقیناً یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔"

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۭ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: "اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔"

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۙ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: ''لہٰذا آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں ہے۔''

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍۙ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''اور پیپ کے سوا اس کی کوئی غذا نہیں ہے،''

لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخٰطِئُوۡنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''جسے خطاء کاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔''

جہنمیوں کی صفات

لیکن بدبخت اور گناہ گار لوگوں کو ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ قیامت کے دن آرزو کریں گے اے کاش! اپنے نامہ اعمال کو نہ دیکھا ہوتا کیونکہ اس میں ایمان ہے نہ نیک اعمال ہیں لہٰذا کہیں گے اے کاش نہ جان پاتے کہ ہمارا حساب کتاب کیسا ہے کیونکہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کتنا دردناک عذاب ان کے لیے تیار کیا گیا ہے اور یہ بھی کہیں گے اے کاش! اس پہلی موت کے ساتھ نابود ہو جاتے اور دوبارہ نہ اٹھائے جاتے اور اس ہمیشگی عذاب سے بچ جاتے اس وقت حسرت اور ندامت کے ساتھ کہیں گے وہ مال جسے دنیا میں سعادت کا سبب سمجھتے تھے آج ہر گز ہمارے کام نہیں آئے گا اور ہماری قدرت بھی باطل ہو گئی ہے اور کوئی ہمارا یار و مددگار بھی نہیں اس وقت خداوند متعال فرشتوں کو حکم دے گا پکڑ لو اور ان کے ہاتھ پاؤں اور گردن کو زنجیروں سے جکڑ دو اور پھر انہیں دہکتی آگ میں ڈال دو اور ستر قدم طولانی زنجیر میں باندھ دو۔[1]

---

[1] ۔ ذرع یا ذراع سے مراد، انگلیوں کے سرے سے لے کر کہنی تک کی لمبائی ہے اور شاید یہاں ستر ذراع سے مراد عظمت اور کثرت سے کنایہ ہے۔

پھر فرماتا ہے: یہ حکم جو دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند متعال پر ایمان نہیں لاتا تھا اور لوگوں کو، غریبوں کو کھانا کھلانے کی تشویق نہیں کرتا تھا بلکہ سامحہ کرتا تھا اور لاچار لوگوں کی تکلیف کا احساس نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا آج محشر کے دن کوئی ان کا دوست اور شفاعت کرنے والا، انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ کافروں کی بخشش نہیں ہے اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا اور سوائے کثیفی اور پلیدگی کے علاوہ کوئی غذا بھی نہیں اور یہ گندا پانی صرف ان لوگوں کی خوراک ہے جو گناہوں اور خطاؤں کے عادی بن چکے ہیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو،''

وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو''

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''یقیناً یہ ایک کریم رسول کا قول ہے،''

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے، تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔''

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کلام ہے، تم کم ہی غور کرتے ہو۔''

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔''

وَ لَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ۙ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ”اور اگر اس (نبی) نے کوئی تھوڑی بات بھی گھڑ کر ہماری طرف منسوب کی ہوتی،“

لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ۙ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے،“

ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ”پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔“

فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ”پھر تم میں سے کوئی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔“

وَ اِنَّهٗ لَتَذۡكِرَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ”اور پرہیزگاروں کے لیے یقینا یہ ایک نصیحت ہے۔“

وَ اِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ”اور ہم جانتے ہیں کہ تمہارے درمیان کچھ لوگ تکذیب کرنے والے ہیں۔“

وَ اِنَّهٗ لَحَسۡرَةٌ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ”یہ (تکذیب) کفار کے لیے یقینا (باعث) حسرت ہے۔“

وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾

ترجمہ: ''اور یہ سراسر حق پر مبنی یقینی ہے۔''

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: ''پس آپ اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کریں۔''

رسول اکرمؐ پر لگی تہمتوں کا جواب

یعنی قسم اس چیز کی جو تمہارے لیے ظاہر اور مشہود ہے اور قسم اس کی جو تم سے پوشیدہ ہے اور یہ قسم درحقیقت تمام ظاہر اور مشہود مخلوقات کی ہے کہ جو خدا کو شامل نہیں (کیونکہ خداوند متعال عظیم ہے اس سے کہ مخلوق کے ہم ردیف ہو) لیکن مخلوق کی قسم بہت عظیم اور بڑی اور جمیل قسم ہے کیونکہ خداوند خود جمیل ہے اور جمال کے علاوہ خلقت نہیں فرماتا: لہٰذا موجودات، خداوند متعال کی طرف سے خوبی اور اچھائی کے علاوہ کچھ نہیں اور جو برائی یا کمی ان میں نظر آتی ہے ان کی اپنی ماہیت کی وجہ سے ہے یا دوسروں کے ساتھ مقابلے کی وجہ سے۔

بہرحال قسم کے جواب کے طور پر فرماتا ہے: یہ گفتار کریم اور بزرگوار رسول کی ہے یعنی قرآن ایسا حق ہے جو رسول اکرمؐ پر نازل ہوا ہے اور ایک شاعر کا کلام نہیں ہے اور قرآن شعر نہیں۔ پھر ان لوگوں کی سرزنش فرماتا ہے کہ جو قرآن کو شعر کہتے تھے۔ فرماتا ہے: کتنے کم ایمان لاتے ہو۔

قرآن آگے رسول اکرمؐ کے وجود مقدس سے کہانت کی نفی فرماتا ہے کہ قرآن کسی کاہن کا کلام نہیں ہے کہ جنوں سے سیکھا ہو اور ساتھ مشرکین کے معاشرے کی مذمت فرماتا ہے کہ کتنی کم عبرت لیتے ہو۔

بلکہ قرآن جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے نہ یہ کہ رسولؐ خدا نے خود بنایا ہو اور خدا کی طرف (نعوذ باللہ) جھوٹی نسبت دی ہو کیونکہ رسول اکرم ﷺ اگر کچھ اقوال بنا کر ہماری طرف منسوب کرے تو ہم ان کے مجرموں کی طرح ہاتھ پاؤں باندھ دیں گے یا اپنی دست قدرت سے اسے لے لیں گے [1] اور شہ رگ حیات کو کاٹ دیں گے جو خون کو جگر میں داخل کرتی ہے یا وہ بڑی رگ ہے جو دل اور پیٹ سے شروع ہو کر تمام جسم کو غذا پہنچاتی ہے۔ اس وقت تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو ہم انتقام لینے سے روک سکے اور سزا دینے سے بچا سکے۔

پھر آگے فرماتا ہے: یہ قرآن پرہیزگاروں کی یاد دہانی کے لیے ہے کیونکہ عقائد حقہ اور وہ تعلیمات جو انسان کو کمال تک پہنچانے میں مددگار ہیں، ان کی تعلیم دیتا ہے اس کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بہت سے جھٹلانے والے ہیں اور یہی قرآن اور حق کو جھٹلانا، کافروں کے لیے حسرت کا سبب بن جائے گا اور اس حسرت کو قیامت کے دن جو (یوم الحسرۃ) ہے، احساس کریں گے یقیناً یہ قرآن حق الیقین ہے اور ذرہ بھر باطل اس میں نہیں۔ پس تم اپنے عظیم پروردگار کے پاک و منزہ ہونے کی گواہی دو کہ جس نے عالم کو باطل خلق نہیں کیا اور قرآن میں باطل چیز شامل نہیں کی۔

---

[1] ۔ تفسیر قمی، جلد 2 میں موجود روایت کے مطابق۔

سورۃ المعارج

(مکی۔ کل آیات: 44)

سورہ کے مطالب

قیامت کے دن اور اس عذاب کی صفات کو بیان کرنا مقصود ہے کہ خداوند متعال نے کافروں کے لیے تیار کر رکھا ہے اور ان منافقین کی حالت جو رسول اکرمؐ کے ارد گرد رہتے تھے اور دین کے بعض احکام کو نہیں مانتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا جو واقع ہونے ہی والا ہے۔''

لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''کفار کے لیے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ہے،''

نعمان بن حارث فہری کا واقعہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کافروں میں سے ایک نے خدا سے عذاب کی درخواست کی کہ جو کافروں کے لیے مخصوص ہے اور ان کے لیے حتمی واقع ہوگا۔ اور ان کا کوئی مدافع بھی نہیں ہوگا چاہے وہ درخواست کریں یا نہ کریں، وہ عذاب واقع ہوگا اور یہی کلام حقیقت میں ایک قسم کا تحقیر آمیز جواب ہے، اس سوال کرنے والے کے لیے اور تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے نقل ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علی علیہ السلام کو خلافت پر منصوب کرنے کے بعد فرمایا ''من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ''، جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علی مولا ہے۔ یہ خبر مختلف شہروں میں پھیل گئی اور نعمان بن حارث فہری نے بھی سنی۔ وہ اپنے شہر سے نکلا اور مدینہ میں رسول خدا کی خدمت میں پہنچ عرض کی: آپ نے ہمیں '' لا الہ الا اللہ '' پڑھنے کا کہا اور آپ کی رسالت کی گواہی دینے کا کہا ہم نے اعتراف کیا، آپ نے جہاد کرنے کا کہا، روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے، حج انجام دینے، زکات دینے کا کہا ہم نے سب کچھ قبول کیا؛ مگر آپ اس مقدار پر بھی راضی نہیں ہوئے، یہاں تک کہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی کو خلافت دے دی اور کہا ''جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علی مولا ہے'' اب بتائیے یہ مسئلہ آپ کی اپنی طرف سے تھا یا خداوند متعال کی طرف سے ہے۔ اس پر رسولؐ اکرم نے جواب دیا: خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ حکم بھی خداوند

متعال کی طرف سے ہے؟ نعمان بن حارث لوٹا در حالانکہ وہ کہہ رہا تھا: خدایا اگر یہ حق بات ہے اور آپ کی طرف سے ہے آسمان سے میرے سر پر پتھر پھینک ابھی اس کی بات بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ خداوند متعال نے آسمان سے اس کے سر پر پتھر پھینکا جس سے وہ وہیں مر گیا۔ اس وقت خداوند متعال نے یہ آیت نازل کی۔

مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿٣﴾

ترجمہ: ''عروج کے مالک اللہ کی طرف سے ہے۔''

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾

ترجمہ: ''ملائکہ اور روح اس کی طرف اوپر چڑھتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔''

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿٥﴾

ترجمہ: ''پس آپ صبر کریں، بہترین صبر۔''

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿٦﴾

ترجمہ: ''یہ لوگ یقیناً اس (عذاب) کو دور خیال کرتے ہیں،''

وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿٧﴾

ترجمہ: ''اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔''

معارج کی تفسیر و تشریح

کافروں کو صاحب معارج یعنی خداوند متعال کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں یااس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب خدا ذی المعارج کی طرف سے ہے۔

"معارج" یعنی سیڑھیاں، رتبے؛ اور مفسرین نے ان ملکوتی مقامات سے تفسیر کی ہے جو الہی فرشتے، خداوند متعال کی طرف سے رجوع کرنے کے لیے طے کرتے ہیں اور یہ مقامات نیچے سے اوپر کی طرف ہیں کہ ہر مقام نچلے مقام سے اعلیٰ اور افضل ہے۔فرشتے اور روح ہر ایک خدا سے قرب کے سبب ان مقامات کو طے کرتا ہے اور اوپر جاتا ہے اور یہ حقیقی اور ملکوتی مقامات اور رتبے ہیں نہ کہ دنیا کے عارضی مقامات۔

قیامت کے دن اتنا لمبا ہوگا کہ جس کی مقدار دنیاوی پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ لہٰذا ملائکہ اور روح قیامت کے دن خداوند متعال کی طرح پلٹیں گے ، کیونکہ قیامت ایسا دن ہے جس میں اسباب اور واسطے ختم ہو جائیں گے اور فرشتے اس عالم پر واسطہ ہیں (جب عالم یعنی سبب اور وسیلہ اور واسطہ خود ختم ہو جائے گا تو جو فرشتے اس کام کے لیے مقرر کیے گئے تھے وہ سب) قیامت کے دن خدا کی طرف پلٹ جائیں گے اور اپنے معارج کی طرف جائیں گے اور سب عرش کے گرد صف بنا کر کھڑے ہو جائیں گے اور اس دن انسان وہ سب کچھ کھو بیٹھے گا جو خدا نے اسے عطا کیا ہوگا اور کوئی طاقت اور قدرت اس کے پاس نہیں ہوگی کہ ان چیزوں سے استفادہ کرسکے۔ اس وقت اس انسان کے لیے واضح و آشکار ہو جائے گا کہ قدرت اور حاکمیت صرف خدا ی واحد اور قہار کی ہے۔

رسولِ خداؐ سے سوال کیا گیا کہ قیامت کا دن کتنا طولانی ہوگا؟ فرمایا! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مومن مرد کے لیے اتنا آسان ہے کہ دنیا میں ایک واجب نماز پڑھنے جتنا وقت لگے گا اس سے زیادہ نہیں۔

پھر آگے رسول خدا کو مخاطب قرار دیتے ہوئے خداوند متعال فرماتا ہے: آپ ان کافروں کے لیے عذاب کی درخواست کرنے میں صبر جمیل سے کام لیں اور جزع وفزع نہ

کریں (صبر جمیل ایسا صبر ہے جو خالص ہو اور جس میں بے تابی کا شائبہ تک نہ ہو) کیونکہ ان کے عذاب کا دن یا قیامت کا دن نزدیک ہے اگرچہ وہ اس کو دور خیال کرتے ہیں اور اس کے واقع ہونے پر بھی یقین نہیں رکھتے۔ حالانکہ یہ عذاب نزدیک اور ناقابل تخلف ہے۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾

ترجمہ: ''اس دن آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہو جائے گا،''

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾

ترجمہ: ''اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔''

وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾

ترجمہ: ''اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا۔''

يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾

ترجمہ: حالانکہ وہ انہیں دکھائے جائیں گے، مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو فدیہ میں دے دے،''

وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾

ترجمہ: اور اپنی زوجہ اور اپنے بھائی کو بھی،''

وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾

ترجمہ: اور اپنے اس خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا،''

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿١٤﴾

ترجمہ : اور روئے زمین پر بسنے والے سب کو (تاکہ) پھر اپنے آپ کو نجات دلائے۔"

قیامت کے دن انسان کی کیفیت

خداوند ارشاد فرماتا ہے: کہ قیامت کے دن نزدیکی رشتہ داروں کو ہر شخص سے ملایا جائے گا لیکن وہ اپنی مصیبتوں اور مشکلات میں اتنا گرفتار ہوگا کہ نہ صرف ان کا حال ہی نہیں پوچھے گا بلکہ شدت عذاب کی وجہ سے آرزو کرے گا کہ اپنے نزدیکی ترین افراد اور عزیز ترین افراد جیسے اولاد، بھائی اور باقی قریبی رشتہ داروں یہاں تک کہ سب مخلوق کو قربان کرکے کسی طرح اس عذاب سے بچ سکے۔

كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾

ترجمہ: "ایسا ہرگز نہ ہوگا کیونکہ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے،"

نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾

ترجمہ: "جو منہ اور سر کی کھال ادھیڑنے والی ہے۔"

تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾

ترجمہ: "یہ آتش ہر پیٹھ پھیرنے والے اور منہ موڑنے والے کو پکارے گی،"

وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾

ترجمہ: "اور اسے (بھی) جس نے مال جمع کیا اور بند رکھا۔"

اللہ فرماتا ہے: (ھیھات) کتنی غلط اور باطل آرزو ہے جو کبھی پوری نہ ہوگی جہنم کی آگ بھڑک رہی ہوگی اور داخل ہونے والے کے ہر عضو کو جلا رہی ہوگی اور انہیں تہس نہس

کر رہی ہو گی اور ہر متکبر اور جھٹلانے والے کو اپنی طرف بلائے گی تا کہ انہیں عذاب دے سکے کیونکہ وہ خدا کی عبادت کی بجائے مال و دولت کو جمع کرتے رہے اور اپنے خزانوں میں سونا اور چاندی کو جمع کرتے رہے اور کسی فقیر اور محتاج کو نہیں دیتے تھے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''انسان یقیناً کم حوصلہ خلق ہوا ہے۔''

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔''

وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''اور جب اسے آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔''

(ھلع) یعنی شدید لالچ اور لالچی وہ ہے (جیسا کہ آیات سے واضح ہے) جو تھوڑی سی پریشانی آنے سے بہت جزع وفزع کرتا ہے اور جب تھوڑی آسانی پیدا ہو جائے تو دوسروں پر نفاق اور خرچ کرنے سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور انسان کو اس طرح خلق کیا گیا ہے کہ حریص اور لالچی ہے۔

اور یہ لالچ اسے کمال وجودی تک لے جاتی ہے اور حب ذات کی شاخ ہے جب کہ خود یہ ایک ناپسندیدہ چیز نہیں ہے بلکہ بری اس وقت ہوتی ہے کہ جہاں اسے استعمال کرنا چاہیے انسان وہاں استعمال نہیں کرتا لیکن یہ حرص کی صفت دوسری اخلاقی صفات کی طرح اگر حد وسط اور کنٹرول میں رہے اور افراط و تفریط کا شکار نہ ہو تو یہ مذموم نہیں ہے اور اگر حرص اور طمع نا ہوتا تو انسان نیکی و کمال اور اپنے سے شر کو دور کرنے کی طرف نہ جاتا۔ پس بچہ جو دینا میں آتا ہے وہ غرایز اور عواطف کی وجہ سے اپنے فائدے اور نقصان سے بچنے کے پیچھے

رہتا ہے لیکن جب اس کی عقل رشد کرتی ہے اور حق و باطل کو سمجھنے لگتا ہے کہ بہت ساری چیزیں جنہیں وہ حق سمجھتا تھا وہ باطل تھیں۔ اس وقت اگر انسان نفسانی خواہشات کی پیروی کرے گا اور عقل کا حکم نہیں مانے گا تو خداوند متعال بھی اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اور پھر وہ حق کو سمجھنے کی قدرت سے محروم ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر عنایت الٰہی کو درک کرے، اس کے تمام غرائز من جملہ طمع و حرص، حق طلبی کے لیے استعمال ہوگی۔ پس ایسا انسان پھر حق کے سامنے تکبر سے کام نہیں لے گا اور کسی صاحب حق پر ظلم بھی نہیں کرے گا جیسا کہ فرمایا:

وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۙ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ؕ﴿۴۱﴾ [1]

ترجمہ: ''اور جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے اور نفس کو خواہشات سے روکتا ہے، اس کا ٹھکانا یقیناً جنت ہے۔''

ایسا شخص ہمیشہ اخروی عذاب کا خوف رکھے گا اور ہمیشہ خدا کی رحمت اور مغفرت کی طرف بڑھے گا لیکن دنیا میں خیر اور شر جو خدا نے اس کے لیے مقرر کی ہے، اس سے تجاوز نہیں کرے گا۔ گناہ اور معصیت کرنے کے طمع کو صبر کے ذریعے کنٹرول کرے گا۔ اس طرح مشکلات کے سامنے بھی صبر اور بردباری سے کام لے گا اور عبادت کی سختیوں پر بھی صبر کرے گا اس صورت میں اپنے حقیقی منافع کو حاصل کرنے کے لیے اس کا طمع اس کی صفت کمالی شمار ہوگا اور اس کے مقابلے میں وہ انسان ہے جو حق سے منہ موڑ کر باطل کے سامنے سر جھکا چکا ہے اور نفسانی خواہشات کے مطابق عمل کرتا ہے اس کا دل یاد خدا سے غافل ہو چکا ہے اور نعمت الٰہی سے انکار کر بیٹھا ہے اور اپنے اعمال کی وجہ سے خود کو جہنم کے قابل بنا دیا ہے۔''

اِلَّا الۡمُصَلِّيۡنَ ۙ﴿۲۲﴾

---

[1]: سورہ نازعات، آیت 40-41۔

ترجمہ: "سوائے نماز گزاروں کے،"

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: "جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں،"

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: "اور جن کے اموال میں معین حق ہے،"

لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: "سائل اور محروم کے لیے،"

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: "اور جو روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں،"

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: "اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔"

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: "بتحقیق ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے۔"

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: "اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں،"

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے پس ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔''

مومنین کی صفات

یہ (**هلوع**) سے استثناء ہے اور یہ کہ مؤمنین کی تمام صفات میں سے صرف نماز کو ذکر کیا ہے اس کی وجہ نماز کا شریعت اور دین کا ستون ہونے کی وجہ سے ہے ،اس کے علاوہ مختلف بری صفات کو انسان سے دور کرتی ہے جیسا کہ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ؕ[1]

(اے نبی) آپ کی طرف کتاب کی جو وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کریں اور نماز قائم کریں، یقینا نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے اور تم جو کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ پھر آگے فرماتا ہے: وہ اپنی نماز کو ہمیشہ ادا کرتے ہیں ، کیونکہ کسی کام کا کمال اس کے دوام کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ سستی کی وجہ سے۔ جو ہمیشہ نماز پڑھتا ہے اس کا نفس اور دل مطمئن رہتا ہے اور خود کو مکمل طور پر خدا کے کنٹرول میں سمجھتا ہے۔ اس لیے جب کوئی مشکل آتی ہے تو کہتا ہے: یہ میرے لیے آسان ہے مصیبت کا آنا میرے پرودگار کے کنٹرول میں ہے۔ اسی طرح یہ افراد اپنے اموال میں سے فقیروں کا حق رکھتے ہیں اور ان افراد کو بھی دیتے ہیں جو پریشان حال ہیں لیکن سوال نہیں کرتے اور یہ حق معلوم حق (زکات) نہیں ہے بلکہ کلی طور پر راہ حق میں انفاق ہے اور ایسے افراد روز قیامت کا اقرار بھی کرتے ہیں اور جزاء اور سزا کے دن کی تصدیق بھی کرتے ہیں اور اپنے نفوس کو کنٹرول میں رکھتے ہیں کہ کہیں وہ ذکرِ خدا سے غافل نہ ہو جائیں جب بھی کوئی چیز ان کے سامنے آتی ہے اگر وہ خداوند متعال کی پسندیدہ ہے اور اسے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ اسے انجام دیتے ہیں اور ہر اس کام سے دامن بچاتے ہیں جس کو اللہ تعالی نے ناپسند فرمایا ہے۔ لہٰذا

---

[1]: سورہ عنکبوت، آیت 45۔

ان کی زندگی کا اسلوب اور طریقہ ایسے ہے کہ وہ یقین کامل رکھتے ہیں کہ جو بھی کام انجام دیتے ہیں ،خدا اسے دیکھ رہا ہے اور بہت جلد اس کا حساب کتاب دینا ہوگا اور اس پر جزا سزا ملے گی ۔لہٰذا اگر وہ نیک عمل انجام دیں گے، تو اس کے لیے انہیں اجر و ثواب ملے گا اور اگر برا کام انجام دیں گے، تو اس پر ان کو عذاب ملے گا۔ اس لیے وہ اپنے پروردگار کا خوف رکھتے ہیں جس کی وجہ سے حرام چیزوں سے اپنا دامن بچاتے ہیں ،خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور نیک اعمال انجام دینے پر مداومت کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود اپنے اعمال پر اعتماد نہیں رکھتے اور خود کو عذاب الٰہی کی امان میں نہیں سمجھتے کیونکہ عذاب سے امنیت خوفِ خدا کے ساتھ سازگاری نہیں رکھتی۔

پھر آگے ارشاد فرماتا ہے: تیرے پروردگار کا عذاب امان دینے والا نہیں ہے یعنی کوئی بھی نہیں جو خود کو عذابِ خدا سے محفوظ سمجھے۔

اولاً : اطاعت باطنی کے علاوہ کوئی چیز خدا کے عذاب سے محفوظ نہیں کرتی۔

ثانیاً: انسان کے اندر بھی اطمینان اور یقین نہیں ہے کیونکہ انسان کا نفس سرکش ہے اور انسان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا مگر جتنی خدا نے اسے طاقت دی ہو کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک وخالق اللہ ہی ہے۔

ثالثاً: اگرچہ خدا نے فرمانبرداروں کو نجات کا وعدہ دیا ہے جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں لیکن یہ بات اس کی قدرت کو مقید نہیں کرتی اور جو چاہے انجام دینے کی قدرت رکھتا ہے۔اسی وجہ سے کوئی بھی انسان اپنے آپ کو خدا کے عذاب سے محفوظ مت سمجھے جیسا کہ اپنے کلام مجید میں فرمایا ہے: ملائکہ اور انبیاء اور اولیاء الٰہی اس کے مقام کا خوف رکھتے ہیں۔[1] لہٰذا مومنین کا عذاب الٰہی سے ڈرنا حق ہے۔ پھر آگے فرماتا ہے: وہ اپنی شرم گاہوں کے محافظ

---

[1] ۔سورہ نحل، آیت 50۔

ہیں یعنی اپنی شہوت کو برائی اور محارم سے سے بچاتے ہیں، صرف وہ حد جو شریعت نے ان کے لیے معین کی ہے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں (بیوی اور کنیز کے ذریعے)[1] لہٰذا ان موارد میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''جو لوگ اس کے علاوہ کی خواہش کریں وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں،''

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں۔''

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۙ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں،''

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۭ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں،''

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۭ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''جنتوں میں یہی لوگ محترم ہوں گے۔''

پہلے مطلب کو جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے: جو شریعت کے معین کردہ راستوں سے ہٹ کر شہوانی خواہشات کی تکمیل کے لیے جائیں گے وہ متجاوز متصور ہوں گے۔ مؤمنین کی دوسری صفات یہ ہیں کہ وہ امانتوں اور وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں یعنی جو امانتیں انہیں دی گئیں ہیں وہ اس میں خیانت نہیں کرتے اور اپنے عہد و پیمان کا احترام کرتے ہیں اور وعدہ

---

[1] ۔ سورہ احزاب، آیت 39۔

خلافی نہیں کرتے اور یہاں عہد سے مراد ہر قسمی زبانی اور عملی وعدہ ہے۔ پھر آگے فرماتا ہے : یہ مؤمنین وہ لوگ ہیں جو شہادت دینے سے دریغ نہیں کرتے اور اپنی گواہی بغیر چھپائے بیان کرتے ہیں اور نماز کا خیال رکھتے ہیں اور اسے اچھی طرح اور شرعی احکام کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ایسے افراد غیر قابل تعریف ہیں اور عظیم جنت میں مورد احترام واقع ہوں گے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: ”پھر ان کفار کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں،“

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: ”دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے گروہ در گروہ ہو کر،“

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿٣٨﴾

ترجمہ: ”کیا ان میں سے ہر شخص یہ آرزو رکھتا ہے کہ اسے نعمت بھری جنت میں داخل کیا جائے؟“

كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾

ترجمہ: ”ہرگز نہیں! ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں۔“

جنت میں داخل ہونے کی شرط ایمان ہے

رسولِ خدا کو خطاب ہے کہ کافر اپنے آپ کو تکبر کی وجہ سے جہنم میں لے جائیں گے۔ پس جو کافر آج آپ کے نزدیک اور آپ کے پاس ہیں اور آپ سے آنکھ بھی نہیں پھیرتے ؟اور ظاہری طور پر آپ کے گرد جمع ہیں لیکن دائیں، بائیں سے جدا ہو جاتے ہیں، کیا جنت کا لالچ بھی رکھتے ہیں کہ جنت میں جائیں گے اور خدا کو ”نعوذباللہ“ عاجز کر دیں گے اور حتمی قضا

ءسے بچ جائیں گے؟۔حالانکہ خداوند متعال نے مقرر فرمایا ہے کہ فقط نیک مومنین جنت میں جائیں گے۔ ہر گزایسا نہیں ہو سکتا (کہ وہ جنت میں جائیں) اور یہ بات ان کے اختیار میں ہی نہیں ہے اور نہ خدا کو عاجز کر سکتے ہیں اور محال ہے کہ یہ کافر اپنے کفر کے ساتھ جنت میں داخل ہوں اور وہ جانتے ہیں کہ ہم نے انہیں نطفہ اور پست پانی سے خلق کیا ہے۔لہٰذا ہمارے لیے آسان ہے کہ انہیں ہلاک کر کے نئی قوم اور ان سے بہت بہتر قوم کو لے آئیں، جو مومن ہوں اور احکام خدا کی مخالفت بھی نہ کریں اور کوئی بھی ہماری قضاء وقدر سے بچ نہیں سکتا اور ہمیں عاجز نہیں بنا سکتا اور یہ کافر طمع کر کے بیٹھے ہیں کہ ہماری قضا و قدر کو توڑ کر جنت میں داخل ہو جائیں گے (ایسا ھر گز نہیں ہو سکتا)، کیونکہ ہم نے معین اور مقرر کیا ہے کہ کافر کسی بھی قیمت پر جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَ الۡمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوۡنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ”پس میں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ ہم قادر ہیں۔“

عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ خَیۡرًا مِّنۡهُمۡ ۙ وَ مَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ” (اس بات پر) کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگوں کو لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں۔“

فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ”پس آپ انہیں بیہودگی اور کھیل میں چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ اس دن کا سامنا کریں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔“

یَوۡمَ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّهُمۡ اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا وہ کسی نشانی کی طرف بھاگ رہے ہوں۔''

خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الۡيَوۡمُ الَّذِىۡ كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی، یہ وہی دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

خدا کی قدرت کا بیان

مشارق اور مغارب سے مراد سورج کا مشرق اور مغرب ہے کہ کوئی بھی دن مشرق سے ،اپنے پہلے والے دن سے قبل، طلوع نہیں کر سکتا اور مغرب میں غروب بھی نہیں کر سکتا مگر اگلے سال اسی دن اور مہینے میں یا شاید اس مشارق اور مغارب سے مراد تمام اشاروں کا مشرق اور مغرب سے مراد ہے۔

بہرحال فرماتا ہے: اگرچہ قسم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن قسم کھاتا ہوں مشرق و مغرب کے پروردگار کی (یعنی ذات اقدس الٰہی کی) کہ ہم قدرت رکھتے ہیں یعنی میں جو خلقتِ انسان کا مبداء ہوں اور مشارق و مغارب کا مدبر و مدبر ہوں یقیناً قدرت رکھتا ہوں اور کوئی چیز مجھے عاجز نہیں کر سکتی اور کوئی نئی چیز خلق کرنے میں ،مانع نہیں بن سکتی کیونکہ یہ تمام حوادث میرا فعل ہیں اور میں تنہاء ان کا رب ہوں۔

بناء بریں قدرت رکھتا ہوں کہ ان پست اور بے حیثیت کافروں کو نابود کردوں اوران کی جگہ ایک ایسی قوم کو لے آؤں جوان سے بہتر ہو اور حق کی پیروکار ہو اور ہم ہرگز مغلوب نہیں ہوں گے اور کوئی مخلوق ہمارے ارادے کے نفوذ میں مانع نہیں بن سکتی۔

عبارت میں واحد متکلّم کا صیغہ استعمال کرکے ﴿اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ﴾ اور ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ﴾ یقیناً قدرت اور عظمت الٰہی کی طرف اشارہ ہے اور قدرت کی وجہ سے مشارق اور مغارب کے رب ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ جو تمام مخلوقات کی تدبیر کا مرکز ہے ضروری ہے کہ کوئی چیز اسے عاجز نہ کرسکے۔

آگے رسولِ خدا کو مخاطب کرکے فرماتا ہے: وہ جیسے ہیں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں اور ایمان لانے میں اصرار نہ کریں اور نصیحت نہ کریں اور خود کو تکلیف مت دیں، کیونکہ وہ اپنی اس سرکشی کی وجہ سے کبھی فلاح نہیں پائیں گے اور یہ ان کی سرکشی اور ان کا اصرار ایسی خام خیالی ہے جو حقیقت نہیں رکھتی۔ پس انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، تاکہ قیامت کے دن، جس کا وعدہ دیا جاچکا ہے، حاضر ہوں اور اس دن ان کے لیے مخصوص عذاب ہوگا، جس دن قبروں سے اٹھیں گے گویا ان علامات کی طرف دوڑیں گے جو مسافروں کے لیے مقرر کردی گئی ہیں تاکہ کوئی راستہ پیدا کرسکیں اور ان کا حال ایسے ہوگا کہ خدا کی عظمت اور کبریائی کو دیکھ کر ان کے اعضاء اور جوارح خاشع ہوں گے اور دلوں کے خضوع و خشوع کو ان کی آنکھوں میں دیکھا جاسکے گا اور ذلت نے ان کو گھیر رکھا ہوگا۔ ہاں یہ وہی دن ہے جس دن کا دنیا میں انہیں وعدہ دیا جاتا رہا۔

سورۃ نوح

(مکی۔ کل آیات: 28)

سورہ کے مطالب

حضرت نوحؑ کی قوم کے قصہ کو بیان کرنا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کی تنبیہ کریں قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آجائے۔''

قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''انہوں نے کہا: اے میری قوم! میں تمہیں واضح طور پر تنبیہ کرنے والا ہوں،''

اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو کہ،''

یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾

ترجمہ: 'وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور ایک مقرر وقت تک تمہیں مہلت دے گا، اللہ کا مقرر کردہ وقت جب آ جاتا ہے تو موئخر نہیں ہوتا، کاش! تم جانتے ہوتے۔"

حضرت نوحؑ کا مبعوث ہونا

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم شرک اور گناہوں کی وجہ سے عذابِ الٰہی میں گرفتار ہونے والے تھے کہ خداوند متعال نے حضرت نوحؑ کو بھیجا تاکہ عذاب کے نازل ہونے سے پہلے ان کو ڈرائیں اور حضرت نوحؑ نے خدا کی رسالت کو انجام دیتے ہوئے فرماتے ہیں: میں تمہارے لیے واضح طور پر ڈرانے والا اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ تمہیں دعوتِ حق دوں کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو (توحید عبادی) اور اس سے ڈرو اور قیامت پر ایمان لے آؤ اور ان کی منع کی گئی چیزوں (صغیرہ و کبیرہ گناہوں) سے اپنے آپ کو بچاؤ ہو اور پھر میری اطاعت کرو، میری نبوت پر ایمان لے آؤ۔ یہ مختصر عبارت دین حق کے تین مھم اصولوں پر قائم ہے (توحید، نبوت، معاد)۔ پھر آگے فرماتا ہے: اگر ایسا کرو گے تو خداوند متعال تمہارے بعض گناہوں کو معاف کر دے گا یعنی وہ گناہ جو ایمان لانے سے پہلے انجام دے چکے ہو اور وہ کفر کی حالت میں انجام دیئے ہیں اور خدا تمہاری موت کو اجل مسمّٰی تک موئخر کر دے گا۔

اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ موت دو قسم کی ہے: ایک اجل مسمّٰی اور ایک اجل معین۔اجل معین طولانی تر اور دور ترین ہے اور دوسری اجل معلق یعنی جو معین نہیں ہے اور دوسری کی نسبت نزدیک تر ہے۔

اس بناء پر خداوند متعال اس آیت میں کافروں کو وعدہ دے رہا ہے کہ اگر ایمان اور تقوی اور اطاعتِ خدا کو قبول کریں گے ان کی کم اور نزدیک ترین موت ، زیادہ لمبی اور دور ترین موت میں بدل جائے گی اور پھر فرماتا ہے : اگر ایسا نہیں کروگے (ایمان، تقوی اور اطاعت نہیں کروگے) تو تمہاری موت جو کہ آن پہنچی ہے پھر اسے مؤخر نہیں کیا جائے گا کیونکہ جب موت آجاتی ہے پھر وہ مؤخر نہیں ہوتی اور یہ کلام ایک قسم کا دھمکی آمیز کلام ہے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو بہت جلد عذاب الٰہی تمہیں گھیر لے گا اور آخر میں فرماتا ہے: اگر جان لیتے ان دو قسموں کو یعنی ایک اجل مسمّٰی اور دوسری اجل معین تو تمہیں ہر قسمی عذاب کا علم ہو جاتا اور میری دعوت حق کو ضرور قبول کرتے اور ایمان اور تقویٰ اختیار کرکے خود کو آنے والے عذاب سے بچا لیتے۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ فرمایا: خداوند متعال نے استغفار کو رزق اور روزی میں اضافہ اور اپنی مخلوق پر رحمت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔پس خدا رحمت کرے اس شخص پر جو توبہ کرنے میں جلدی کرے اور خدا سے معافی مانگے اور اپنی موت کے دن کی اصلاح میں لگ جائے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ”نوح نے کہا: رب ! میں اپنی قوم کو رات دن دعوت دیتا رہا،“

فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾

ترجمہ: ”لیکن میری دعوت نے ان کے گریز میں اضافہ ہی کیا،“

وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًاۚ۝۷

ترجمہ: ''اور میں نے جب بھی انہیں بلایا تاکہ تو ان کی مغفرت کرے تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے (منہ) ڈھانک لیے اور اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔''

حضرت نوحؑ کا شکوہ

پس کئی سال تک حضرت نوح اپنی قوم کو ڈرانے کے بعد بالآخر مایوس ہو گئے اور خداوند متعال کی طرف رجوع کیا اور دعا کی: خدایا! میں نے دن رات بغیر تھکے ان کو تیری عبادت، تقویٰ اور اطاعت کی دعوت دی۔ لیکن یہ نہ صرف ایمان نہیں لائے بلکہ الٹا میری دعوتِ حق سے فرار ہی کیا۔ درحقیقت کہنا چاہتے ہیں! خدایا جتنا میں نے دعوت دینے میں اصرار کیا، اتنا انہوں نے سرکشی کی اور جب بھی میں نے ان کی بھلائی چاہتے ہوئے انہیں دعوت دی تاکہ یہ ایمان لے آئیں اور آپ انہیں معاف کر دیں۔ انہوں نے میری دعوتِ حق کو قبول کرنے سے انکار کیا اور اپنے منہ پر کپڑا ڈال دیتے تھے تاکہ مجھے نہ دیکھ سکیں۔ انہوں نے میری بات سننے سے انکار کر دیا اور مجھ سے دور بھاگنے لگے اور میری دعوت حق کو قبول کرنے سے متکبرانہ انداز میں انکار کر دیا۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًاۙ۝۸

ترجمہ: ''پھر میں نے انہیں بلند آواز سے بلایا۔''

ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًاۙ۝۹

ترجمہ: "پھر میں نے انہیں علانیہ طور پر اور نہایت خفیہ طور پر بھی دعوت دی۔"

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ۝۱۰

ترجمہ: "اور کہا: اپنے رب سے معافی مانگو، وہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا ہے۔"

پھر آگے حضرت نوحؑ فرماتے ہیں: میں نے اپنی قوم کو دعوت دینے کے لیے ہر ممکن راستہ اپنایا۔ پہلے آرام سے، پھر چلا کر دعوت دی۔ کبھی سر عام اور کبھی چھپ کر رسالت کو انجام دیا۔ میں نے دعوت دیتے ہوئے اور ان کی توجہ اور رضایت کو جلب اور آپ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے انہیں کہا: اپنے رب کی مغفرت اور بخشش کو طلب کرو کیونکہ وہ بہت بخشنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ۝۱۱

ترجمہ: "وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا۔"

وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ۝۱۲

ترجمہ: "وہ اموال اور اولاد کے ذریعے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغات بنائے گا اور تمہارے لیے نہریں بنائے گا۔"

پھر آگے حضرت نوحؑ اپنی قوم کو فرماتے ہیں: اگر استغفار کرو گے تو خداوند متعال زیادہ برسنے والے بادل بھیجے گا اور مال و دولت اور اولاد کے سلسلے میں خدا تمہاری مدد فرمائے گا کیونکہ مال اور اولاد انسانی معاشرے کو اس کے اہداف تک پہنچانے کے لیے بنیادی چیزیں ہیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں: خداوند متعال تمہارے لیے باغات اور چشمے قرار دے گا یعنی مغفرت، نعمتوں کی فروانی اور مشکلات کے دور ہونے میں تاثیر گزار ہے اور انسانی معاشرے

کی اصلاح اور فتنہ و فساد کو ختم کرنے اور عمومی فضا کی اصلاح میں مغفرت مستقیماً اثر کرتی ہے یعنی انسانی معاشرہ اپنی اصلاح کرلے تو انسان ایک پاکیزہ زندگی گزار سکتے ہیں اور اگر اس کے برعکس فساد میں مبتلا ہو جائیں تو مشکلات اور مصیبتوں سے دوچار ہوں گے۔[1]

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا عقیدہ نہیں رکھتے؟''

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے خلق کیا۔''

لوگوں کے ضمیروں کو جھنجوڑنا

فرمانا چاہتا ہے کہ کس چیز نے تمہیں خداوند متعال کی ربوبیت اور اس کی تعظیم سے روک رکھا ہے؟ جس کے نتیجے میں اس کی ربوبیت اور الوہیت کا انکار کر بیٹھے ہو؟ اس (وحدہ لا شریک) کے بجائے متفرق خداؤں کی عبادت کرتے ہو؟ جبکہ تم خود جانتے ہو کہ تمہیں اور اس کائنات کو اسی نے خلق فرمایا ہے اور پھر فرماتا ہے: اور تمہیں ہر ایک کو مختلف حالات اور مزاجوں کے ساتھ خلق فرمایا ہے (پہلے مٹی سے پھر نطفہ سے پھر علقہ اور اس کے بعد مضغۃ اور پھر جنین اور شیر خوار، جوانی، بڑھاپا اور ضعیف العمری) اسی طرح تمہارے گروہوں کو بھی مختلف خلق فرمایا: (بعض مرد، بعض عورتیں، بعض سیاہ رنگ، بعض سفید رنگ، بعض شکل اور قدرت میں آپس میں مختلف ہیں) کیا یہ چیزیں تدبیر کے سوا کچھ ہیں؟ پس تمہارا مدبر وہی تمہارا خالق اور صرف اسے معبود مانو اور پروردگار جانو!۔

---

[1] ۔اس جیسے مطالب سورہ روم آیت 41؛ سورہ شوری آیت 30؛ اور سورہ اعراف آیت 96 میں بھی بیان ہوئے ہیں۔

اَلَمۡ تَرَوۡا کَیۡفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمانوں کو یکے بعد دیگرے کس طرح خلق کیا؟''

وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِیۡہِنَّ نُوۡرًا وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا؟''

وَ اللّٰہُ اَنۡۢبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ۙ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اور اللہ نے زمین سے تمہاری خوب نشوونما کی۔''

ثُمَّ یُعِیۡدُکُمۡ فِیۡہَا وَ یُخۡرِجُکُمۡ اِخۡرَاجًا ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''پھر تمہیں اسی میں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تمہیں باہر نکالے گا۔''

وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا ۙ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''اور اللہ نے زمین کو تمہارے لیے ہموار بنایا،''

لِّتَسۡلُکُوۡا مِنۡہَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں پر چلو۔''

کائنات اور انسان کی خلقت میں غور و فکر کی دعوت

سورہ ملک میں سات آسمانوں کے بارے کہا تھا کہ یا تو پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے کے اوپر ہیں یا ایک دوسرے کی مثل ہیں۔ حضرت نوحؑ کے کلام سے جو انہوں نے سات آسمان کہہ کر مشرکین اور کافروں کے سامنے احتجاج کیا، ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی مانتے تھے

کہ سات آسمان ہیں اور اس کو پہلے انبیاء سے سن رکھا تھا۔ بہر حال یہ آیات خداوند متعال کی ربوبیت کے اثبات کو بیان کر رہی ہیں اور اس کائنات کی تدبیر کے نمونے بیان کرکے انہیں متوجہ اور متنبہ کر رہی ہیں۔

آسمانوں کی خلقت کے مسئلے کو بیان کرنے کے بعد سورج اور چاند بارے بیان فرماتا ہے: کہ خداوند متعال کی ہی ذات ہے جس نے سورج کو ایک روشن چراغ کی طرح قرار دیا ہے تاکہ کائنات کو روشن کر سکے اور چاند بھی سورج سے روشنی لے کر ہماری زمین کو روشن کرتا ہے اس وجہ سے چاند کو بھی سراج کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس کی اپنی روشنی نہیں ہے اور یہ آسمانوں کی طرف واقع ہے نہ یہ آسمانوں کو روشنی دیتا ہے۔

پھر فرماتا ہے: خداوند نے تمہیں زمین سے پیدا کیا جس طرح نباتات کو پیدا کرتا ہے کیونکہ خلقتِ انسان بالآخر زمینی عناصر پر ہی منتہیٰ ہوتی ہے اور یہی زمینی عناصر انسان کے بدن میں نطفہ بنتے ہیں اور نطفہ رحم میں جنین کی صورت اختیار کرتا ہے اور انہیں زمینی عناصر سے اسے غذا ملتی ہے اور نباتات کی حقیقت بھی یہی ہے۔ پھر آگے فرماتا ہے: پھر تمہیں زمین کی طرف پلٹائے گا اور پھر ایک عجیب حالت میں دوبارہ زمین سے باہر نکالے گا یعنی خدا ہے جو تمہیں موت دے گا اور قبر میں بھجوائے گا اور قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے قبروں سے نکالے گا۔ جیسا کہ ایک اور جگہ پر فرمایا:

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾[1]

ترجمہ: ''زمین ہی میں تمہیں جینا اور وہیں تمہیں مرنا ہو گا اور (آخرکار) اسی میں سے تمہیں نکالا جائے گا۔''

---

[1] ۔ سورہ اعراف، آیت 25۔

پھر آگے فرماتا ہے: خداوند متعال نے ہی زمین کو تمہارے نیچے قالین کی طرح بچھا دیا ہے تاکہ آسانی سے اس پر چل سکو اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکو اور صحرا اور پہاڑوں کو عبور کر سکو۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”نوح نے کہا: میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان لوگوں کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے ان کے نقصان میں اضافہ ہی کیا۔“

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”اور ان لوگوں نے بڑی عیاری سے فریب کاری کی،“

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّ لَا یَغُوْثَ وَ یَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”اور کہنے لگے: اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔“

وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ۬ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”اور (اس طرح) انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور (اے رب) تو نے بھی ان ظالموں کی گمراہی میں اضافہ ہی کیا۔“

یہاں پر حضرت نوحؑ کئی قسم کے دلائل بیان کرنے کے بعد کہ جن کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، ایک مرتبہ پھر خدا سے عرض کرتے ہوئے اپنی قوم کی شکایت کرتے ہیں کہ خدایا! یہ

لوگ میری نافرمانی کرتے ہیں اور اپنی قوم کے بزرگوں اور امیروں کی پیروی کرتے ہیں۔ جن کے مال و اولاد کی زیادتی نے انہیں صرف کافر بنایا ہے اور تیری رحمت سے محرومی کا سبب بنا ہے اور ان کے بزرگ مکر و فریب کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرنے پر تل گئے اور لوگوں کو کہا: اپنے خداؤں کو مت چھوڑنا اور حضرت نوحؑ کی خاطر اپنے بڑے بتوں (ود، سواع، یغوث، ویعوق اور نسر) کو مت چھوڑنا اور انہیں کی عبادت کرو۔ یہ ان سب قوموں کا طریقہ ہے جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور قومی اور قبائلی تعصّبات کو ابھار کر ایمانی دعوت کو نابود کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ایمانی دعوت کو لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے سے روک سکیں۔

پھر آگے حضرت نوحؑ فرماتے ہیں: ان سرداروں اور امیر لوگوں نے بہت سارے افراد کو گمراہ کیا ہے جو میری دعوت قبول کر چکے تھے۔ پس، خدایا! ان کی گمراہی میں اضافہ فرما۔ یہ عبارت حضرت نوحؑ کی ان پر نفرین اور لعنت ہے۔ البتہ یہاں گمراہی سے مراد ان کی سزا ہے۔

پس گمراہ بزرگ اور سردار، لوگوں کو نفسانی تمایلات کے ذریعے، پتھروں کے بتوں اور پست چیزوں کے گرد جمع کرتے ہیں تاکہ انہیں حق کی طرف مائل ہونے سے روک سکیں اور اس طرح ان پر اپنے کنٹرول کو باقی رکھ سکیں اور خدا انہیں گمراہی میں مزید دھکیل دیتا ہے۔

مِمَّا خَطِيٓـَٔـٰتِهِمْ أُغْرِقُوا۟ فَأُدْخِلُوا۟ نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا۟ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ أَنصَارًا ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ”وہ لوگ اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے اور آگ میں داخل کیے گئے، پس انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہیں پایا۔“

قوم نوحؑ کا انجام

قوم نوحؑ کے انجام کے بارے میں فرماتا ہے: وہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے طوفان میں غرق اور آگ میں داخل ہوئے کہ جن عذاب کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور خدا کے علاوہ انہیں مدد کرنے والا کوئی نظر نہیں آیا تا کہ ان کو اس عذاب سے بچا سکے۔ یہاں آگ سے مراد برزخ کی آگ ہے نہ کہ آخرت اور قیامت کی آگ اور یہ آیت عالم برزخ کے دلیلوں میں سے ایک ہے اور ان دلیلوں میں سے ہے کہ جن کے ذریعے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا عذاب گناہوں کی وجہ سے ہے۔

البتہ اس آیت میں ایک لطیف نظم وضبط پایا جاتا ہے کہ ایک طرف پانی کے ذریعے غرق ہونا اور دوسری طرف آگ میں جلنا۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ''اور نوح نے کہا: میرے رب! روئے زمین پر بسنے والے کفار میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ۔''

إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ''اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو وہ یقیناً تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور یہ لوگ صرف بدکار کافر اولاد ہی پیدا کریں گے۔''

(دیار) یعنی جو ٹھہرنے کے لیے اترتا ہے اور یہ عبارت حضرت نوحؑ کی نفرین اور لعنت کا تسلسل ہے کہ جس میں کہتے ہیں: خدایا! ان کافروں کو نیست و نابود فرما اور زمین پر ان میں سے کسی کو مت چھوڑ کیونکہ ان کے رہنے میں ذرا برابر فائدہ نہیں ہے نہ مومنین کے لیے کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی ان کی اولادوں کے لیے ، کیونکہ اگر زندہ رہے تو ان چند مومنین

کو بھی گمراہ کردیں گے اور اگر اولاد پیدا کریں گے تو وہ بھی صالح نہیں ہو گی بلکہ فاسق، فاجر اور کافر ہوں گے۔ البتہ حضرت نوحؑ وحی کے ذریعے اس غیب کی خبر سے مطلع ہوئے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ”میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہو اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما اور کافروں کی ہلاکت میں مزید اضافہ فرما۔“

یہ عبارت حقیقت میں قیامت کے دن مؤمنین کے حق میں حضرت نوحؑ کی طرف سے کی گئی دعا ہے اور وہ خدا سے مانگ رہے ہیں کہ اسے، اس کے والدین اور ان کی قوم کے مومنین کو قیامت کے دن اپنی مغفرت سے ہمکنار فرمائے اور ظالم کفار کی بدبختی اور ہلاکت میں اضافہ فرمائے (تبار) یعنی ایسی ہلاکت جو آخرت میں عذاب کا سبب بنے، درحقیقت یہی گمراہی ہے۔

سورۃ الجن

(مکی۔ کل آیات: 28)

سورہ کے مطالب

بعض جنوں کے ایمان کی طرف اشارہ کرنا اور اس طرح توحید، نبوت اور قیامت کی طرف اشاہ کرنا مقصود ہے۔[1]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”کہہ دیجئے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔“

یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”جو راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم کسی کو ہرگز اپنے رب کا شریک نہیں بنائیں گے۔“

وَّ اَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾

---

[1]۔ (جن) خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جسے ہم حواس کے ساتھ درک نہیں کر سکتے لیکن قرآن نے ان کے وجود کی تصدیق کی ہے اور ان کے بارے میں مطالب بھی بیان کیے ہیں جو انسان سے پہلے خلق ہوئے۔ ثانیا: ان کی خلقت آگ سے ہوئی جس طرح انسان مٹی سے خلق کیا گیا۔ ثالثا: وہ بھی انسانوں کی طرح موت، حیات اور روز قیامت رکھتے ہیں۔ رابعا: وہ بھی نر، مادہ، توالد و تکاثر رکھتے ہیں۔ خامسا: وہ بھی انسان کی طرح ارادہ و شعور رکھتے ہیں اور اپنے اعمال میں انسان سے زیادہ تیز ہیں۔ سادسا: ان میں بھی ہماری طرح مومن، کافر، صالح اور نافرمان ہوتے ہیں اور شیطان انہیں میں سے ہے۔

ترجمہ: ''اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بلند ہے اس نے نہ کسی کو زوجہ بنایا اور نہ اولاد،''

وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿٤﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہ ہمارے کم عقل لوگ اللہ کے بارے میں خلاف حق باتیں کرتے ہیں۔''

جنات کے ایمان لانے کا واقعہ

ان آیات میں رسول اکرم ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: کہ اس واقعہ کو اپنی امت کے لیے بیان کریں۔ لہٰذا فرمایا: اے رسول! لوگوں سے کہہ دو، مجھے وحی ہوئی ہے کہ کچھ جنوں نے قرآن کو سنا اور جب اپنی قوم کے پاس لوٹے تو ان سے کہا: ہم نے ایسا کلام سنا ہے کہ جو ایک خارق العادہ کلام ہے اور ایسے عقائد اور اعمال کی طرف دعوت دیتا ہے کہ جو بھی ان عقائد اور اعمال کو انجام دے گا وہ حقیقت کو پالے گا اور سعادت مند ہو جائے گا۔ پس ہم قرآن پر ایمان لے آئے ہیں اور ساتھ خدا کی توصیف بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم اسے رب مان کر ایمان لے آئے ہیں اور اپنے ایمان کی تاکید میں کہا: ہم کبھی بھی خدا کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

مشہور قرآئت کی بناء پر پہلی تین سے تیرہ آیات کو زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ لیکن بعض نے زیر کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور صحیح بھی یہی ہے کیونکہ ان آیات کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ جنوں کا کلام ہے۔

(جد) عظمت کے معنی میں ہے (سفہ) کا معنی نفس کا عقل کی کمی کی وجہ سے شرمندگی اُٹھانا (شطط) یعنی حقیقت سے دور کی بات کرنا۔

پھر آگے جن کہتے ہیں: اور ہم ایمان لائے کہ خداوند متعال ہمارا پروردگار ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی اس نے بیوی اختیار کی ہے اور نہ ہی اس کی اولاد ہے اور جو ہمارے بیوقوف یعنی مشرک جن، خدا کے بارے میں کہتے تھے اس کا شریک ٹھہراتے تھے یہ حقیقت سے دور کی بات ہے۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہ ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جن کبھی بھی اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتے۔''

وَّ اَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ یَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡہُمۡ رَہَقًا ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہ بعض انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس نے جنات کی سرکشی مزید بڑھا دی،''

وَّ اَنَّہُمۡ ظَنُّوۡا کَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہ انسانوں نے بھی تم جنات کی طرح گمان کر لیا تھا کہ اللہ کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔''

جنات نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: ہم سمجھتے تھے کہ جو کچھ جن و انس کہتے ہیں سب ٹھیک ہے اور خدا کے بارے جھوٹ نہیں بولتے۔ جس کی وجہ سے ہم مشرکین کی بات مان بیٹھے تھے اور ان کی طرح سوچتے تھے کہ خدا کی بیوی اور بچے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن کو سنا اور حقیقت ہمارے سامنے آ گئی اور ہم ہدایت پا گئے۔ ساتھ بعض انسان جنوں کی

پناہ لیں گے اور ان سے حمایت کی درخواست کریں گے۔ لیکن نتیجہ صرف یہی نکلا کہ جنوں نے انسانوں کی گمراہی یا ذلت اور ڈر میں مزید اضافہ کیا۔

آگے اگر باقی بات بھی جنوں کی ہو تو معنی یہ بنے گا کہ وہ انسان بھی تمہاری طرح خیال کرتے ہیں کہ خدا کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجتا، کیونکہ مشرک رسالت کے منکر تھے یا شاید قیامت اور مردوں کا زندہ ہونا مراد ہو البتہ بعض مفسرین [1] نے کہا ہے کہ یہ اور اس سے پہلے والی آیت جملہ معترضہ ہے اور خداوند متعال کا قول ہے اس صورت میں یہ معنی بنے گا کہ جن بھی تم انسانوں کی طرح خیال کرتے تھے کہ خدا کسی کو بھی رسالت کے لیے مبعوث نہیں کرتا۔

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ”اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرے داروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔“

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾

ترجمہ: ”اور یہ کہ پہلے ہم سننے کے لیے آسمان کے مقامات میں بیٹھا کرتے تھے، اب اگر کوئی سننا چاہتا ہے تو وہ ایک شعلے کو اپنی کمین میں پاتا ہے۔“

---

[1] ۔ تفسیر فخر رازی، جلد 20۔

جنات کا مکالمہ

جن پھر آگے کہتے ہیں: ہم آسمان کے نزدیک پہنچے اور اس بلندی تک گئے اور دیکھا کہ آسمان طاقتور محافظوں سے بھرا ہوا ہے اور شہاب کے ذریعے شیاطین کو سننے سے روکا جاتا ہے اور یہ مسئلہ ابھی پیش آیا ہے، اس سے پہلے نہیں تھا، بلکہ جن آرام سے آسمان تک پہنچ جاتے تھے اور ملائکہ کی باتوں کو سنتے لیکن بعد میں آسمان پر رونما ہونے والے نئے واقعہ (کہ وہی نزول قرآن اور بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے) کے بعد اب جو بھی اخبار غیبی سننے کی کوشش کرے گا شہاب کا سامنا کرے گا۔

وَّ اَنَّا لَا نَدۡرِیۡۤ اَشَرٌّ اُرِیۡدَ بِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِہِمۡ رَبُّہُمۡ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ (اس سے) اہل زمین کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے لیے بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔''

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَ مِنَّا دُوۡنَ ذٰلِکَ ؕ کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہ ہم میں سے کچھ لوگ صالح ہیں اور کچھ ہم میں دوسری طرح کے ہیں اور ہم مختلف مذاہب میں بٹے ہوئے تھے۔''

رَشد اور رُشد دونوں کا معنی ہے حقیقت کو پالینا اور جنوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ کیا خداوند متعال نے اہل زمین کے شر کو چاہا ہے یا ان کے رُشد کو؟ پس جو کچھ آسمان کی حالت میں تغیر و تبدل ہوا ہے، اگر آدمی کے لیے اس میں بھلائی ہوئی تو جنوں کے لیے بھی ہوگی۔ البتہ خدا کسی کے شر کو نہیں چاہتا، مگر یہ کہ خود اس نے ایسا کوئی کام کیا ہو کہ خود کو شر کا مستحق بنالیا ہو۔ اس وجہ سے شر کے معاملے میں فعل مجہول سے استفادہ کیا تا کہ خداوند متعال

کی نسبت ادب کے دائرے سے خارج نہ ہو۔ پھر آگے کہا: ہم سے کچھ اپنی طبیعت اولی بناء پر صالح ہیں اور کچھ غیر صالح ہیں۔ ہم ہمیشہ مختلف مسالک اور مذاہب کے پیرو تھے جیسے مختلف راستے کہ ہر ایک دوسرے کو کاٹ رہا ہوتا ہے اور چلنے والے کو اس کی اصلی منزل کی بجائے اسے کہیں اور لے جاتا ہے۔ البتہ غیر خدا باطل ہے اور اسی طرح ہر وہ راستہ جو خداوندِ متعال کی ربوبیت کے اقرار کے برخلاف ختم ہو، باطل ہے اور اسی وجہ سے کچھ لوگ ہمیشہ گمراہ ہیں اور گمراہ کرنے والے اور بعض ان سے فریب کھا جاتے ہیں۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰهَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَنۡ نُّعۡجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں۔“

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّ لَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت (کی بات) سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، پس جو شخص بھی اپنے رب پر ایمان لاتا ہے اسے نہ تو نقصان کا خوف ہے اور نہ ظلم کا۔“

جنات کا ایمان لانا

اور جنوں نے کہا: ہم زمین میں فساد کا راستہ اختیار کر کے خدا کے ارادے کی رکاوٹ نہیں بن سکتے اور اسے عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس پر غلبہ پا کر نظام کائنات کو مختل کر سکتے ہیں اور خدا چاہے تو ہمیں قید کر سکتا ہے اور ہم فرار بھی نہیں کر سکتے کہ ہمیں پکڑ بھی نہ پائے۔ ہم نے جب قرآن کو سنا تو فوراً ایمان لے آئے کیونکہ جو بھی قرآن پر ایمان لائے گا

در حقیقت وہ خدا پر ایمان لایا ہے اور جو خدا پر ایمان لائے گا پھر اسے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اسے نیکی میں کمی کا ڈر ہو گا (مثلاً خدا ظلم کرتے ہوئے اس کے نیک کام کو کم کر دے) اور نہ اس کا ڈر ہو گا کہ کوئی نہ پسند چیز اس کا احاطہ کر لے۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ: "اور یہ کہ ہم میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ ہم میں منحرف ہیں، پس جنہوں نے اسلام اختیار کیا انہوں نے راہ راست اختیار کی۔"

وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾

ترجمہ: "اور جو منحرف ہو گئے وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔"

(مسلم) یعنی وہ جو امر خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور (قاسط) یعنی جو باطل کی طرف میلان رکھے۔ پھر آگے جن کہتے ہیں: ہم جنوں کے دو گروہ ہیں کچھ امر خدا کے سامنے تسلیم ہیں اور وہ خدا کے مطیع ہیں اور کچھ دوسرے جنہوں نے امر خدا اور راہِ حق سے عدول کیا ہے اور وہ منحرف ہیں۔ جنہوں نے امر خدا کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے انہوں نے حق و حقیقت کو پانے کی کوشش کی اور منحرف ہونے والے جہنم کا ایندھن بنیں گے اور انہیں جلا کر عذاب دیا جائے گا اور ان کی روح کو آگے کے شعلے گھیر لیں گے بعض مفسرین[1] نے آیت ۱۴ اور ۱۵ کے دوسرے حصے کو خداوند متعال سے منسوب کیا کہ رسولؐ خدا کو خطاب ہے۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾

[1] ۔ تفسیر روح المعانی، جلد 29۔

ترجمہ: ''اور (انہیں یہ بھی سمجھا دیں کہ) اگر یہ لوگ اسی راہ پر ثابت قدم رہتے تو ہم انہیں وافر پانی سے سیراب کرتے،''

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾

ترجمہ: ''تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرے گا وہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔''

(لاسقیناهم ماء غدقا) وسعت رزق کی طرف اشارہ ہے۔

یہاں یہ خداوند متعال کا کلام ہے کہ فرمایا: یقیناً اگر جن و انس اسلام کی راہ پر استقامت سے کام لیں تو ہم ان کے رزق و روزی میں بے پناہ اضافہ کر دیتے ہیں تاکہ ان کے رزق کی وجہ سے ان کا امتحان لیں۔ جیسا کہ آگے فرمایا:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ [1]

ترجمہ: ''اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے انہیں گرفت میں لے لیا۔''

آگے فرماتا ہے: ''جو بھی اسلام اور تسلیم کی راہ میں استقامت سے کام نہ لے ،خداوند متعال کے ذکر سے غفلت کرے، خدا اسے سخت عذاب کی طرف لے جائے گا کہ جو ہمیشہ بڑھتا ہی رہے گا اور یہ عذاب اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لے گا یعنی جہنم میں جانے کا اصلی سبب ذکر خدا سے منہ موڑنا ہے۔''

---

[1] ۔ سورہ اعراف، آیت 96۔

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۟ۙ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔''

یہ اور اس سے پہلی دو آیات عطف ہیں ابتدائی آیت (أنه استمع) پر ، (مساجد) سے مراد سجدے کے اعضاء ہیں۔[1] (دُعاء) سے مراد عبادت اور بندگی ہے اور یہاں سجدہ مراد ہے۔ آیت بتانا چاہتی ہے کہ شرک نہ کرو اور خدا کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو کیوں کہ سجدے کے اعضاء خدا سے متعلق ہیں اور ان کے وسیلے سے صرف خدا کو سجدہ کرنا چاہیے۔ حقیقت میں تو انسان کا پورا بدن خدا سے متعلق ہے اور اس کی تکوینی ملکیت ہے لیکن سجدے کی جگہیں اور اعضاء تشریعی طور پر خدا سے مخصوص کئے گئے ہیں۔

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۟ؕ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اسے پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ ہجوم اس پر ٹوٹ پڑے۔''

(لِبَد) ہجوم اور بے پناہ رش، اللہ فرماتا ہے: جب رسولؐ خدا، اللہ کی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو مشرکین اس طرح ان کے گرد جمع ہوتے کہ ایک اور ایک جیسے کوئی ہجوم ہو اور توہین اور مذاق کے لیے اپنی آواز کو بلند کرتے تا کہ پیغمبر اکرمؐ کی آواز کسی کے کانوں تک نہ

---

[1] ۔پیشانی، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور پاؤں کے دونوں انگوٹھے۔

پہنچے۔ بعض مفسرین [1] نے کہا ہے: [2] کہ جن جمع ہو جاتے اور تعجب کے ساتھ دیکھتے اور بعض دوسروں [3] نے کہا ہے: مؤمنین رسولؐ خدا کے گرد جمع ہوتے ہیں اور ان کی اقتداء کرتے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ وَ لَاۤ اُشۡرِکُ بِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجئے: میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔''

قُلۡ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ لَکُمۡ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجئے: میں تمہارے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی ہدایت کا۔''

قُلۡ اِنِّیۡ لَنۡ یُّجِیۡرَنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ ۬ۙ وَّ لَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مُلۡتَحَدًا ﴿ۙ۲۲﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجئے: مجھے اللہ سے کوئی ہرگز نہیں بچا سکتا اور نہ ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ پا سکوں گا۔''

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِسٰلٰتِہٖ ؕ وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ﴿ؕ۲۳﴾

---

[1] ۔ تفسیر روح المعانی، جلد 29۔

[2] ۔ اس معنی کی تائید میں تفسیر عیاشی میں امام جواد علیہ السّلام سے روایت نقل ہوئی ہے اور اصول کافی میں بھی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اسی مورد میں روایت نقل ہوئی ہے۔ تفسیر روح المعانی/جلد 29۔

[3] ۔ تفسیر فخر رازی، جلد 30۔

ترجمہ: ''(میرا کام تو) صرف اللہ کی بات اور اس کے پیغامات کا پہنچانا ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ابد تک ہمیشہ رہیں گے۔''

ان آیات میں رسولؐ خدا کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی عبادت کا فلسفہ ان کو بتائیں تاکہ ان کی حیرت اور تعجب کو دور کیا جاسکے اور کہہ دیجئے کہ: جن مقاصد کی مجھ پر تہمت لگاتے ہو، ان کے لیے یہ عبادت نہیں ہے۔ میں صرف اپنے یکتا پروردگار کا نام لیتا ہوں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا اور یہ کہ انسان کی اپنے پروردگار کی عبادت کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں اور اپنے آپ کا اور اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں تو تمہیں کیسے نقصان پہنچا سکتا ہوں؟ میں صرف خدا کی طرف سے مامور ہوں تاکہ اپنی ذمہ داری کو ادا کروں اور تمہیں اس کی طرف دعوت دوں اور (جان لو) اس کے امر کی اطاعت کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے کوئی نظر نہیں آتا کہ اگر میں رسالت کے ابلاغ میں کوتاہی کروں اور وہ مجھے خدا کے عذاب سے بچاسکے اور حقیقت میں کسی کے لیے بھی ایسی سرپناہ نہیں ہے کہ جو اسے خدا کے عذاب سے بچاسکے۔ خدا کے عذاب سے نجات کا میرے لیے واحد راستہ یہ ہے کہ خدا کے پیغام کو ابلاغ کروں اور اس کی صفات اور اسماء کو تمہارے سامنے بیان کروں اور دینی احکام کو تم تک پہنچاؤں اور تمہارے پاس بھی خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ جو بھی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا اور رسولؐ اکرم کے عمل کو انجام نہ دے گا۔ جہنم کی آگ میں جلے گا اور اس میں ہمیشہ رہے گا۔ (کیونکہ رسولؐ خدا کی نافرمانی، خدا کی نافرمانی ہے)۔

حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ فَسَیَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَضۡعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”(وہ ایمان نہیں لائیں گے) یہاں تک کہ وہ اسے دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مددگار زیادہ کمزور ہے اور کس کی جماعت قلّت میں ہے۔“

یعنی مشرکین کی کوشش تھی کہ رسولؐ خدا اور مومنین کو کمزور کریں اور وہ ان کی تعداد کو کم تر شمار کرتے، یہاں تک کہ جس جہنم کے عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اسے دیکھ نہ لیں۔ اس وقت ان کو سمجھ نہیں آئے کہ کس کے چاہنے والے اور ماننے والے کمزور ہیں؟ یعنی جب قیامت کے دن مؤمنوں کے جاہ وجلال اور شان و شوکت کو دیکھیں گے، درحالانکہ وہ خود عذاب میں مبتلا ہوں گے اور کوئی یار و مددگار بھی نہیں ہوگا، اس وقت وہ جان جائیں گے کہ حق کن لوگوں کے ساتھ تھا اور کون کمزور ہے؟ اور اس آیت میں رسولؐ خدا سے خطاب ہے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ۝۲۵

ترجمہ: ”کہہ دیجئے: میں نہیں جانتا کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے لمبی مدت مقرر فرماتا ہے۔“

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰي غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۶

ترجمہ: ”وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔“

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝۲۷

ترجمہ: ”سوائے اس رسول کے جسے اس نے برگزیدہ کیا ہو، وہ اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔“

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ”تاکہ اسے علم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچائے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اللہ نے احاطہ کر رکھا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے۔“

یہ آیات خداوند متعال کا کلام ہے کہ رسولؐ خدا کو حکم دیا جارہا ہے کہ پیغام لوگوں تک پہنچا دیں۔ کہنا چاہتا ہے کہ یہ جھٹلانے والے لوگ اگر کچھ پوچھیں کہ وہ عذاب کب ہوگا؟ تو کہہ دیجئے: کہ میں نہیں جانتا کہ وہ عذاب نزدیک ہے یا دور، غیب خداوند متعال جانتا ہے اور وہ کسی کو غیب کی خبر نہیں بتاتا یعنی قیامت کا علم غیبی اُمور سے ہے جو صرف خدا کے لیے مخصوص ہے جو ظاہری اور باطنی امور سے آگاہ ہے اور جو غیب اس سے مخصوص ہے وہ کسی پر آشکار نہیں کرتا مگر یہ کہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو جتنا دینا چاہے غیب کا علم دے سکتا ہے۔ پس حقیقتاً علم غیب، خدا سے متعلق ہے اور دوسرے صرف اس کی تعلیم سے غیب کا علم رکھتے ہیں اور ان کا علم، خدا کے علم کے طول میں ہے (نہ کہ عرض میں)۔ لہٰذا خدا جس رسول کو پسند کرے گا صرف اسے غیب کی تعلیم دے گا کیونکہ اس نے فرشتوں میں سے بعض کو محافظ بنایا ہے رسولوں اور لوگوں کے درمیان اور اسی طرح رسول اور اپنے درمیان تاکہ وحی ہر قسم کی کمی اور زیادتی یا تغیر و تبدل سے محفوظ رہے اور ثابت ہو جائے کہ رسولوں نے بغیر کسی تبدیلی کے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا ہے اور خدا کے علم نے رسولوں کے تمام کاموں کا احاطہ کیا ہوا ہے اور اصولاً خداوند متعال کائنات کے ذرے ذرے کا علم رکھتا ہے۔

اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ

۱۔ اصالتاً علم غیب خداوند متعال سے مخصوص ہے۔

۲۔ وحی بھی غیبی اُمور میں سے ہے کہ خدا اپنے رسولوں کو اس سے آگاہ کرتا ہے۔

۳۔ بعض چیزیں ہیں جو ملائکہ کے سامنے مشہود ہیں لیکن انسان کے لیے وہ غیب شمار ہوتی ہیں۔ جیسے: عالم ملکوت، اموات کو دیکھنا وغیرہ۔

۴۔ رسالت مصون و محفوظ ہے اور رسول خدا ہمیشہ معصوم ہیں لہٰذا وحی لینے اور اس کی تبلیغ میں خلل واقع نہیں ہو سکتا۔

۵۔ بعض ایسے بھی غیبی اُمور ہیں جو خدا کے رسولوں سے بھی مخفی اور پوشیدہ ہیں۔

سورۃ مزمل

(مکی۔ کل آیات: 20)

سورہ کے مطالب

رسولِ خدا کو نماز تہجد کا حکم تا کہ وحی لینے کے لیے انہیں آمادہ کیا جائے اور اسی طرح کافروں کی باتوں پر صبر اور وعدہ وعید یاد دلانا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”اے کپڑوں میں لپٹنے والے!“

قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”رات کو اٹھا کیجیے مگر کم،“

نِّصۡفَہٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ قَلِیۡلًا ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ”آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیجیے،“

اَوۡ زِدۡ عَلَیۡہِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: ”یا اس پر کچھ بڑھا دیجئے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے۔“

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ﴿۵﴾

ترجمہ: ”عنقریب آپ پر ہم ایک بھاری حکم (کا بوجھ) ڈالنے والے ہیں۔“

اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیۡلِ ہِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِیۡلًا ؕ﴿۶﴾

ترجمہ: ''رات کا اٹھنا ثبات قدم کے اعتبار سے زیادہ محکم اور سنجیدہ کلام کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہے۔''

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا ۞

ترجمہ: ''دن میں تو آپ کے لیے بہت سی مصروفیات ہیں۔''

نماز تہجد کا حکم

بظاہر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سونے کے لیے چادر اُوڑھ چکے تھے اور اس میں تحسین یا مذمت کی کوئی چیز نہیں ہے یا ممکن ہے کہ دعوت خدا دیتے ہوئے کافروں کی باتوں اور طعنوں سے غمگین تھے اور چادر کو اپنے اوپر ڈالا ہوا تھا تاکہ کچھ آرام کرلیں۔ اس وقت انہیں خطاب ہوا: اے چادر اوڑھے، اُٹھو اور نماز شب پڑھو اور اس کے وسیلے سے صبر واطمینان حاصل کرو اور ان کی باتوں اور طعنوں پر صبر کرو۔ پھر آگے نماز شب یعنی رات میں نماز کے لیے قیام کا حکم دیتا ہے۔ آدھی رات کو تھوڑا یا زیادہ میں اختیار ہے اور آرام آرام سے تلاوت کو حکم بھی دیتا ہے، کیونکہ ترتیب یعنی قرآن کی اس طرح تلاوت ہو کہ الفاظ جدا جدا کانوں تک پہنچیں اور ظاہراً یہاں تلاوت قرآن سے مراد خود نماز ہے۔ پھر فرماتا ہے: یہ نماز شب کا حکم اس وجہ سے ہے کہ ایک سنگین اور بھاری کلام کے لیے آمادہ ہوسکیں، کیونکہ بہت جلد ہم عظیم کتاب قرآن جو بھاری اور وزنی کلام ہے اور اس کلام الٰہی کو ایک پاک وپاکیزہ نفس کے علاوہ کوئی دریافت نہیں کرسکتا اور قرآن وہ عظیم کتاب ہے جس کا ظاہر و باطن ہے، تنزیل اور تاویل ہے اور توحید اور دوسرے عقائد کی حقیقت کو شامل ہے اور اسلام کی طرف دعوت کا حکم ہے۔ اس میں قرآن دو جہتوں سے ثقیل ہے؛ معنی کے اعتبار سے بھی (یہاں تک نقل ہوا ہے کہ رسول اکرمؐ کئی بار نزول وحی کے وقت بے ہوش ہو جاتے) اور معارف کے تحقق پذیر ہونے کی خاطر اور ساتھ اس کی عالمی دعوت۔ اس جہت سے ثقیل

ہونے پر دلیل رسول اکرمؐ کو ملنے والی تکلیفیں ہیں جو آپ نے اسلام کو پھیلاتے وقت برداشت کیں اور یہ قرآن اُمت پر بھی ثقیل ہے؛ یعنی اپنی روح وجان میں حقائق قرآن کو راسخ کرنا اور ساتھ اس کے اوامر اور نواہی پر عمل کرنا اور ان کی رعایت کرنا۔

پھر آگے فرماتا ہے: ہم نے رات کو عبادت کے لیے اس لیے منتخب کیا ہے کہ نمازشب باقی اعمال کی نسبت زیادہ مؤثر ہے اور ثابت قدمی میں اضافہ کرتی ہے اور نفس کو دن بھر کی مصروفیات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کدورتوں سے امان دیتی ہے اور دن میں اس نماز کو پڑھنے کا حکم نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ تم زمین میں (سبح) دوڑنا اور پانی میں تیز چلنا؛اور بھی دوسرے بہت سے کام رکھتے ہو۔یعنی دن میں دوسرے اتنے کام ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے سارادن مصروف رہتے ہو اور ٹائم نہیں بچتا کہ خدا کی بارگاہ میں رہو اور ہر چیز سے اپنے آپ کو علیحدہ کرلو۔پس تم پر واجب ہے کہ رات کی فراغت اور خلوت سے استفادہ کرو اور نماز پڑھو۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾

ترجمہ: ''اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے اور سب سے بے نیاز ہو کر صرف اسی کی طرف متوجہ ہو جائیے۔''

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾

ترجمہ: ''وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے،اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں لہٰذا اسی کو اپنا ضامن بنا لیجیے۔''

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾

ترجمہ: ''اور جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے اور شائستہ انداز میں ان سے دوری اختیار کیجیے۔''

(ذکر اسم رب) سے مراد زبانی ذکر اور دل کی اس کے ساتھ مطابقت ہے اور (تبتل) گریہ و زاری کے معنی میں ہے اور دنیا و مافیہا سے کٹ کر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ظاہراً آیت نماز شب کی توصیف کے بارے میں ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دے رہی ہے کہ نماز کے وقت الہیٰ اسماء میں سے اللہ یا بسم اللہ کو پڑھو اور اس پر مداومت رکھو یا باقی چیزوں سے کٹ کر صرف خدا کی طرف متوجہ ہو (البتہ روایات اہل بیت علیہم السّلام میں ''تبتل'' سے مراد گریہ وزاری ہے)۔

پھر (ربک) کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے وہ مشارق اور مغارب اور تمام کائنات کا پرودگار ہے نہ یہ کہ صرف تمہارا رب ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود بھی نہیں ہے ۔کیونکہ الوہیت، ربوبیت کی فرع ہے جبکہ تمام عالم کا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے، تو معبود بھی صرف وہی ہے۔لہٰذا آپ اپنے تمام کام ان کے سپرد کرو اور اس پر بھروسہ رکھو (کاموں کو سپرد کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان کا اپنی جگہ پر دوسرے کو بٹھانا) اس طرح کہ نہ اپنے لیے اور نہ غیر کے لیے اور نہ ظاہری استقلالی سبب کی تاثیر کا قائل ہو۔ایسا توکل تب حاصل ہوتا ہے کہ جب انسان تمام عملی وظائف اور عبادات اور معاملات میں اپنے تمام وجود کے ساتھ خود کو خدا کے تشریح ارادہ کے تابع سمجھے اور صرف اس کے ارادے کے مطابق عمل کرے۔

اس وقت آگے خطاب فرماتا ہے: خدا کو وکیل بنانے کا نتیجہ یہ ہے کہ جو کفار و مشرکین تجھے کہتے ہیں اور جس کے ذریعے تکلیفیں دیتے ہیں، صبر کرو اور اچھے طریقے سے پیش آؤ، یعنی حسن سلوک کو اختیار کرو اور ان کی بھلائی چاہتے ہوئے سیدھے راستے کی طرف ان کو دعوت دو اور جیسا وہ کہتے ہیں ویسی زبان استعمال مت کرو۔

وَ ذَرۡنِیۡ وَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَۃِ وَ مَہِّلۡہُمۡ قَلِیۡلًا ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''ان جھٹلانے والوں اور نعمتوں پر ناز کرنے والوں کو مجھ پر چھوڑ دیجئے اور انہیں تھوڑی مہلت دے دیجئے۔''

اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّ جَحِیۡمًا ﴿ۙ۱۲﴾

ترجمہ: یقیناً ہمارے پاس (ان کے لیے) بیڑیاں ہیں اور سلگتی آگ ہے۔''

وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿٭۱۳﴾

ترجمہ: اور حلق میں پھنسنے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے۔''

یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ وَ کَانَتِ الۡجِبَالُ کَثِیۡبًا مَّہِیۡلًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ: جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ بہتی ریت کی مانند ہو جائیں گے۔''

کفار کو موت تک مہلت

وہ لوگ جو کفر میں سرآمد ہیں اور نعمتوں کی فروانی کی وجہ سے کافر ہوئے ہیں اور جھٹلاتے ہیں ان کو میرے حوالے کرو اور انہیں چھوڑ دو تا کہ میں خود ان سے انتقام لوں اور سزادوں اور آپ اس مختصر زندگی میں انہیں مہلت دیں، یہاں تک کہ ان کو موت آجائے اور میں خود انہیں عذاب سے دوچار کروں۔ یقیناً ہمارے پاس مختلف قسم کے عذاب، شعلہ آور آگ اور گلے میں پھنس جانے والی غذائیں اور دردناک عذاب موجود ہیں کہ جن کے ذریعے انہیں عذاب دیں گے اور یہ اخروی عذاب، ان نعمتوں کے کفران کی وجہ سے ہے جو دنیا میں

انہیں عطا کیں اور یہ عذاب قیامت کے دن انہیں ملے گا۔ جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑ ریت کی مانند اوپر سے نیچے گریں گے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾

ترجمہ: ''(اے لوگو) ہم نے تمہاری طرف ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔''

فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾

ترجمہ: ''پھر فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سختی سے گرفت میں لے لیا۔''

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿١٧﴾

ترجمہ: ''اگر تم نے انکار کیا تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا؟''

السَّمَآءُ مُنفَطِرٌۢ بِهِۦ ۚ كَانَ وَعْدُهُۥ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾

ترجمہ: ''اور (اس دن) آسمان اس سے پھٹ جائے گا، اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔''

إِنَّ هَـٰذِهِۦ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''یہ ایک نصیحت ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرلے۔''

فرعون جیسی سرنوشت سے لوگوں کو ڈرانا

ان آیات میں رسول خدا ﷺ کی قوم میں سے جو آپ کو اور روز قیامت کو جھٹلاتے ہیں، انہیں فرعون جیسی سرنوشت اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے تاکہ نصیحت پکڑیں اور بغاوت سے ہاتھ کھینچ لیں۔

پھر اپنے پیغمبر اکرم ﷺ کی رسات کی تصدیق میں فرماتا ہے: بے شک ہم نے رسول کو تمہاری طرف بھیجا جو کہ تمہارے اعمال کا شاہد ہے اور جو کچھ تم آج اس دنیا میں انجام دیتے ہو وہ انہیں دیکھتا ہے اور ناظر ہے اور آخرت میں گواہی دے گا۔ پس اس کی نافرمانی اور اسے جھٹلانے سے اجتناب کرو، کیونکہ جس طرح وہ تمہارا رسول ہے ہم نے فرعون کی طرف بھی ایسا ہی ایک رسول موسیٰ کو بھیجا تھا۔ لیکن اس نے ہمارے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی دعوت کو جھٹلایا۔ جس کے نتیجے میں ہم نے اس کو سخت عذاب سے دوچار کیا جب کہ فرعون کو اس کی ظاہری شان و شوکت بھی اسے کوئی نہ بچا سکی۔ تم کیسے خود کو اس دن کے عذاب سے بچاؤ گے جو دن نوجوانوں کو بوڑھا کر دے گا یہ عذاب کی شدت اور قیامت کی ہولناکی کی طرف اشارہ ہے۔

پھر آگے قیامت کی توصیف میں فرماتا ہے: آسمان اس قیامت کے وقوع کی شدت کی وجہ سے پھٹ جائے گا اور یہ ایک حتمی الٰہی وعدہ ہے جو کہ پورا ہو کر رہے گا اور یہ آیات اور عذاب کی دھمکی، نصیحت ہے اُن لوگوں کے لیے جسے سن کر سب انسان متوجہ ہوں اور اپنے اعمال کی اصلاح کریں۔ پس جو بھی چاہتا ہے خداوند متعال کی طرف حرکت کرے تو وہ نماز شب کے ذریعے یہ کام کرسکتا ہے، کیونکہ نماز شب مخصوص راستہ ہے جو بندے کی خدا کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعۡلَمُ اَنَّكَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰى مِنۡ ثُلُثَىِ الَّيۡلِ وَ نِصۡفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ

تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب یا آدھی رات یا ایک تہائی رات (تہجد کے لیے) کھڑے رہتے ہیں اور آپ کے ساتھ ایک جماعت بھی (کھڑی رہتی ہے) اور اللہ رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے، اسے علم ہے کہ تم احاطہ نہیں کر سکتے ہو پس اللہ نے تم پر مہربانی کی لہٰذا تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو، اسے علم ہے کہ عنقریب تم میں سے کچھ لوگ مریض ہوں گے اور کچھ لوگ زمین میں اللہ کے فضل (روزی) کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ راہ خدا میں لڑتے ہیں، لہٰذا آسانی سے جتنا قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ کو قرض حسنہ دو اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں عظیم تر پاؤ گے اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا، رحیم ہے۔''

روایات میں بیان ہوا ہے کہ نماز شب کا حکم آنے کے بعد رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے بعض اصحاب اور مومنین آٹھ ماہ یا ایک سال یا دس سال تک رات کا ایک تہائی یا نصف یا چوتھائی حصہ عبادت خدا میں گزارتے۔ پھر یہ آیت جو احتمالاً مدینہ میں نازل ہوئی، اُتری، جو پہلے حکم کی آسانی کے لیے نازل ہوئی اور آسانی کا فائدہ یہ تھا کہ تمام مؤمنین اپنی اپنی وسعت کے مطابق شب زندہ داری کی نعمت سے فیض یاب ہوں۔

بہر حال ایک شفیقانہ اور شاکرانہ خطاب ہے (کیونکہ خداوند متعال اپنے بندوں کی عبادت کے سلسلے میں کوشش کا مشکور ہے)[1] فرماتا ہے: اے محمدؐ تیرا پروردگار، تیری توجہ اور اہمیت جو امر خدا کو دیتے ہو، اس سے آگاہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ہمراہ کچھ مؤمنین دو تہائی رات کے حصہ کو اور کبھی آدھی اور کبھی ایک تہائی رات کے پہر کو نماز و عبادت میں گزار دیتے ہیں۔ حالانکہ وہی ذات ہے کہ دن رات کی خلقت اور تقدیر اس کے ہاتھ میں ہے اور وہی دن رات کو مختلف موسموں میں مقدر فرماتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ تم سب ہمیشہ ایک تہائی، نصف یا ایک چوتھائی حصہ سال کے مختلف موسموں میں اندازہ گیری کرو اور تمہاری ذمہ داری کو ہلکا کیا گیا ہے۔ پس جتنا تمہارے لیے ممکن ہو قرآن کی تلاوت کرو اور یہی وہ آسانی ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے نماز شب کے بارے حاصل ہوئی ہے۔

پھر آگے ایک اور مصلحت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: اس اندازہ گیری کے مستقل ہونے کے ساتھ ساتھ بیمار افراد کے لیے بھی سخت ہے اور ان تاجروں کے لیے بھی جو تجارت کے لیے مختلف علاقوں کی طرف سفر کرتے ہیں اور وہ مجاہدین جو راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں، ان کے لیے نماز شب کے لیے رات کی اندازہ گیری اور بھی سخت ہے۔

---

[1] ۔ سورہ دھر، آیت 22۔

پس یہ بھی ان شرائط میں سے ہے۔ لہٰذا جتنا ممکن ہو سکے قرآن پڑھیں یعنی اتنی مقدار میں کہ شب زندہ داری صادق آ جائے۔

پھر آگے فرماتا ہے: واجب نماز کو قائم کریں اور واجب زکات کو ادا کریں اور خدا کے راستے میں خرچ کریں اور اسے قرض حسنہ دیں اور جان لیں کہ ہر نیک عمل اور اطاعت جو انجام پائے گی اور اپنے لیے ذخیرہ کرتے ہو۔ چاہے واجب یا مستحب، اسے خدا کے ہاں پاؤ گے اور قیامت کے دن تمام نیک کام جو انجام دیتے تھے یا اس سے بھی بہتر جو دنیا میں چھوڑا اور ان کا اجر تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ پس خدا کی رحمت اور مغفرت کو طلب کرو، کیونکہ وہ مہربان اور بخشنے والا ہے اور مغفرت کے نتیجے میں زمینی اور آسمانی نعمتوں کے دروازے تم پر کھول دے گا[1] اور بعید نہیں کہ (استغفار) سے یہاں مراد مطلقاً اطاعات اور عبادات ہوں کیونکہ اطاعت وہ اسباب اور وسیلہ ہیں جن کی وجہ سے خدا کی مغفرت انسان کے شامل حال ہوتی ہے۔

سورۃ مدثر

(مکی۔ کل آیات: 56)

[1]۔ ''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾''۔ سورہ نوح، آیات 10 تا 12۔

سورہ کے مطالب

اس سورہ میں اللہ کی دعوت سے منہ موڑنے والوں سے دور رہنے اور اپنے قریبیوں کو نصیحت کرنے کا حکم بیان ہوا ہے۔ قیامت میں اہل جہنم اور جنتیوں کی گفتگو کا تذکرہ ہوا ہے۔ اللہ کی دعوت پر کان نہ دھرنے والوں کی مذمت اور ان کو ڈرایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''اے چادر میں لپٹے ہوئے۔''

قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اٹھو اور ڈراؤ۔''

وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کرو۔''

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور اپنے لباس کو جو پہن رکھا ہے اسے پاک رکھو۔''

وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۪ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''نجاست سے دُوری اختیار کرو۔''

وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''اور بدلہ پانے کی غرض سے احسان نہ کرو۔''

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

ترجمہ: "اور اپنے رب کے لیے صبر کرو۔"

ان آیات کا ظاہری محتوای یہ ہے کہ جب آپؐ وحی وصول کرنے کے بعد غار حرا سے واپس آئے تو اس بھاری ذمہ داری کی وجہ سے آپؐ کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ اسی وجہ سے آپؐ نے اپنے اوپر چادر اوڑھ لی، اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے پیار اور محبت کے انداز میں آپ کو خطاب کیا اور فرمایا: اے چادر اوڑھے ہوئے! اے وہ جس نے اپنے اوپر چادر ڈالی ہوئی ہے۔ بعض مفسرین [1] نے کہا ہے کہ اس سے نبوت کا لباس مراد ہے یعنی اے نبوت کا لباس زیب تن کئے ہوئے! اس سے ظاہری جامہ اور ظاہری لباس مراد نہیں ہے۔ کچھ مفسرین [2] کے نزدیک یہ کنایہ ہے گوشہ گیری اور الگ تھلگ رہنے کے لیے یعنی اے رسول! خود کو معاشرے سے علیحدہ نہیں کرلو۔ بہرحال ان آیات میں حضور پاک ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ ڈرانے کے عمل کے لیے تیار ہو جاؤ اور اس دعوت کی ابتداء اپنے قبیلے اور رشتہ داروں سے شروع کرو۔ جس طرح سورہ شعراء میں بھی اس بارے وضاحت ہوئی ہے کہ یہ خطاب سب کے لیے ہے لیکن خصوصی طور پر اس کا آغاز آپؐ کے قریبی رشتہ داروں کے لیے تھا۔ پھر فرمایا کہ اپنے پروردگار کو برتر اور بزرگ قرار دو یعنی جس طرح دل میں اس کی بزرگی کے قائل ہو اور اس پر اعتقاد ہے، عمل اور زبان کے مرحلے میں بھی اللہ کی عظمت و کبریائی بیان کرو یعنی اللہ اکبر۔ اور اس سے ہر نقص سے برتر جانو، منزہ قرار دو اور یہی اللہ اکبر کا معنی ہے۔ ائمہ اہل البیت علیہم السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ توصیف بیان کرنے والوں کے ہر وصف اور ہر صفت سے برتر اور بزرگ تر ہے۔ تکبیر، تسبیح سے عام تر ہے، تسبیح میں عدمی حدود اور نقائص

---

[1] ۔ تفسیر روح البیان، جلد 10۔

[2] ۔ تفسیر روح المعانی، جلد 29۔

سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کو بیان کیا جاتا ہے لیکن تکبیر میں تمام وجودی اور عدمی صفات اور نقائص کی ذات باری تعالی سے نفی کی جاتی ہے اور اللہ تعالی کی ذات کو ہر قسم کے نقص و عیب سے منزہ جانا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر صفت کا ایک دائرہ ہے لیکن اللہ کی ذات کی کوئی حد نہیں ہے، وہ لامحدود ہے اس کی کوئی حد بیان نہیں کی جا سکتی۔

پھر فرمایا کہ اپنے لباس کو پاک کرو۔ یہ بھی کنایہ ہے کہ اپنے عمل کی اصلاح کرو، [1] کیونکہ عمل نفس کے لباس کی طرح ہے۔ بعض نے کہا ہے مراد تزکیہ نفس اور اسے گناہوں سے نفس کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے۔ [2] بعض کا نظریہ ہے [3] کہ یہاں لباس ظاہری کو نماز کے لیے نجاست سے پاک کرنا مراد ہے۔ کچھ اور مفسرین [4] نے کہا ہے کہ لباس کی تطہیر و پاکیزگی سے مراد خود کو بہترین اخلاق سے آراستہ کرنا اور اپنے اندر فضیلت والی عادات پیدا کرنا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ عذاب کا سبب بننے والے گناہوں اور نافرمانیوں سے دُور رہو۔ بعض مفسرین [5] نے رجز سے بت یا صنم کا معنی مراد لیا ہے یعنی مخصوص بت مراد لیے ہیں۔ بنابراین پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ بتوں کی پرستش سے دور رہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر کسی پر احسان کرو تو اس کو بہت زیادہ شمار نہ کرو اور کسی پر منت بھی نہ ڈالو، احسان مت جتلاؤ یعنی جب خداوند متعال کے اوامر کو بجالاو تو اپنے اس عمل اور اطاعت کو بڑا شمار مت کرو اور کسی پر احسان مت جتلاو اور خود پسندی کا شکار مت ہو کیونکہ آپ تو فقط اللہ

---

[1] ۔ تفسیر قرطبی، جلد 19۔
[2] ۔ تفسیر روح المعانی، جلد 29۔
[3] ۔ تفسیر کشاف جلد 4۔
[4] ۔ تفسیر روح البیان، جلد 10، البتہ یہ قول اس مشہور روایت کے مطابق ہے جو امالی شیخ صدوق میں بیان ہوئی ہے۔
[5] ۔ تفسیر مجمع البیان، جلد 10۔

کے عبد ہیں اور اپنی ذات میں تو کسی چیز کے مالک نہیں، جو کچھ تیرے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اور تیرے اوپر اللہ کی عنایت ہے۔ پھر فرمایا کہ اپنے پروردگار کی خاطر صبر کرو یعنی جب کوئی مصیبت آئے، لوگ تکلیفیں پہنچائیں، اللہ کے اوامر کی اطاعت کرنے میں جو تکلیف آئے خدا کے حوالے سے (اللہ کی خاطر) اُسے برداشت کرو، صبر کرو۔ اسی طرح معصیت کو ترک کرنے پر بھی صبر کرو۔ تاکہ انسانوں کو گمراہی سے بچا سکو اور اہل طاغوت اور حیوانی صفات والوں کو ان صفات سے نکال سکو۔ بے شک پیغمبر اکرم ﷺ نے حق کی دعوت دینے کے راستے میں کبھی بھی آرام نہیں کیا۔ خلافت الٰہی آپؐ کے اوپر بہت بڑی امانت تھی جس کو آپ نے پوری استقامت اور قوت کے ساتھ سنبھالا۔ (چالیس سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا اظہار ہوا اور آپ کی نبوت کا اعلان ہوا جبکہ آپ کی پوری چالیس سالہ زندگی ہر قسم کی نجاست، پلیدی، گناہ سے محفوظ تھی، دشمن بھی آپ کی عظمت و اخلاقی برتری کے قائل تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ سے یہ خطاب اس لیے ہے تاکہ جب آپؐ تبلیغ شروع کریں گے تو کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو کہ یہ ہمارے لیے کہہ رہے ہیں، یا خود سے کہہ رہے ہیں، اللہ کا باقاعدہ فرمان جاری ہو گیا ہے کہ جس چیز سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے اس سے میں نے اپنے پیارے حبیب کو بھی منع کیا ہے)۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا۔''

فَذٰلِكَ یَوْمَىِٕذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ﴿۹﴾

ترجمہ: ''پس وہ اس دن بڑا کٹھن دن ہوگا۔''

عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ”کافروں پر وہ آسان نہ ہوگا۔“

صور کا پھونکا جانا

صور پھونکے جانے سے مراد، قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرنے اور انہیں حساب کے لیے اکٹھا کیا جانے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ جس دن مردوں کو زندہ کرنے کے لیے صور میں پھونک ماری جائے گی تو وہ دن بہت سخت اور ہولناک ہوگا، جس دن لوگ اپنے پروردگار کی طرف پلٹیں گے اور حساب و جزاء اللہ کے ہاتھ میں ہوگا اور کافروں پر یہ دن بہت زیادہ سخت ہوگا اور آسان نہیں ہوگا بلکہ ہر طرح سے ان کے لیے سخت اور ہولناک ہوگا۔

ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”مجھے اور اس کو چھوڑ دو کہ جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا۔“

وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ” اور اس کو بڑھنے والا مال دیا۔“

وَّ بَنِیۡنَ شُہُوۡدًا ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”اور حاضر رہنے والے بیٹے دیئے۔“

وَّ مَہَّدۡتُّ لَہٗ تَمۡہِیۡدًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”اور اس کے لیے ہر طرح کا سامان تیار کر دیا۔“

ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ”پھر وہ طمع کرتا ہے کہ میں اور بڑھا دُوں۔“

كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ؕ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''ہر گز نہیں، بے شک وہ ہماری آیات کا سخت مخالف ہے۔''

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ؕ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''عنقریب میں اسے اونچی گھاٹی پر چڑھاؤں گا۔''

سرکشوں کی سرزنش

یہ آیات کافروں اور گنہگاروں کے لیے دھمکی ہیں۔ بہت ساری روایات میں آیا ہے کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ولید کے پاس بہت سارا مال اور بہت سارے باغات تھے، اس کے بارہ بیٹے اور دس غلام تھے۔ جن میں سے ہر ایک کے پاس ایک ہزار دینار تجارتی مال تھا۔ وہ ان ساری نعمات کے باوجود اللہ کی آیات کو جھٹلاتا اور کہتا تھا یہ سب سحر و جادو ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرمارہا ہے کہ جس کو میں نے خلق کیا ہے اور اس کی خلقت میں کسی کو شریک بھی قرار نہیں دیا ہے، مجھے اور اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دو، جس کی خلقت میں میرا کوئی دوسرا شریک نہ تھا، میں خود ہی اس کے لیے کافی ہوں۔ یا شاید[1] یہ مراد ہو کہ اسے میرے حوالے کر دو، میں نے اسے خلق کیا حالانکہ نہ اس کے پاس مال تھا اور نہ اولاد۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اسے مال دیا، بیٹے دیئے جو اس کے سامنے موجود ہیں اور وہ اپنے مقاصد کے لیے ان سے مدد لیتا ہے، ہر قسم کا مال، دولت، زندگانی کے امور اس کے لیے فراہم کئے، اب یہ شخص طمع و لالچ رکھتا ہے کہ اس کی اولاد اور بڑھ جائے اور اس سے زیادہ اس کی زندگی میں نظم آجائے، ایسا ہر گز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے ہماری آیات سے

---

[1]۔ تفسیر کشاف، جلد 4۔

روگردانی کی ہے اور اپنی قدرت مالی اور کثرت اولاد پر فخر و مباہات کرتا ہے۔ بہت جلد وہ سخت ترین گزرگاہ سے گزر کر عذاب جھیلنے کے لیے اوپر جائے گا اور اس کے لیے یہ برا عذاب اور اس کا برا انجام ان اعمال کی وجہ سے ہے جسے اس نے انجام دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد ولید بن مغیرہ کا مال آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا اور اس کی اولاد بھی ختم ہوتی گئی یہاں تک کہ آخر میں خود بھی ہلاک ہوا۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ۙ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”بے شک اس نے سوچا اور اندازہ لگایا۔“

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ”پھر اسے اللہ کی مار اس نے کیسا اندازہ لگایا۔“

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ”پھر اسے اللہ کی مار اس نے کیسا اندازہ لگایا۔“

ثُمَّ نَظَرَ ۙ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”پھر اس نے دیکھا۔“

ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ۙ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”پھر اس نے تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔“

ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ۙ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”پھر پیٹھ پھیر لی اور تکبر کیا۔“

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''پھر کہا یہ تو ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے۔''

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''یہ تو ہو نہ ہو آدمی کا کلام ہے۔''

سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''عنقریب اس کو دوزخ میں ڈالوں گا۔''

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو کیا خبر کہ دوزخ کیا ہے۔''

لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے۔''

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''آدمی کو جھلس دے۔''

عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''اس پر انیس (فرشتے) مقرر ہیں۔''[1]

[1]۔ ان میں سے نو فرشتے آگ پر موکل ہیں اور یہ اس حوالے سے ہے کہ انسان کے بدن میں جتنی بھی قوتیں ہیں اور وہ ان سے نافرمانی کرتا ہے ان پر موکل فرشتہ اسی قوت سے ٹکراتا ہے، اس کے علاوہ پانچ قوات ظاہری ہیں اور پانچ قوات باطنی ہیں۔ قوای پنجگانہ: بَاصرَہ، دیکھنے والی، سامعہ، سننے والی، ذائقہ، چکھنے والی، لامسہ ، چھونے والی، شامہ ، سونگھنے والی۔ اور دو

ولید بن مغیرہ کی داستان

ان آیات میں ایک اور واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ظاہرا قریش کی ایک جماعت قرآن کی تلاوت کو سنتے اور اسے شعر کہتے تھے۔ لیکن کیونکہ قرآن کے مفاہیم بہت بلند تھے، ان کی گہرائی اشعار کی بنسبت بہت زیادہ تھی، لہٰذا وہ سب ولید بن مغیرہ کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ تم بھی قرآن کو سنو اور اس کے بارے میں سوچو اور اپنا نظریہ بیان کرو۔ ولید بن مغیرہ پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس گیا، پیغمبر اکرم نے "حم سجدہ" کی آیات جو قوم عاد اور ثمود کے عذاب کے حوالے سے ہیں، اس کے سامنے تلاوت کی۔ ولید بن مغیرہ ڈر کے مارے لرزنے لگا، اس کے جسم کے بال کھڑے ہو گئے اور قریش کے پاس آنے کی بجائے گھر چلا گیا۔ قریش کے بڑوں نے ابو جہل کو اس کے پاس بھیجا کہ جاؤ اور اس سے قرآن کے بارے پوچھو۔ ابو جہل نے مغیرہ سے پوچھا تیرے نزدیک محمد ﷺ کا کلام خطابہ ہے؟ اس نے کہا یہ کلام خطابہ نہیں ہے کیونکہ خطابہ جڑا ہوا اور پیوستہ ہوتا ہے جبکہ محمد ﷺ کا کلام بند بند اور ٹکڑے ٹکڑے کی شکل میں ہے۔ ابو جہل نے پوچھا کہ کیا یہ شعر ہے؟ تو اس نے کہا کہ شعر بھی نہیں ہے۔ ابو جہل نے کہا پھر کیا ہے؟ تو ولید نے کہا کہ مجھے مہلت دو، میں اس کے بارے میں سوچ کر بتاؤں گا۔ وہ اگلے دن فکر کرنے کے بعد آیا اور کہا کہ یہ سحر ہے، کیونکہ انسان کے دل کو مسخر کرتا ہے۔

قوای شہوانیہ ہیں جاذبہ اور دافعہ۔ ایک کشش اور دوسری دفع کرنے کی قوت ہے۔ مدرکہ اور حافظہ، ایک درک کرنے والی اور ایک محفوظ رکھنے والی ہے۔ اور دو قوات مخیلہ اور واہمہ اور ملہمہ، یعنی وہم والی اور الہام والی اور ایک ہضم والی قوت ہیں۔ یہ کل انیس بنتی ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے ان آیات میں اس کی سرزنش کی ہے، اسے دھمکایا ہے اور فرمایا ہے کہ اس نے سوچا اور جائزہ لیا اور اپنے ذہن میں اس کی ترتیب بنائی تاکہ جو اس کا من پسند اور دلخواہ نتیجہ نکال سکے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس پر نفرین کرتے ہوئے فرمایا: کہ اللہ اسے برباد کرے اس کی اس مغرضانہ سوچ اور فکر کی وجہ سے، کیونکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے بارے ایسی بات کرے جس سے دینی دعوت کو باطل کیا جاسکے۔ لہٰذا پھر آگے فرماتا ہے کہ: جس طرح کسی شخص سے مشورہ اور نظریہ مانگا جاتا ہے تو وہ سوچ کر اپنا نظریہ اور رائے بیان کرتا ہے اس نے بھی سوچنے اور جائزہ لینے کے بعد منہ بنایا اور تیوری چڑھائی، ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور تکبر اور سرکشی کرتے ہوئے منہ موڑ لیا اور آخر میں نتیجے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: کہ یہ قرآن انسانی کلام اور سحر و جادو کے سوا کچھ نہیں۔ یہ وہی سحر ہے جو آدمی اور اس کے خاندان کے درمیان جدائی ڈالتا ہے اور قدیم زمانے سے لوگوں کے درمیان رائج ہے۔ آج بھی سحر جاننے والے اس کی تعلیم دیتے ہیں، جبکہ محمد ﷺ کہتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، یہ انسان کا کلام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے اس نظریہ کا جواب دیا ہے اور فرمایا ہے کہ عنقریب وہ آتش جہنم میں جائے گا۔ "سقر" جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے یا اس کے طبقات سے ایک طبقہ ہے اس کے ذریعہ دوزخ کا رعب اور اس کی عظمت بیان کی گئی ہے کہ تم کو کیا پتہ یہ دوزخ کیا ہے؟ جو کچھ تم نے جمع کیا ہے وہ کچھ بھی باقی نہیں چھوڑے گی، سب کو جلا کر رکھ کردے گی۔ اور جو بھی اس میں ڈالے جائیں گے وہ ہمارے قلم سے فروگزار نہیں ہوئے ہیں۔ جہنم کی آگ ان سب کو اپنے گھیرے میں لے لے گی اور ان کے جسم و روح سب کو جلا دے گی۔ اس کا مطلب شاید یہ ہو کہ جہنم نہ کسی کو زندہ چھوڑے گی اور نہ ہی موت کے گھاٹ اتارے گی (کیونکہ موت تو خود ختم ہو چکی ہو گی) اور وہ ہمیشگی عذاب سے دوچار رہیں گے۔ جیسا کہ سورہ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی''[1]

ترجمہ: ''پھر اس میں نہ تو مرے گا اور نہ جیئے گا''

سقر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بدن کے ظاہری چمڑے کے رنگ کو بدل کر رکھ دے گی، اسے سیاہ کر دے گی اور جہنم کے موکلین میں سے ۱۹ فرشتے اس پر مقرر ہیں۔

وَ مَا جَعَلۡنَاۤ اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِکَۃً ۪ وَّ مَا جَعَلۡنَا عِدَّتَهُمۡ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۙ لِیَسۡتَیۡقِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَ یَزۡدَادَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِیۡمَانًا وَّ لَا یَرۡتَابَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ وَ لِیَقُوۡلَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡکٰفِرُوۡنَ مَا ذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَا یَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ مَا هِیَ اِلَّا ذِکۡرٰی لِلۡبَشَرِ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے دوزخ پر فرشتے ہی رکھے ہیں، اور ان کی تعداد کافروں کے لیے آزمائش بنائی ہے، تاکہ جن کو کتاب دی گئی ہے وہ یقین کرلیں اور ایمان داروں کا ایمان بڑھے، تاکہ اہلِ کتاب اور ایمان دار شک نہ کریں، اور جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے اور کافر یہ کہیں کہ اللہ کی اس بیان سے کیا غرض ہے، اور اللہ اس طرح سے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے، اور

[1] ۔ سورہ اعلی، آیت 13۔

آپ کے رب کے لشکروں کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، اور دوزخ (کا حال بیان کرنا) صرف آدمیوں کی نصیحت کے لیے ہے۔"

دوزخ پر (۱۹ فرشتوں کے بارے وضاحت)

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے جب دوزخ کے نگہبانوں کی تعداد ۱۹ سنی تو جنجال بپا کر دیا اور آپس میں گفتگو اور بحث مباحثہ شروع کر دیا تھا۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے ابو جہل نے قریش سے کہا تمہاری ماں تمہارے ماتم پر بیٹھے، سن رہے ہو! محمد ﷺ نے تمہیں خبر دی ہے کہ ۱۹ افراد دوزخ کے نگہبان ہیں۔ تم اس قدر زیادہ تعداد میں ہو، ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم میں سے ہر دو آدمی ان میں سے ایک پر ٹوٹ پڑیں؟

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کے جواب میں فرماتا ہے کہ: جہنم کی آگ پر متعین موکلین کو ہم نے فرشتوں کی جنس سے قرار دیا ہے یعنی وہ انسان نہیں ہیں اور وہ اپنی ذمہ داری اچھے طریقے سے نبھاتے ہیں۔ مجرمین ان پر غالب آنے کی اُمید نہ رکھیں، وہ نہایت سخت قسم کے فرشتے ہیں۔ ہم نے ان کی تعداد کافروں کے امتحان اور آزمائش کے لیے بیان کی ہے اور اس لیے تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں کہ آپؐ پر جو قرآن اُترا ہے وہ برحق ہے، کیونکہ قرآن گذشتہ آسمانی کتابوں میں دی گئی خبر کی تصدیق کر رہا ہے۔ اور اس امر کو دیکھ کر مومنین کا ایمان اور بڑھے۔ اہل کتاب اور مومنین کے دلوں میں قرآن کی حقانیت کے متعلق کوئی شک باقی نہ رہے۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ جب خدا ایسی مثالیں دیتا ہے تو بیمار دل افراد اور کافر پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال کیوں دی ہے؟ تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی تحقیر کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ سے یہ جو پوچھتے ہو کہ کیوں دوزخ کے نگہبانوں کی تعداد کم رکھی ہے اور اس قلیل تعداد کے ذریعہ اتنے سارے مجرموں کو کیسے عذاب دے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ اس طرح اپنی نشانیوں سے جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے کہ وہ کفر کرے اور

جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، جو ایمان لے آتے ہیں اور اللہ کی نشانیوں کا انکار نہیں کرتے ہیں۔ آتش جہنم پر مقرر فرشتوں کی تعداد کو ۱۹ اقرار دینے کی یہی غرض اور مقصد ہے، ورنہ فرشتوں کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا نہ فرشتے جانتے ہیں نہ کوئی اور جانتا ہے۔ فرشتے تو اللہ کے فرمان کو انجام دینے کے لیے تیار رہتے ہیں، وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے ہیں۔ یہ آیات اور پورا قرآن انسان کے واسطے وعظ و نصیحت ہے کہ وہ اس سے نصیحت لے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: ''نہیں نہیں قسم ہے چاند کی۔''

وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ''اور رات کی جب وہ ڈھلے۔''

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ''اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے۔''

إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: ''کہ وہ (دوزخ) بڑی بڑی مصیبتوں میں سے ایک ہے۔''

نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: ''انسان کو ڈرانے والی ہے۔''

لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: ''تم میں سے ہر ایک کے لیے خواہ کوئی اس کے آگے آئے یا پیچھے ہٹے۔''

قرآن کی دعوت حق پر مبنی ہے

چونکہ قرآن دعوت حق ہے اس لیے اس آسمانی کتاب کو جھٹلانے اور اس کا انکار کرنے والوں خاص کر ولید بن مغیرہ کے رد کے لیے تین دفعہ قسم اٹھائی گئی ہے۔ چمکتے دمکتے چاند کی قسم، رات کی تاریکی کی قسم جب اس کا بہت حصہ گزر چکا ہوتا ہے اور پھر صبح کی قسم جب وہ روشن ہوتی ہے۔ ان تکوینی موجودات کی قسم کھا کے کہا گیا ہے کہ قرآن اللہ کی بڑی آیات میں سے ایک ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے اس (اِنَّهَا) کی ضمیر کے مرجع کو سقر اور دوزخ کی طرف پلٹایا ہے اور کہا ہے کہ: دوزخ اللہ کی بڑی نشانیوں میں سے ہے اور اس سے جو تحول آئے گا، کوئی دوسرا حادثہ اتنی بڑی عظمت نہیں رکھتا اور یہ وہ عظیم حادثہ ہے جو انسان کی کمین کیے ہوئے ہے۔ اس سے مراد دوزخ یا سقر ہو یا قرآن، دونوں صورتوں میں یہ ڈرانے کے لیے ہے، سمجھانے کے لیے ہے، نصیحت دینے کے لیے ہے اور یہ اللہ کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔ یہ انذار اور ڈرانے کا عمل سارے انسانوں کے لیے ہے کہ وہ ایمان لانے، حق کی پیروی کرنے اور اللہ کے احکام کی اطاعت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں یا کفر کو انتخاب کریں اور معصیت کریں اور پیچھے رہ جائیں ۔ بہر حال قرآن تمام انسانوں کے لیے ہے، کوئی مانے گا تو آگے بڑھ جائے گا، نہیں مانے گا تو پیچھے رہ جائے گا۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۙ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ”ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہے۔“

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۛ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ”مگر داہنی جانب والے۔“

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۙ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ”باغوں میں ہوں گے، ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔“

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۟ۙ

ترجمہ: ”گناہگاروں کی نسبت۔“

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝۴۲

ترجمہ: ”کس چیز نے تمہیں دوزخ میں ڈالا۔“

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۟ۙ

ترجمہ: ”وہ کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے۔“

وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۟ۙ

ترجمہ: ”اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔“

وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآىِٕضِيْنَ ۟ۙ

ترجمہ: ”اور ہم باطل پرستوں کے ساتھ مل کر حق کا انکار کیا کرتے تھے۔“

وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۟ۙ

ترجمہ: ”اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔“

حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۟ؕ

ترجمہ: ”یہاں تک کہ ہمیں موت آ پہنچی۔“

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۟ؕ

ترجمہ: ”پس ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔“

اھل بہشت کا جہنمیوں سے مکالمہ

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے اور عمل صالح سے اس کی بندگی کرے۔ اس کی مخلوقات میں سے ہر شخص کا ہر عمل اس کے پاس محفوظ اور درج ہے تاکہ وہ اس حق کو ادا کرے، اگر وہ ایمان لے آئے اور عمل صالح انجام دے تو وہ اس گروی سے آزاد ہو جائے گا، لیکن اگر کفر کرے اور جرم کا ارتکاب کرے اور اسی حالت میں دنیا سے اٹھے تو محبوس اور گروی ہی میں رہے گا۔ پس حتمی طور پر ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کے حوالے سے پریشان رہے۔ اور اسے پتہ ہونا چاہیے کہ اس کا عمل مجسم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے: سوائے اصحاب یمین کے کہ اصحاب یمین آزاد ہیں، ان کا عمل ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ وہی صحیح عقائد اور نیک اعمال انجام دینے والے متوسط الحال مومنین ہیں۔ یہ ایسی بہشتوں میں ہوں گے جس کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔[1] اہل بہشت دوزخیوں سے گناہگاروں کے حالات پوچھیں گے اور کہیں گے کس چیز نے تمہیں دوزخ میں پھینکا ہے تو وہ جواب میں چار چیزوں کا ذکر کریں گے:

۱۔ ہم نمازی نہیں تھے یعنی اللہ کے حضور جو خاص عبادت کرنا تھی ہم اس کو بجا نہیں لاتے تھے۔ ہم حق تعالیٰ کے حق میں کوتاہی کرتے تھے۔

---

[1]۔ **مقربون یا مخلصین:** یہ اس تقسیم سے خارج ہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو صاحب نفس ہی نہیں جانتے۔ یہ عدل الٰہی کے محضر میں حاضر نہیں ہوں گے اور نہ ہی ان کا حساب وکتاب ہوگا بلکہ یہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔ سب حاضر ہوں گے مگر اللہ کے مخلص بندے اس حاضری سے مستثنیٰ ہیں وہ بغیر حاضری کے جنت میں جائیں گے۔ سورہ صافات، آیت ۱۲۷، ۱۲۸۔

۲۔ تہی دستوں اور مساکین کو کھانا نہیں دیتے تھے یعنی حق الناس ادا نہیں کرتے تھے۔

۳۔ عملی طور پر ہم ہمیشہ باطل اور غلط کاموں میں غرق رہتے تھے، حق سے غافل تھے۔

۴۔ قیامت کے دن پر ہمیں یقین نہیں تھا، ہم اسے جھٹلاتے تھے اور اس وجہ سے ہم خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے تھے۔

یہ چار خصوصیات یا تو سب مجرمین میں ہوتی ہیں یا بعض میں ۔ البتہ سب میں فی الجملہ یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض ایسے بھی ہوں کہ جن میں چاروں صفات نہ ہوں بلکہ کچھ پائی جاتی ہوں۔

پھر آگے ان کی زبانی اقرار کو جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ کہیں گے ہم اسی حالت میں زندگی گزار رہے تھے اور اسی طرح جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ یقینی صورتحال سے سامنا ہو گیا یعنی ہمیں موت نے گھیر لیا اور اس کے آنے سے ہماری دنیاوی زندگی ختم ہو گئی۔ خلاصہ ہم ساری زندگی جھٹلاتے رہے۔ شاید یہاں پر یقین سے مراد وہ یقین ہے جو آخرت کی نشانیاں دیکھنے کے بعد آئے گا یعنی جب برزخی زندگی آئے گی تو اس وقت یقین آئے گا کہ قیامت بھی ہے۔ (لیکن اس یقین سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا)۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہاں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ اجمالی طور پر شفاعت برحق ہے لیکن ان کے باطل عقائد اور برے اعمال اس بات کا سبب بنیں گے کہ ان کو شفاعت نہیں ملے گی۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۙ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''پس انہیں کیا ہو گیا کہ وہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔''

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۙ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ''گویا کہ وہ بدکنے والے گدھے ہیں۔''

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ؕ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ''جو شیر سے بھاگے ہیں۔''

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۙ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''بلکہ ہر ایک آدمی ان میں سے چاہتا ہے کہ اسے کھلے ہوئے صحیفے دیئے جائیں۔''

انسان کا ہولناک مناظر کا مشاہدہ

اب جبکہ انسان نے اس طرح کے ہولناک مناظر کا سامنا کرنا ہے اور اس کفر اور انکار کی صورت میں جہنم میں جانا ہوگا تو انہیں کیا ہو گیا ہے کہ قرآن جو سراسر نصیحت اور موعظہ ہے، اس کا انکار کرتے ہیں اور اس سے روگردانی کرتے ہیں؟ حالانکہ یہ تو وحشی گدھوں کی طرح جو شیر یا شکاری کے چنگل سے فرار ہوتے ہیں، یہ اسی طرح نصیحت اور موعظہ سے دور بھاگتے ہیں۔ شاید ان کا یہ اعراض صرف نفرت کی وجہ سے نہیں بلکہ ان میں سے ہر آدمی توقع رکھتا ہے کہ ایسے معارف اور تعلیمات پر مبنی قرآن اس پر نازل ہو! اور یہ بات خدا کی نسبت ان کے استکبار کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ صرف اس صورت میں خدا کی طرف سے دعوت حق کو قبول کریں گے اور اس سے انکار نہیں کریں گے کہ ہر ان میں سے ہر ایک پر جداگانہ آسمانی کتاب نازل ہو! لیکن کسی پیغمبر کی رسالت کے راستے سے دعوت کو کبھی قبول نہیں کریں گے ،اگرچہ حق ہو اور آشکار اور واضح معجزات کے ذریعے اس کی تائید کی گئی ہو۔

كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ''ایسا ہرگز نہیں، بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔''

كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''ایسا ہرگز نہیں، بے شک یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے۔''

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ؕ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ''پس جو چاہے اس کو یاد کرلے۔''

وَ مَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۧ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ''اور کوئی بھی یاد نہیں کرسکتا مگر جبکہ اللہ ہی چاہے، وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی بخشنے والا ہے۔''

اللہ کا نظام ہدایت

ہدایت کے لیے ہر فرد کو علیحدہ آسمانی کتاب نہیں دی جاسکتی۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی دعوت اور پیغمبری کی آیات اور معجزات سے تائید ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ پیغمبری کے لیے طہارت نفس اور ذات کی پاکیزگی ضروری ہے جو ہر ایک میں نہیں ہوتی یہ فقط نبی میں ہوتی ہے۔ پس ان کی بات بہانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حقیقت میں انہیں آخرت کا ڈر نہیں ہے، اگر آخرت کا ڈر ہوتا تو وہ ایمان لے آتے جبکہ حجت پوری ہوچکی ہے، آیات اور نشانیاں واضح و روشن ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ جو تمہارا خیال ہے کہ ہم تمہارے لیے کوئی اور کتاب نازل کریں گے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ تذکر کے لیے قرآن ہی کافی ہے جو نصیحت لینا چاہتا ہے تو اسی

سے لے سکتا ہے۔ قرآن کی وعظ و نصیحت جبری بھی نہیں بلکہ اختیاری ہے، انسان آزاد ہے، چاہے تو اس سے فائدہ اٹھائے چاہے تو فائدہ نہ اٹھائے۔

پھر ایک توہم کو دور کرتے ہوئے فرمایا: کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ وہ اپنے اختیار اور تذکر لینے اور یاد دہانی میں مستقل ہے۔ تذکر اور وعظ قبول کرنا اگرچہ انسان کے اختیار میں ہے اور اس عمل نے خود انسان سے صادر ہونا ہے، لیکن جب تک اللہ تعالیٰ ارادہ نہ کرے وہ تذکر نہیں لے سکتا، اگر اللہ چاہے گا تو وہ ارادہ کرسکے گا۔ اللہ تعالیٰ تکوینی ارادے سے کسی سے نہیں چاہتا کہ وہ مسلمان ہو جائے اور بے اختیار اور مجبور ہو کر عمل کرے۔ تذکر اور یاددہانی اختیاری افعال میں ہے یعنی اختیاری افعال میں فاعل خود شخص ہوتا ہے لیکن اس فاعل کی تاثیر اللہ کے ارادے سے مشروط ہے۔ اگر اللہ کا ارادہ نہ ہوتا تو کوئی فعل بھی محقق نہ ہوتا۔ آخر میں فرمایا: کہ خداوند متعال کی ذات ہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور اس کا خوف ہونا چاہیے کیونکہ وہ ہر چیز پر ولایت مطلقہ رکھتا ہے اور انسانوں کی سعادت اور بدبختی اسی کے ہاتھ میں ہے اور خدا یہ اختیار بھی رکھتا ہے کہ جو اس سے ڈرتے ہیں ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے کیونکہ وہ بخش دینے والا اور مہربان ہے۔ لہٰذا حق کو جھٹلانے والے اپنی سرکشی اور تکبر سے اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے تاکہ جو ان کا جی چاہے انجام دیتے پھریں اور نظام کائنات میں خلل ڈال سکیں۔

پیغام: دنیا دار العمل ہے۔انسان جو عمل کرتا ہے وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ قیامت کے دن انسان اپنے عمل کی بنیاد پر احتساب کے لیے موجود ہو گا۔اللہ نے قرآن جیسی عظیم کتاب بھیج کر انسان کی ہدایت کا مکمل انتظام کر دیا۔قرآن سے استفادہ کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ کو انسانون کی راہنمائی کے لیے بھیجا۔رسول اللہ کا ہر بیان قرآن سے اَخذ شدہ ہے۔آپ کی اطاعت فرض ہے۔آپ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔بے عمل اور بے ایمان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ان کے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہو گا۔ایمان بغیر عمل کے اور عمل بغیر ایمان کے بے فائدہ

ہے۔ایمان اور عمل مل کر ہی انسان کی نجات کا سامان ہیں۔انسان کے اعمال میں نماز اور مساکین سے ہمدردی،انھیں کھانا کھلانا خاص اہمیت رکھتا ہےاور باطل پرستوں کی محافل سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے۔

سورۃ القیامہ

(مکی۔ کل آیات: 40)

سورہ کے مطالب

روز قیامت اور اس کے مراحل کا بیان، انسانی نفس کی مختلف خصوصیات کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''قیامت کے دن کی قسم ہے۔''

وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ؕ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور پشیمان ہونے والے شخص کی قسم ہے۔''

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ؕ﴿۳﴾

ترجمہ: ''کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے۔''

بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''ہاں ہم تو اس پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔''

بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَہٗ ۚ﴿۵﴾

ترجمہ: ''بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آئندہ بھی نافرمانی کرتا رہے۔''

یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَۃِ ؕ﴿۶﴾

ترجمہ: ''پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا۔''

لا اُقسم کے بارے

"لا اُقسم" دونوں قسم کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ یہاں پر لا تاکید کے لیے ہے، نفی کے لیے نہیں، جو مطلب بیان کرنا ہوتا ہے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز کی قسم ایسا نہیں ہے، جیسا تم خیال کرتے ہو ویسا نہیں ہے۔ قسم کا عنوان دے کر اس مطلب کی حقانیت کو بیان کیا جارہا ہوتا ہے۔

انسان کا نفس

انسانی نفس کی مختلف حالتیں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو برائیوں کا حکم دیتا ہے جسے "نفس امارہ بالسوء" کہا جاتا ہے۔ ایک "نفس مطمئنہ" ہے جو اللہ کی اطاعت کرکے اطمینان اور یقین کی منزل پر ہوتا ہے۔ نفس کی تیسری حالت یہ ہے کہ وہ ملامت کرتا ہے، کسی حالت پر خوش نہیں ہوتا کیونکہ وہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ دُنیا میں گناہوں اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہیوں کی وجہ سے آخرت میں سزا ملے گی۔ یہ مومن کا نفس ہے۔

"نفس لوامہ" مومن کا نفس کبھی اپنے آپ سے خوش نہیں ہوتا بلکہ ڈرتا رہتا ہے، اسے سرزنش کرتا رہتا ہے کہ کہیں اللہ کی اطاعت نہ چھوڑ دے۔ نفس کی یہ حالت اچھی حالت ہے، مومن کو نفس کی یہ حالت آخرت میں فائدہ دے گی۔ اس لیے اس نفس کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ بعض نے کہا ہے[1] کہ یہاں نفس سے مراد ہر انسان کا نفس ہے چاہے وہ مومن کا نفس ہو یا کافر کا، گناہگار کا ہو یا صالح اور نیک کا اور بعض نے کہا ہے[2] کہ اس سے فقط کافر کا نفس مراد ہے، نفس کی حالت کا حوالہ دے کر آگے ایک اہم مطلب کو بیان کیا جارہا ہے۔

---

[1] ۔ تفسیر روح المعانی جلد 29۔

[2] ۔ مجمع البیان جلد ۱۰۔

قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا یقینی ہے

سوال یہ ہے کہ کیا انسان مرنے کے بعد زندہ ہو گا؟ کافر کہتے تھے کہ مرنے کے بعد جب انسان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو دوبارہ کیسے وہ اکٹھی کی جائیں گی؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو خلق کیا ہے تو ہم اس کی بکھری ہوئی اور بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ اکٹھا کرنے پر قادر ہیں، ہم تو انگلیوں کے پوروں کو بھی اصلی شکل میں جوڑ لیں گے اور انہیں پہلی حالت میں زندہ کریں گے۔ یہاں پر انسان کے جسم کے باقی اعضاء کی بجائے انگلیوں کے پوروں کا حوالہ اس لیے دیا گیا ہے کہ انسان کے اعضاء میں پوروں کی بناوٹ بہت ہی لطیف و عمدہ ہے اور اس پر جو لکیریں ہیں وہ سب انسانوں کی الگ الگ ہیں۔ اس کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس خدا نے اربوں کھربوں انسانوں کی انگلیوں کے پوروں کی لکیروں کو ایک جیسا نہیں بنایا اور ہر انسان کے پوروں کی لکیریں الگ ہیں وہی خدا ان پوروں کو بھی ان کی اصلی شکل میں دوبارہ بنانے پر قادر ہیں۔

انسان کی سرکشی

ان آیات میں انسان کی سرکشی اور اس کی وحشیانہ سوچ کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ انسان ایسا سرکش ہے جو چاہتا ہے کہ مسلسل گناہ ہی کرتا رہے اور جب تک زندہ ہے اللہ کے قانون کی حرمت کو چیرتا پھاڑتا رہے، گناہ ہی کرتا رہے اور اسے کوئی روکنے والا نہ ہو تاکہ جو چاہے انجام دے۔ وہ اسی وجہ سے قیامت کے دن کا انکار کرتا ہے اور استھزاء کرتے ہوئے پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟

ایسے سرکش انسان کو جب ایمان اور تقویٰ کی دعوت دی جاتی ہے، اسے بڑی خبر سے آگاہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ قیامت کا دن آنے والا ہے اور اس کے متعلق بڑی واضح اور روشن آیات کا مشاہدہ بھی کرتا ہے، وہ اس خطرہ سے چوکنا رہنے اور ایمان لانے اور تقویٰ سے

خود کو آراستہ کرنے کی بجائے اس دن کو جھٹلاتا ہے اور قیامت کا مذاق اڑاتا ہے۔ اس کے بعد والی آیات میں قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی کیفیت کو بیان کیا جا رہا ہے۔

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿٧﴾

ترجمہ: ''پس جب آنکھیں چندھیا جائیں گی۔''

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿٨﴾

ترجمہ: ''اور چاند بے نور ہو جائے گا۔''

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿٩﴾

ترجمہ: ''اور سورج اور چاند اکھٹے کیے جائیں گے۔''

يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾

ترجمہ: ''اس دن انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟!''

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾

ترجمہ: ''ایسا تو ہرگز نہیں، کہیں پناہ نہیں۔''

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾

ترجمہ: ''اس دن آپ کے رب ہی کی طرف ٹھکانہ ہے۔''

يُنَبَّأُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ''اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ وہ کیا لایا اور کیا چھوڑ آیا۔''

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾

ترجمہ: ''بلکہ انسان اپنے اوپر خود شاہد ہے۔''

وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''گو وہ کتنے ہی بہانے پیش کرے۔''

قیامت کے اوصاف

جب قیامت کا دن آئے گا تو آنکھیں دہشت زدہ ہوں گی، خیرہ ہوں گی۔ چاند بے نور ہو جائے گا۔ چاند اور سورج کو اٹھا لیا جائے گا یعنی نہ چاند ہو گا نہ سورج۔ انسان بے چارگی کے عالم میں سوال کرتا پھر رہا ہو گا کوئی پناہ گاہ ہے؟ قرار کی جگہ موجود ہے؟ تو اس کو جواب ملے گا کہ اللہ کے سواء کسی کے پاس کوئی پناہ گاہ نہیں ہے، اللہ کی سلطنت مطلقہ کا ظہور ہو چکا ہو گا،، کسی کا کوئی اختیار نہ بچا ہو گا سب کا حساب ہو رہا ہو گا، جس طرح انسان دُنیا میں خطرات کے مواقع پر ہمیشہ ہلاکت سے نجات اور فرار کی تلاش میں رہتا تھا، وہ آخرت میں بھی یہی چاہے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو خطاب کرتے ہوئے سب کو یہ سمجھا رہا ہے کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کہیں کوئی محل استقرار اور پناہ گاہ نہ ہو گی اور اللہ کے سواء کہیں پناہ نہ ملے گی۔ اس بیان سے یہ بھی مراد ہے کہ اخروی سعادت اور شقاوت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس دن فقط اللہ کا آرڈر ہی چلے گا کسی کا کچھ اختیار نہ ہو گا۔

انسان کے لیے آگہی

اس دن انسان کے سامنے اس کی زندگی کی ساری خوبیوں اور برائیوں کو بیان کر دیا جائے گا۔ اس کے اچھے برے سب اعمال اور ان کے اثرات جو بعد والوں کے لیے باقی رہ گئے تھے سب اسے بتایا جائے گا۔ بلکہ اس کے فہم و ادراک کا معیار بھی اس قدر بڑھ گیا ہو گا کہ وہ خود سمجھے گا کہ اس نے کون سے اچھے اعمال کئے تھے اور کون سے برے اعمال انجام دیئے تھے

اور ان اعمال کے نتائج و اثرات بھی اس کے سامنے ہوں گے۔ اگر وہ بہانے بنائے گا، عذر پیش کرے گا تو وہاں پر غلط بہانے اس کے کام نہ آئیں گے۔ اپنے بارے میں جو دفاع پیش کر رہا ہو گا وہ خود ہی جانتا ہو گا کہ اس کی دلیل کمزور ہے۔ وہ اپنی بصیرت پر پردے ڈالنا چاہے گا کہ وہ عذاب کا مشاہدہ نہ کر سکے۔ لیکن ایسا نہ کر سکے گا۔ اسے معلوم ہو گا کہ جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ اس کا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ اس پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو رہی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''آپ (وحی ختم ہونے سے پہلے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجیے تاکہ آپ اسے جلدی جلدی (یاد کر) لیں۔''

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''بے شک اس کا جمع کرنا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔''

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''پھر جب ہم اس کی قراءت کر چکیں تو اس کی قراءت کا اتباع کیجیے۔''

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''پھر بے شک اس کا کھول کر بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔''

قرآن کے بارے بیان

قیامت کے تذکرہ میں اس جگہ جملہ معترضہ کے طور پر اللہ تعالیٰ قرآن کے متعلق اپنے رسولؐ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جس وقت وحی کو دریافت کر رہے ہوتے ہو تو اسے زبان پر لانے کی ضرورت نہیں ہے، وحی کو مکمل ہونے دو:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْكَ وَحْیُهٗ ۡ [1]

ترجمہ: ''قبل اس کے کہ تم پر وحی مکمل ہو، قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کرو''

بعض مفسرین[2] نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ اس خوف سے کہ ان آیات کو بھول نہ جائیں ان کو زبان پر لاتے اور وحی ختم ہونے سے پہلے ان آیات کو دھراتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اس طرح کرنے سے روک دیا ہے۔[3] اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں واضح فرمادیا ہے کہ قرآن کی آیات کو اکٹھا کرنا، انہیں ترتیب دینا، ان کو محفوظ کرنا ہمارا کام ہے، کوئی آیت بھی غائب نہ ہوگی اور نہ ہی طے شدہ ترتیب سے غائب ہوگی۔ لہٰذا وحی مکمل ہونے سے پہلے آیات کو زبان پر لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب وحی مکمل ہوجائے تو پھر قرآن کی تلاوت کرو۔ جیسے ہم نے وحی کی ہے اسی کی پیروی کرو اور جو آیات نازل ہوئیں ہیں اسی ترتیب سے انہیں پڑھ دو۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وحی شدہ قرآن کی پیروی سے مراد اس کی ذہنی اور باطنی طور پر اس کی پیروی کرنا ہے۔ یعنی خاموشی سے وحی کو سن لو اور اس پر پوری توجہ رکھو، اسے زبان پر مت دھراؤ۔ پھر فرمایا کہ ان آیات کی وضاحت دینا انہیں بیان کرنے کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ اس جگہ فرمایا کہ جس طرح قرآن کو اکٹھا کرنا، اسے محفوظ کرنا، وحی اُتارنا ہمارے ذمہ ہے اسی طرح ان کی توضیح و تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے۔

---

[1] ۔ سورہ طہٰ، آیت 114۔

[2] ۔ مجمع البیان کے مطابق۔

[3] ۔ تفسیر مجمع البیان۔

ثُمّ کے بارے

ثُمّ حرف عطف ہے جو ثُمّ کے بعد ذکر ہونے والے مطلب کے اس سے پہلے ذکر ہونے والے مطلب سے مرتبہ کے لحاظ سے مؤخر ہونے کو بتاتا ہے یعنی دوسرا مطلب مرتبہ کے لحاظ سے پہلے مطلب کے بعد آتا ہے اس سے زمانی تاخیر مراد نہیں ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کے لیے قرآن کو بیان کرنا، اور اسے ان کی سمجھ وصلاحیت کے مطابق قرار دینا ہمارے ذمہ ہے۔ اس بارے مفسرین کے اقوال مختلف ہیں جو مطلب واضح و روشن ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا کہ وحی کے دوران توجہ سے وحی کو سنو، آیات کو زبان پر دہرانے کی ضرورت نہیں ہے یعنی سننے کے ساتھ ساتھ ان کو زبان پر لانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ توجہ سے سنتے رہو اور گھبراؤ نہیں ،ان بکھری ہوئی آیات کو جمع کرنا، ان کو محفوظ رکھنا ہماری ذمہ داری ہے اور جب وحی مکمل ہو جائے تو پھر ان آیات کو تلاوت کرو جو آپ پر نازل کی گئی ہیں۔ ان آیات میں بیان شدہ مطالب کی وضاحت اور تشریح بھی ہم آپ کے لیے بیان کریں گے۔ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ وہ ان آیات کی تشریح بیان کریں اور وہ تشریح اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے لیے بیان کی گئی ہے۔ قرآن میں کلیات ہیں، اجمال ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر و تشریح اپنے حبیبؐ کو بیان کر دی ہے لہٰذا جو رسول اللہ ﷺ نے تشریح کی اسے بھی حکم الٰہی جاننا ہو گا اور اس کا انکار کرنا جائز نہیں ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ''ہرگز نہیں بلکہ تم تو دنیا کو چاہتے ہو۔''

وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ''اور آخرت کو چھوڑتے ہو۔''

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔''

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔''

وَ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''اور کتنے چہرے اس دن اداس ہوں گے۔''

تَظُنُّ اَنۡ يُّفۡعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والی سختی کی جائے گی۔''

قیامت کے انکار کی وجہ

یہ منکرین قیامت کو جواب ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ اصلا قیامت اور حساب کتاب نہ ہو بلکہ جس چیز کی وجہ سے تم اس کا انکار کر رہے ہو وہ یہ ہے کہ تم جلد ختم ہونے والی دُنیا سے محبت کرتے ہو، دُنیا سے دل لگا لیا ہے اور آخرت کی زندگی سے بالکل غافل ہو، اس لیے آخرت سے اعراض کرتے ہو۔

قیامت کے دن دو گروہ

قیامت کے دن دو قسم کے چہرے نظر آئیں گے۔ ایک وہ جو خوش و خرم اور مسرور ہوں گے، وہ چشم دل اور ایمان کی حقیقت کے وسیلہ سے اپنے رب کی عظمت کا نظارہ کریں گے

، ان کے دل اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں گے کوئی بھی چیز انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرسکے گی۔ ہر نعمت میں انہیں اپنا منعم حقیقی یاد آئے گا اور اس نعمت کو بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کے طور پر دیکھ رہے ہوں گے۔ جبکہ بعض کے چہرے مرجھائے ہوئے اور غمگیں ہوں گے کیونکہ ان کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ انہیں کمر شکن عذاب ملنے والا ہے۔ اس جگہ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہو کہ آپ ان کو دیکھ رہے ہوں گے کہ ان پر کمر شکن عذاب ٹوٹنے والا ہے۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: "ہرگز نہیں! جب کہ جان گلے تک پہنچ جائے گی۔"

وَ قِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: "اور لوگ کہیں گے کوئی جھاڑنے والا ہے۔"

وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: "اور وہ خیال کرے گا کہ یہ وقت جدائی کا ہے۔"

وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: "اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جائے گی۔"

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: "تیرے رب کی طرف اس دن چلنا ہوگا۔"

کفار اور مشرکین کی غلط سوچ

تراقی (ترقوہ) کی جمع ہے جس کا معنی ہے گردن میں موجود ہڈیاں۔ فرمانا چاہتا ہے کہ کفار اور مشرکین دنیا کو ہمیشگی ٹھکانہ سمجھ بیٹھے ہیں حالانکہ یہ دنیا ہمیشگی نہیں ہے۔ جب روح نکلتے وقت حلق تک پہنچے گی تو ارد گرد کے افراد نامیدی اور مایوسی سے کہہ رہے ہوں گے کون اسے شفا دے سکتا ہے اور اس کے دردوں کا مداوا کر سکتا ہے ؟ لیکن خود انسان محتضر (جس کی روح نکل رہی ہوگی) یقین کر لے گا کہ دنیا سے کوچ اور فراق کا وقت آن پہنچا ہے اور اس وقت اس کی پنڈلیاں حرکت میں ہوں گی۔ شاید مراد یہ ہو کہ اس جان نکلنے کی تکلیفوں نے اسے گھیر لیا ہوگا اور وہ دُنیا کی زندگی سے دُور ہوتا جائے گا اور اس وقت سے قیامت تک وہ سختیوں اور تلخیوں میں ہو گا اور اس کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہو گا۔ موت اور قیامت کے دن سب کو اللہ کی طرف ہانکا جائے گا یعنی سب لوگوں کو جبری طور پر اللہ کی جانب لے جایا جائے گا اور کوئی بھی اللہ کی طرف جانے سے انکار نہیں کر سکے گا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾

ترجمہ: "پھر نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔"

وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾

ترجمہ: "بلکہ جھٹلایا اور منہ موڑا۔"

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾

ترجمہ: "پھر اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا۔"

قیامت کو جھٹلانے والوں کا انجام

تمام ضمایر اس انسان کی طرف پلٹ رہی ہیں جس کا سورہ کی ابتدا میں ذکر ہے جو روز قیامت کا انکاری تھا اور اس کا خیال تھا کہ خدا قدرت نہیں رکھتا بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کرے فرماتا ہے: اس نے قرآن کی طرف سے حق کی دعوت کو قبول نہ کیا اور اطاعت و بندگی سے منہ موڑتے ہوئے نماز نہیں پڑھتا تھا یعنی نہ اصول دین کو قبول کیا اور نہ فروع دین پر عمل کیا بلکہ حق کی دعوت کو جھٹلایا اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور پھر جب گھر والوں کے پاس جاتا تو بڑے غرور و تکبر سے جاتا۔

اَوۡلٰی لَكَ فَاَوۡلٰى ۙ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''(اے انسان) تیرے لیے افسوس پر افسوس ہے۔''

ثُمَّ اَوۡلٰی لَكَ فَاَوۡلٰى ؕ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''پھر تیرے لیے افسوس پر افسوس ہے۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو ڈرایا دھمکایا ہے کہ جب تمہارا رویہ یہ ہے تو پھر تمہارے لیے عذاب ہے، تم اسی کے لائق ہو۔ اب جب تم نے حق کی تکذیب کی ہے، دعوت الٰہی کو جھٹلایا ہے تو پھر اس کا مزہ چکھو جو عذاب تمہارے لیے آمادہ ہے وہ تمہیں آلے گا، تم اپنے عمل سے اسی عذاب کے حق دار ہو۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَكَ سُدًی ؕ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔''

اَلَمۡ یَكُ نُطۡفَةً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ۙ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''کیا وہ ٹپکتی منی کی ایک بوند نہ تھا۔''

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''پھر وہ لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے اسے بنا کر ٹھیک کیا۔''

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''پھر اس نے مرد و عورت کا جوڑا بنایا۔''

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''پھر کیا وہ اللہ مردے زندہ کر دینے پر قادر نہیں۔''

انسان کی خلقت کا حوالہ

جو انسان دعوت حق کو رد کرتا ہے، اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے اس سے کہا جا رہا ہے کہ ذرا اپنی ابتداء کو تو یاد کر کہ توں گندے پانی کا قطرہ تھا، تیرے والد سے نکلی منی کا ایک قطرہ تیری ماں کے رحم میں ڈال دیا گیا پھر اسی معمولی قطرے کو جما ہوا خون بنایا گیا، اس کے بعد اسے گوشت کا لوتھڑا بنایا گیا، پھر اس میں ہڈیاں تیار کی گئیں اور ان تمام مراحل سے ترتیب وار گزرنے کے بعد ایک بہترین آراستہ پیراستہ خوبصورت انسان کی شکل میں پیدا کیا گیا۔ یہ ہے تیری ابتداء کا اجمالی حوالہ۔ اب جس خدا نے پہلے پہل تیری خلقت کی ہے اور تجھے خوبصورت انسان بنایا ہے تو اس کے لیے تیرے مر جانے کے بعد تجھے تیری پہلی شکل و صورت میں بنانا بہت ہی معمولی اور آسان بات ہے۔ اس میں شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ اللہ انسان کو دوبارہ خلق کرنے پر قادر ہے۔

انسان کی دو صنفیں

اللہ ہی نے انسان کو نر و مادہ بنایا ہے تاکہ اس طرح انسان کی نسل باقی رہے۔ جس خدا نے اپنی عمومی قدرت و اختیار سے اس طرح انسان کی خلقت کی ابتداء کی ہے وہ اسے مارنے کے بعد دوبارہ خلق کرنے پر قادر کیوں نہ ہوگا؟ وہ کس طرح اس چیز سے عاجز ہو سکتا ہے؟ ابتداء میں خلق کرنا مشکل ہو سکتا تھا، بعد میں تو اس کا کوئی سوال ہی نہیں بنتا۔ اگر اللہ کی قدرت عامہ میں آسانی و مشکل کا تصور ہی نہیں اور سارے امور اس کے لیے آسان ہیں تو یقینی امر ہے کہ اللہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آئمہ اطہار علیہم اسلام سے نقل ہوا ہے کہ وہ اس آیت کو پڑھنے کے بعد : ''سبحانك اللهم '' پڑھتے تھے ''پاک ہے تیری ذات اے اللہ تو اس پر قادر ہے''

سورۃ الانسان

(مدنی۔کل آیات: 31)

سورہ کے مطالب

انسان کو اس کی خلقت یاد دلانا، انسان کی ہدایت، مخلوق کا شکر ادا کرنا، دوسروں کی حاجت روائی، کافروں کے لیے عذاب اور مومنوں کے لیے بہشتی نعمات۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡـًٔا مَّذۡکُوۡرًا ①

ترجمہ: ''انسان پر ضرور ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ اس کا کہیں کچھ بھی ذکر نہ تھا۔''

انسان کے لیے وجود کی نعمت

اس جگہ استفہام انکاری کے ذریعہ انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اے انسان تجھے یاد نہیں کہ تم ایک زمانہ میں کچھ بھی نہ تھے، تمہارا ذکر ہی نہ تھا، انسان کا مادہ حیات عدم سے وجود میں آیا ہے لیکن اس کے باوجود ابھی بالفعل انسان نہ بنا تھا۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان موجودِ حادث ہے، ہمیشہ سے نہیں تھا تو اسے اپنی موجودہ ہیئت میں آنے کے لیے صانع کی ضرورت تھی، (کوئی تو ہے جو ہر نئی چیز کو وجود میں لاتا ہے لہٰذا انسان کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کچھ نہ تھا، اسے خالق نے مادہ حیات عطاء کیا اور پھر اسے بالفعل انسان کی ہیئت میں قرار دیا ہے)۔ اللہ ہی ہے جس نے انسان کو وجود کی نعمت سے نوازا ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٢﴾

ترجمہ: ''بے شک ہم نے انسان کو ایک مرکب بوند سے پیدا کیا، ہم اس کی آزمائش کرنا چاہتے تھے پس ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنا دیا۔''

لغات:

(نطفہ) یعنی حیوانات کا وہ پانی (منی) جو تولید مثل کا سبب ہے۔

(امشاج) یعنی مخلوط۔ اب یہ مخلوط یا اس اعتبار سے ہے کہ اس نطفہ کے مختلف اجزا ہوتے ہیں اس لیے مخلوط کی صف استعمال کی گئی ہے یا اس لیے کہ یہ مادہ کے پانی سے جا کر ملتا ہے اور مخلوط ہو جاتا ہے

(ابتلا) یعنی ایک چیز کا ایک حالت سے دوسری حالت میں جانا مختلف مراحل میں اس کی خلقت کے سبب۔ فرماتا ہے: ہم نے انسان کو نطفہ سے خلق کیا جو مخلوط اجزا پر مشتمل تھا درحالانکہ اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کرتے ہیں (نطفہ، علقہ، مضغہ و۔۔۔) اور اسے سننے اور دیکھنے کی قوت سے نوازا تاکہ دعوت الٰھی کو انبیاء کی زبان سے سن سکے اور ان آیات اور نشانیوں کا مشاہدہ کرے جو توحید، نبوت اور قیامت پر دلالت کرتی ہیں۔

نطفہ، امشاج اور ابتلاء کی وضاحت

1: نطفہ سے مراد وہ مادہ حیات ہے جو حیوانات میں تولید مثل کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ نر سے مادہ کے رحم میں منتقل ہوتا ہے، اس کی تیاری میں کائنات میں موجود مختلف حوادث شامل ہوتے ہیں۔ نباتات، جمادات، غذائی مواد، کائناتی انرجی، سب اس کی تیاری میں دخیل ہوتے ہیں۔ یہ مرد کے آلۂ تناسل سے بڑی تیزی سے باہر نکلتا ہے۔ سائنسی تحقیق سے معلوم

ہوا ہے کہ آلۂ تناسل سے نکلنے والی منی (جو ایک سیال (بہنے والا) گاڑھا مادہ ہوتا ہے) رحم میں جاتی ہے جہاں پر اسے وصول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ منی میں بے حساب زندہ جرثومے ہوتے ہیں جو نکلتے ہی تیزی سے رحم میں داخل ہونے کے لیے دوڑتے ہیں لیکن رحم میں صرف ایک ہی جرثومہ داخل ہوتا ہے اور بعض اوقات ایک سے زائد بھی داخل ہو جاتے ہیں، باقی جرثومے وہاں سے محرومیت کے غم میں مر جاتے ہیں۔ رحم میں پہنچنے والے جرثومہ کے مادہ کے جرثومہ سے مل جانے سے انسان کے تیار ہونے کا عمل شروع ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا ایک کامل نظام ہے جس میں ایک قطرہ سے انسان کی خلقت ہوتی ہے اور رحم مادر میں اس کی نشوونما کے لیے مکمل انتظام ہوتا ہے، یہ سب انتہائی حیرت انگیز اور قدرت الٰہی کا عظیم مظہر ہے۔ انسان اپنی خلقت پر ہی غور کر لے تو وہ اللہ پر ایمان لانے میں دیر نہ کرے، لیکن غفلت اسے ایمان کی دولت سے محروم کر دیتی ہے۔ اللہ کی طرف سے انبیاء آکر اسے غفلت سے جگاتے ہیں تاکہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے۔

2: امشاج مختلط اور مخلوط کے معنی میں ہے اور یہاں پر اس سے مراد یہ ہے کہ نطفہ مختلف اجزاء سے تیار ہوتا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ نر سے نکلنے والا نطفہ مادہ کے رحم میں جاتا ہے اور مادہ کے رحم سے نکلنے والے پانی سے مخلوط ہوتا ہے اور دونوں کا اختلاط ایک نئے موجود کے خلق ہونے کا سبب بنتا ہے۔

3: ابتلاء ایک چیز کا دوسری چیز میں منتقل ہونے کے معنی میں ہے۔ یا اس سے انسان کی آفرینش کے مختلف مراحل مراد ہیں یعنی نطفہ ایک حالت سے دوسری حالت میں ،پھر دوسری سے تیسری حالت میں منتقل ہو رہا ہوتا ہے اور مختلف حالتوں سے گزر کر ہی انسان وجود میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے انسان کو ایسے اجزاء سے خلق کیا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور ہم ہی نے اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں

منتقل کیا ہے اور ایک موجود سے دوسرا موجود بناتے ہیں، نطفہ سے علقہ، علقہ سے مضغہ، مضغہ سے عظام اور اسی طرح کے بعد کے مراحل ہیں۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿٣﴾

ترجمہ: ”بے شک ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، یا تو وہ شکر گزار ہے اور یا ناشکرا۔“

ہدایت اور سبیل کا معنی

ہدایت کا مطلب راستہ دکھانا اور مطلوب کی راہنمائی کرنا ہے یا سائل کو اس کی منزل مقصود تک پہنچانے کا انتظام کرنا ہے۔ سبیل سے مراد ایسا راستہ جس پر چل کر کوئی بھی اپنے مقصد تک پہنچ سکتا ہے۔ اس جگہ راہ حق مراد ہے، اللہ فرمارہا ہے کہ ہم نے ایسا انتظام کیا ہے جو انسان کو راہ حق تک پہنچا سکتا ہے۔ اسے راہ حق کی نشاندہی کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو با ارادہ و بااختیار بنایا ہے، راہ حق دکھانے کا انتظام بھی کیا ہے، اسے مقصد تک پہنچنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ یہ انسان پر چھوڑ دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ہمارے دکھائے ہوئے راستہ پر چل کر حق تک پہنچ جائے اور اگر نہ چاہے تو کفران وانکار کردے لیکن اس انکار کا نتیجہ خود ہی بھگتے گا۔

شکر نعمت اور کفران نعمت

انسان اگر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اسی طرح استعمال کرے جس کے لیے وہ نعمت عطا ہوئی ہے تو یہ اس نعمت کا شکر ہے۔ اور اگر وہ نعمت کو اس طرح استعمال میں نہ لائے جس غرض کے تحت وہ نعمت دی گئی ہے تو یہ کفران نعمت ہے اور اس کا نتیجہ بھی خود انسان ہی بھگتے گا۔ نعمت کو ضائع کرنا، نعمت کو غلط طریقہ پر استعمال میں لانا، اسے مطلوب کے لیے استعمال میں نہ لانا، اللہ کی عطاء کردہ نعمت کو اس طرح استعمال میں لائے کہ یہ تاثر ملے کہ یہ

منعم حقیقی سے نہیں ہے یعنی منعم حقیقی پر پردہ ڈال دینا اور حق کو چھپانا سب کفران نعمت کی مثالیں ہیں۔

ہدایت کی نعمت بارے انسانوں کی تقسیم

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہم نے انسان کو ہدایت کی نعمت سے نوازا ہے۔ اس حوالے سے انسانوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) شاکر (۲) کافر۔ دونوں کے لیے ہدایت کی حالت یکساں ہے، لیکن بعض نے اس نعمت سے استفادہ کیا ہے اور مطلوب کو پالیا اور بعض نے اس سے استفادہ نہ کیا اور کفران کر کے مطلوب کو ہاتھ سے دے دیا۔

آیت سے اشارہ

اس آیت سے چند نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ سبیل سے مراد ایسی سنت اور ایسا طریقہ ہے جو انسان کی ضرورت ہے اور دنیوی زندگی میں آخرت کی سعادت تک پہنچنے کے لیے اسے طے کرنا ہوگا اور یہی دین حق ہے۔

۲۔ سبیل اللہ اور اللہ کے راستہ کی ہدایت اختیاری ہے اسی وجہ سے اس ہدایت پر شکر یا کفران مرتب ہوتا ہے یعنی یہ مکمل طور پر انسان کے اختیار میں ہے اس میں اجبار نہیں ہے جیسا کہ اسی سورہ کی آیت ۲۹ اور ۳۰ میں بیان ہوا ہے۔

ہدایت کی اقسام

الٰہی ہدایت دو قسم کی ہے:

۱۔ ہدایت فطری یا ہدایت تکوینی، یہ وہی صلاحیت ہے جسے اللہ نے ہر انسان کو باطنی طور پر دے دیا ہے کہ جس کے ذریعے وہ اپنی زندگی کے تمام تر امور انجام دیتا ہے اسی طرح وہ صحیح اور غلط کی تشخیص دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، حق و باطل کو سمجھ سکتا ہے، عمل صالح اور

عمل غیر صالح کو جان سکتا ہے، منفعت اور نقصان کو جان سکتا ہے۔ اس بارے سورہ شمس آیت ۸ میں ارشاد ہوا ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا

ترجمہ: ”پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔“

۲۔ ہدایت قولی یا تشریعی: یہ ہدایت انسان کو انبیاء اور آسمانی کتب کے ذریعہ سے ملتی ہے۔ انبیاء اپنے خطاب اور گفتگو سے انسان کی راہنمائی کرتے ہیں، اسے حق کی دعوت دیتے ہیں، اصول عقائد کو قبول کرنے کا کہتے ہیں اور جو حق کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں، انہیں الٰہی قوانین کی تعلیم دیتے ہیں جن قوانین پر چل کر انسان دُنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا ۝۴

ترجمہ: ”بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝۵

ترجمہ: ”بے شک نیک ایسی شراب کے پیالے پئیں گے جس میں چشمہ کافور کی آمیزش ہوگی۔“

لغات:

(کاس) پیالہ اور ظرف کو کہتے ہیں جس میں کچھ پیا جاتا ہے؛ (مزاج) سے طبیعت یا ہر وہ چیز مراد ہے جس سے کیفیت پیدا ہوتی ہے۔؛ (کافور) ایک قسم کا مادہ ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کی لطافت اور عمدگی اور اس کے رنگ و بو کی کیفیت کی مثال دی جاتی ہے؛ (ابرار)

بر کی جمع ہے، جس کا معنی بہت زیادہ نیکی کرنے والا ہے۔ یعنی وہ نیکی کو نیکی سمجھ کر انجام دیتا ہے نہ اس وجہ سے کہ یہ کام کرنے سے اسے فایدہ ہوگا، وہ کسی منفعت کو مد نظر رکھے بغیر عمل خیر انجام دیتا ہے۔فایدہ تو دور کی بات اگر یہ نیک کام اس کے نقصان میں ہو گا تو بھی انجام دے گا۔

نیک اعمال میں ایمان کی شرط

البتہ اللہ، رسول اور قیامت پر ایمان کے بغیر کوئی عمل خیر اور اچھا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ابرار کا اللہ، اللہ کے رسول اور قیامت پر ایمان ہے۔ یہ خود کو اللہ کا مملوک سمجھتے ہیں۔

سورہ احزاب آیت ۱۹ میں ہے:

أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ

ترجمہ: ''اس لحاظ سے کہ وہ ایمان نہیں لائے ان کا عمل ختم کر دیا گیا۔''

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بغیر انجام دیا گیا عمل بے اثر ہے، انجام دینے والے کو اس کا وقتی فائدہ تو مل جائے گا لیکن آخرت میں اس عمل کا فائدہ نہیں ہو گا۔ اللہ پر ایمان کے بغیر انجام دیا گیا اچھا عمل حقیقت میں اچھا عمل نہیں ہے کیونکہ جب انسان اپنے خالق اور منعم کی عطاء کردہ طاقت سے عمل انجام دیتا ہے اور اپنے منعم و خالق کا انکار کرتا ہے تو یہ عمل تو کفران نعمت ہوا، عمل خیر تو نہ ہوا، اس وجہ سے اس عمل کا اجر اور بدلہ بھی نہیں ملے گا۔ جو شخص خود کو اللہ کا مملوک قرار دیتا ہے وہ اللہ کے ارادے کو اپنے ارادے پر مقدم قرار دیتا ہے، اپنی نفسانی خواہشات کو پس پشت ڈالتا ہے، وہ کرتا ہے جو اس کا مالک، منعم و خالق چاہتا ہے، ان کا عمل اللہ کے لیے ہوتا ہے، عبودیت کو عمل کے مرحلہ میں خالص کرتا ہے۔

اہل البیتؑ اطہار حقیقی ابرار

روایات میں ہے کہ یہ آیات اہل البیتؑ پیغمبر ﷺ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حسین علیہم السلام شامل ہیں۔ اس آیت میں ابرار کا مصداق یہ چار ہستیاں ہیں۔ لیکن اس کے عمومی معنی میں ہر وہ شخص بھی آجائے گا جو اللہ کی خوشنودی کے لیے اچھا عمل انجام دے گا۔

اسی طرح ابرار کے لیے اللہ کے پاس بہت ہی صاف و شفاف، پاک و طاہر شراب موجود ہے جو اپنی شفافیت، خوشبو اور سفیدی اور عمدگی میں کافور کی مانند ہے، وہ شراب معطر، ٹھنڈی اور دل پسند ہوگی، ایسی شراب جسے نہ کسی نے دیکھا ہوگا اور نہ سنا ہوگا اور نہ ہی کسی نے پیا ہوگا۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝۶

ترجمہ: ''وہ ایک چشمہ ہوگا جس میں سے اللہ کے بندے پئیں گے اس کو آسانی سے بہا کر لے جائیں گے۔''

ابرار کے لیے خاص چشمہ

ابرار اور اللہ کے خاص بندوں کے لیے ایک خاص چشمہ ہے۔ جیسے کہ پہلے کہا ہے کہ ابرار کا سب سے پہلا اور اہم مصداق اہل البیت علیہم السلام ہیں، وہ اس خاص چشمہ سے شراب پئیں گے، یہ وہ ہیں جنہوں نے دُنیا میں اپنے رب کی بندگی کی کرامت کو پایا وہ آخرت میں بڑے ثواب کو پائیں گے۔ یہ ایسا چشمہ ہے جو ان کے ساتھ ساتھ چلے گا جہاں چاہیں گے اس سے پانی نکلنا شروع ہو جائے گا، یہ ان کے صالح اعمال کا تجسم ہوگا، وہ بہشت میں جاودانہ رہیں گے۔ بہشت میں ان کے نیک اعمال مجسم ہو کر ان کے سامنے ہوں گے۔

''تفجیر'' کا معنی کسی جگہ سے پھوٹ پڑنا ہے، لیکن اس جگہ بہشتی کی مرضی اور اس کا ارادہ مراد لیا گیا ہے کیونکہ ان کے ارادے سے ہی یہ چشمہ پھوٹ پڑے گا۔ اہل بہشت جو چاہیں گے ان کے لیے حاصل ہو گا۔

یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ وَ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسۡتَطِیۡرًا ﴿۷﴾

ترجمہ: ''وہ اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی مصیبت ہر جگہ پھیلی ہوئی ہوگی۔''

وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّ اَسِیۡرًا ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور وہ اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

اہل البیتؑ کا ایثار

تفسیر کشاف میں ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام بیمار ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی جماعت کے ہمراہ ان کی عیادت کی۔ کچھ اصحاب نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کتنا اچھا ہوگا کہ آپ اپنے بیٹوں کی شفاء یابی کے لیے منت مان لیں۔ حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ان کی کنیز فضہ نے منت مان لی کہ اگر ان کو اس بیماری سے صحت مل گئی تو تین دن روزہ رکھیں گے۔ جب بچوں کو شفاء مل گئی تو اس نذر کو پورا کرنے کے لیے سب نے روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ شمعون یہودی سے حضرت علی علیہ السلام نے تین کلو جو قرض لی، بی بی سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اس میں سے ایک کلو جو کا آٹا بنایا، پھر آٹا کو گوندھا اور گھر کے افراد کی تعداد کے مطابق پانچ روٹیاں تیار کیں اور ہر ایک کے سامنے ایک روٹی رکھ دی، جیسے ہی افطار کا ارداہ کیا تو دروازے پر سائل نے آواز دی، اے اہل البیتؑ! آپ پر سلام ہو، میں مسلمان مسکین ہوں، بھوکا ہوں، مجھے کھانا

دے دیجئے، اللہ آپ کو بہشتی کھانا عطاء کرے گا۔ اہل البیت علیہم السلام نے اس سائل کو اپنے اوپر مقدم جانا اور سب نے اپنے سامنے رکھی ہوئی روٹی اٹھائی اور اس مسکین کو دے دی۔ کچھ نہیں کھایا بھوکے سو گئے، دوسرے دن پھر روزہ رکھا، بی بی سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا نے دوسرے کلو جو کا آٹا بنایا اور آٹا کو گوندھا، پانچ روٹیاں تیار کیں، شام کو جب افطار کا وقت ہوا تو ہر ایک کے سامنے اس کے حصہ کی ایک روٹی رکھ دی گئی۔ اتنے میں دروازہ پر کسی نے آکر آواز دی یا اہل البیت علیہم السلام ! میں مسلمان یتیم ہوں، بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلا دو، اللہ آپ کو بہشت کا کھانا دے گا۔ سب نے اپنی اپنی روٹی اٹھائی اور یتیم سوالی کو تھما دی اور بھوکے سو گئے۔ تیسرے دن پھر روزہ رکھا، بی بی سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا نے شام کے لیے آخری کلو جو کا آٹا گوندھا، پانچ روٹیاں تیار کیں، افطار کے وقت ہر ایک کے سامنے اس کے حصہ کی روٹی رکھ دی گئی۔ تو پھر دروازہ پر سائل آگیا اور کہا اہل البیت علیہم السلام آپ پر سلام ہو، میں مسلمان قیدی ہوں مجھے کھانا کھلاؤ اللہ آپ کو بہشتی کھانا کھلائے گا۔ سب نے اپنا اپنا حصہ اٹھایا اور اس اسیر کو دے دیا اور خود بھوکے رہ گئے۔ چوتھے دن حضرت علی علیہ السلام حسنین کریمین علیہم السلام کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آتے ہیں، آپؐ نے جب بچوں کو دیکھا تو بہت ہی کمزور تھے، بھوک کی وجہ سے کانپ رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: میرے لیے بہت ہی تکلیف کا سبب بنا ہے کہ میں آپ کے بچوں کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر انہیں لے کر بی بی زہرا سلام اللہ علیہا کی جانب روانہ ہوئے۔ آپؐ نے دیکھا کہ آپ کی پیاری بیٹی محراب عبادت میں مشغول عبادت ہیں۔ آپؐ نے دیکھا کہ ان کا شکم کمر سے چپکا ہوا ہے، آنکھیں اندر کی طرف دھنس چکی ہیں، اس کیفیت کو دیکھ کر آپؐ کو بڑا دکھ ہوا۔ اسی حالت میں جبرئیل علیہ السلام آگئے، اور یہ سورہ ہدیہ کے طور پر اللہ کی طرف سے پہنچایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے اہل بیت کی تہنیت و تبریک دے رہا ہے۔ اور جبرئیل امین علیہ السلام نے سورہ دہر کی تلاوت کی۔

اس آیت اور بعد والی آیات میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو نذر مانتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں اور مسکین و اسیر و یتیم و سوالی کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، خود بھوکے رہتے ہیں، سوالی کو کھانا دے دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں اس کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض مفسرین[1] کے نزدیک "علی حبہ" کی ضمیر اللہ کی طرف پلٹتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی محبت میں مسکین و یتیم اور اسیر کو کھانا دے دیتے ہیں تاکہ اللہ کا ثواب حاصل کر سکیں۔ لیکن بعد والی آیت اس معنی سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ اس مطلب کو بیان کیا جا چکا ہے اسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ اللّٰهِ لَا نُرِيۡدُ مِنۡكُمۡ جَزَآءً وَّلَا شُكُوۡرًا ﴿۹﴾

ترجمہ: "ہم جو تمہیں کھلاتے ہیں تو خاص اللہ کے لیے، نہ ہمیں تم سے بدلہ لینا مقصود ہے اور نہ شکر گزاری۔"

اللہ کی خوشنودی کے لیے عمل

وجہ اللہ، میں وجہ وسیلہ اور ذریعہ کے معنی میں ہے یعنی ہر وہ عمل جس کے وسیلہ سے اللہ کی طرف رُخ کیا جائے۔ اس جگہ اللہ کی صفات فعلیہ اور صفات کریمہ مراد ہیں جو مخلوق کے لیے فیض الٰہی اور خیر کا واسطہ ہیں جیسے خلق، تدبیر، رزق وغیرہ۔ اس لیے اہل البیت علیہم السلام نے فرمایا: کہ ہم اللہ کے لیے کھانا دے رہے ہیں، اس عمل کے انجام دینے کا ہدف اللہ کی رحمت کو جلب کرنا اور اللہ کی خوشنودی کو حاصل کرنا ہے۔ اس عمل کی بازگشت اس کی طرف ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ وہ اللہ کی خالصانہ اور فقط اس وجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ اللہ عبادت کے لائق ہے، بندگی اس کا استحقاق ہے اور عبادت اسی کے لیے ہے۔ بات کو جاری

[1] ۔ تفسیر قرطبی، جلد 10۔

رکھتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ لوگوں سے کوئی جزا اور اجر نہیں چاہتے۔ جزاء انجام دئے گئے عمل کے بدلہ اور عوض کو کہا جاتا ہے۔ شکور کا معنی نعمت کا ذکر کرنا، زبان، دل اور عمل سے اسے یاد کرنا ہے۔ اس جملہ سے ابرار نے سائل کو یہ یقین دلایا ہے کہ ہم نے آپ کو جو کھانا کھلایا ہے اس کا بدلہ نہ تم سے چاہتے ہیں اور نہ ہی کسی اور سے، اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ہمارے اس عمل کا اعتراف کیا جائے یا اس کا تذکرہ کیا جائے، تم پر ہمارا کوئی احسان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان آیات میں ابرار کے باطنی اخلاص کو بیان فرما رہا ہے۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''ہم تو اپنے رب سے ایک اداس (اور) ہولناک دن سے ڈرتے ہیں۔''

عمل لوجہ اللہ سے مراد

یہ جو کہا ہے کہ ہم یہ ''عمل لوجہ اللہ'' کر رہے ہیں، اپنی عبودیت کو اللہ کے لیے خالص کر رہے ہیں، یہ اس لیے ہے کہ ہم اس دن سے ڈرتے ہیں جو مخلوق پر بہت ہی سخت ہو گا، جس دن سب کے چہرے اُترے ہوں گے اور مایوسی ان کے چہروں سے جھلک رہی ہو گی اور وہ سب غمگین ہوں گے تو ہم اپنے رب کے اس دن کے قہر و غضب سے ڈرتے ہیں۔ اس عبارت سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح ہماری اُمید فقط اللہ سے ہے اسی طرح خوف اور خشیت بھی اللہ ہی سے ہے۔ ہم اللہ کے سواء کسی اور سے نہیں ڈرتے۔ اُمید بھی اللہ سے ہے اور خوف بھی اللہ کا ہے۔

لِوَجہ اللہ کا مطلب

لَوَجہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا اپنا کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے اللہ کا ہے لہٰذا ہر عمل اللہ کے لیے ہے۔ اللہ ہی ہر عمل کا وسیلہ ہے، ہمارا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''پس اللہ اس دن کی مصیبت سے انہیں بچالے گا اور ان کے سامنے تازگی اور خوشی لائے گا۔''

وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور ان کے صبر کے بدلے ان کو جنت اور ریشمی پوشاکیں دے گا۔''

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اس میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، نہ وہاں دھوپ دیکھیں گے اور نہ سردی۔''

وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور ان پر اس کے سائے جھک رہے ہوں گے اور پھلوں کے گوشے بہت ہی قریب لٹک رہے ہوں گے۔''

اللہ کے انعامات

ان آیات میں ان ابرار کی خالصانہ عبادت اور ان کے خالصانہ عمل کی قبولیت کے نتیجہ میں انہیں عطا کئے جانے والے انعامات کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ انعامات اس طرح ہیں:

۱۔ وہ قیامت کے دن کی تکالیف و پریشانیوں سے محفوظ ہوں گے۔

۲۔ قیامت کے دن انہیں کوئی غم نہ ہو گا۔

۳۔ ان کے لیے جنت الفردوس ہے، سرسبز و شاداب باغات ہیں۔

۴۔ بہشت میں ان کے لیے مسہریاں لگی ہوں گی ان پر تکیہ لگائے آرام سے بیٹھیں گے۔

۵۔ جنت میں نہ تو سخت دھوپ کا سامنا ہو گا اور نہ ہی سخت سردی۔

۶۔ ان کے لیے مناسب سایہ کا انتظام ہو گا جس سے ان کو سکون اور آرام نصیب ہو گا۔

۷۔ پھلدار درخت ان کے اوپر جھکے ہوں گے جہاں سے جو پھل توڑنا چاہیں گے، آسانی سے حاصل کر سکیں گے۔

۸۔ جنت میں وہ جو چاہیں گے انہیں ملے گا۔

وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اور ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے آبخوروں کا دور چل رہا ہو گا۔''

قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: '' شیشے بھی چاندی کے جو ایک خاص انداز پر ڈھالے گئے ہوں گے۔''

وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اور انہیں وہاں ایسی شراب کا پیالہ پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہو گی۔''

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''وہ وہاں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔''

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ”اور ان کے پاس سدا رہنے والے لڑکے (خادم) گھومتے ہوں گے، تو ان کو دیکھے گا تو خیال کرے گا کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔“

وَ اِذَا رَاَیۡتَ ثَمَّ رَاَیۡتَ نَعِیۡمًا وَّ مُلۡکًا کَبِیۡرًا ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ”اور جب توں وہاں دیکھے گا تو وہاں پر نعمت اور بڑی سلطنت دیکھے گا۔“

عٰلِیَہُمۡ ثِیَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ وَّ اِسۡتَبۡرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّۃٍ ۚ وَ سَقٰہُمۡ رَبُّہُمۡ شَرَابًا طَہُوۡرًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”ان پر باریک سبز اور موٹے ریشم کے لباس ہوں گے، اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے، اور انہیں ان کا رب پاک شراب پلائے گا۔“

اِنَّ ہٰذَا کَانَ لَکُمۡ جَزَآءً وَّ کَانَ سَعۡیُکُمۡ مَّشۡکُوۡرًا ﴿٪۲۲﴾

ترجمہ: ”بے شک یہ تمہارے (نیک اعمال کا) بدلہ ہے اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی۔“

ابرار کے لیے مزید انعامات

۹۔ وہاں پر ابرار کی خدمت کے لیے چھوٹے چھوٹے لڑکے ہوں گے جو بہت ہی خوبصورت، زیبا، خوش نما، خوش منظر ہوں گے جو ان کی خدمت کر رہے ہوں گے۔

۱۰۔ خوبصورت لڑکے ہمیشہ ایک ہی عمر میں رہیں گے۔

۱۱۔ ان لڑکوں کے ہاتھوں میں بلورین جام ہوں گے۔

۱۲۔ بلورین جام چاندی کے ہوں گے۔

۱۳۔ ان جاموں میں بہت ہی مزیدار اور طبع کے مطابق، بہت ہی لبھائی، زنجبیل کی شراب ہو گی۔

۱۴۔ ان ابرار کے لیے وہاں ایک خاص چشمہ بھی ہو گا۔

۱۵۔ خدام ہمیشہ ان ابرار کے گرد چکر لگاتے رہیں گے اور ان کے لیے خوشی، سکون اور آرام کا سامان مہیا کر رہے ہوں گے۔ یہ خدام بکھرے ہوئے موتیوں جیسے لگیں گے۔

ان انعامات کی حقیقت کا ادراک دُنیاوی اور مادی معیارات سے نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کی حقیقت کو مادی دُنیا کے الفاظ سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ خالص اور مخلص ابرار بندوں کے لیے اللہ کے تیار کردہ انعامات ہیں۔

ابرار کے لیے کچھ اور مقامات کا تذکرہ

ابرار کو جو کچھ اللہ نے دینا ہے ان آیات میں اُن کا ذکر آیا ہے جو، کچھ اس طرح ہے:۔

۱۔ اُن کے لیے انعامات ہوں گے۔

۲۔ ایک بڑی سلطنت ہو گی۔

۳۔ اعلیٰ قسم کے لباس ہوں گے۔

۴۔ اعلیٰ قسم کی پاک وطاہر شراب ہو گی۔

۵۔ اُن کا عمل قبول ہو گا اور اُن کو قبولیتِ اعمال کی سند ملے گی۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِيۡلًا ۚ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”بے شک ہم نے ہی آپ پر یہ قرآن تھوڑا تھوڑا اتارا ہے۔“

فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ اٰثِمًا اَوۡ كَفُوۡرًا ۚ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیا کریں اور ان میں سے کسی بدکار یا ناشکرے کا کہانہ مانا کریں۔''

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ''اور اپنے رب کا نام صبح اور شام یاد کیا کریں۔''

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ''اور کچھ حصہ رات میں بھی اس کو سجدہ کیجیے اور رات میں دیر تک اس کی تسبیح کیجیے۔''

فرمارہا ہے کہ قرآن حقیقتاً خداوند متعال کی طرف سے تدریجاً نازل ہوا ہے جس میں خواہشات نفسانی یا شیطان کا ذرہ برابر عمل دخل نہیں ہے کیونکہ اس کو نازل کرنے والی خداوند متعال کی ذات ہے۔

پس آپ خدا کے احکام کی پیروی کریں اور قرآن کے حکم کے سامنے صبر کریں اور معاشرے کے کافر اور گنہگار لوگوں کی اطاعت مت کریں۔ (آثم) یعنی ایسا مسلمان جو گنہگار ہے۔ (کفور) یعنی ایسا کافر جو اپنے کفر میں مبالغہ سے کام لیتا ہے، اور ضمنی معنی یہ بنے گا کہ جب گنہگار تجھے گناہ کی دعوت دے تو اس کی اطاعت مت کرو، کیونکہ آثم کا گناہ اور کافر کا کفر دونوں خداوند متعال کے حکم کے مخالف ہیں۔ بلکہ تم ہمیشہ خدا کے ذکر میں مشغول رہو اور صبح اور عصر کی نماز کو بجالاو۔ ممکن ہے (اصیل) سے مراد نماز ظہر و عصر کا وقت ہو۔

پھر آگے ارشاد فرماتا ہے کہ: رات کے کچھ حصے کو سجدے میں گزارو کہ یہاں مراد وہی نماز پڑھنا ہے۔ اس آیت اور اس سے پہلے والی آیت کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ نماز صبح، عصر، مغرب اور عشا کا حکم دیا جارہا ہے[1] اور رات کو طولانی تسبیح سے مراد نماز تہجد ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''بے شک یہ لوگ دنیا کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو چھوڑتے ہیں۔''

کفران نعمت اور انکار کرنے والوں کا انجام

ان آیات میں کافروں اور گناہگاروں کی عدم اطاعت کی وجہ کو بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے فانی دُنیا سے دل لگا لیا ہے اور اسی کے حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں اور قیامت کے سخت دن کا لحاظ نہیں کرتے اور اسے نظرانداز کر دیا ہے یا اسے بالکل بھلا دیا ہے جیسے قیامت کے دن نے آنا ہی نہیں۔ قیامت کے دن کو ''یوم ثقیل'' بوجھ والا دن قرار دیا ہے کیونکہ وہ دن اس طرح سخت ہوگا جس طرح وزن اٹھانا سخت و دشوار ہوتا ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''ہم ہی نے انہیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ مضبوط کر دیئے اور جب ہم چاہیں ان جیسے ان کے بدلے اور لا سکتے ہیں۔''

---

[1] ۔ جیسا کہ سورہ اسراء کی آیت 78 اور سورہ طہ کی آیت 130 میں بھی یہ حکم بیان کیا گیا ہے۔

کافروں اور گناہگاروں کے لیے تنبیہ

اس آیت میں کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے اور واضح الفاظ میں انہیں کہہ دیا گیا ہے کہ تمہیں ہم نے خلق کیا ہے اور جب چاہیں گے تمہارا خاتمہ کر دیں گے۔ ہم اس بات سے عاجز بھی نہیں کہ تمہاری جگہ دوسری مخلوق لے آئیں۔ تم اللہ کو اس کام سے عاجز نہیں کر سکتے۔ زندگانی کے امور کی تدبیر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، تم نے کفر اختیار کرکے اپنا نقصان کیا ہے، تمہاری زندگی، تمہاری زندگی کی تدبیر اور تمہاری موت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ''بے شک یہ ایک نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔''

قرآن کی آیات وعظ اور نصیحت ہیں

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قرآنی آیات تذکرہ ہیں، سمجھانے کا وسیلہ ہیں، حقائق کو بتانے کے لیے ہیں، جو شخص بات کو سمجھ لے اور اپنے نفع و نقصان کو درک کرلے تو ظاہر ہے وہ سمجھنے کے بعد اپنے اختیار سے اللہ کا راستہ اپنائے گا اور خود کو ہلاکت سے بچالے گا۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٣٠﴾

ترجمہ: ''اور تم جب ہی چاہو گے جب اللہ چاہے گا، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣١﴾

ترجمہ: جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے تو اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ کی مشیت و ارادہ

اس جگہ ایک کلی ضابطہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ بندہ کی مرضی کا تحقق اللہ کے ارادہ سے وابستہ ہے۔ یہ کافروں کے خیال کا جواب ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنے ارادہ میں مستقل ہیں، ان کے ارادہ میں کسی کا دخل نہیں ہے۔ اللہ نے جواب دیا ہے کہ کوئی بھی ارادہ کرنے میں مستقل نہیں ہے۔ بلکہ سب اللہ کے ارادہ کے تابع ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ارادہ کے لیے اسباب کو خلق کیا ہے جب تک سبب نہ ہو گا اس کا ارادہ وجود میں نہیں آئے گا، پس جو بھی ارادہ کرنا چاہتا ہے تو اللہ کے خلق کردہ سبب کے تحت کرتا ہے اس لیے کہا گیا ہے کہ کوئی ارادہ نہیں کرتا مگر جو اللہ چاہتا ہے، اللہ کے ارادہ کے بغیر کسی کا ارادہ محقق نہیں ہو سکتا۔ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی نظام بنایا ہے، کوئی خود کو اس سے آزاد قرار نہیں دے سکتا۔ البتہ یہ جبر اور اختیار کے منافی نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے اختیار سے جس سبب کو اپنائے اسی سبب کا نتیجہ پائے گا سبب کا خالق اللہ ہے۔ اللہ دانا، حکیم اور علیم ہے، اس کے تمام اعمال علم و حکمت کے تحت ہیں، اس کے فیصلے بے فائدہ اور بغیر مصلحت و حکمت کے نہیں ہوتے۔ اللہ اپنے بندوں کی شائستگی، ان کی صلاحیت ان کی لیاقت سے آگاہ ہے۔ وہ اپنی حکمت بالغہ کے تحت اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں وارد کرتا ہے اور اسے بہشت جاودانی عطا کرتا ہے۔

ظالموں کا انجام

جنھوں نے اللہ کی دعوت کا انکار کرکے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، معصیت اور گناہ کا راستہ اختیار کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ کافر کفر اختیار کرکے اپنے اوپر ظلم کرتا ہے پس اس کے لیے سوائے جہنم کے اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

سورۃ المرسلات

(مکی۔ کل آیات: 50)

سورہ کے مطالب

قیامت کے بیان سے وعظ و نصیحت اور انذار اور بشارت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ان ہواؤں کی قسم ہے جو نفع پہنچانے کے لیے بھیجی جاتی ہیں۔''

فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''پھر ان ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں۔''

وَّ النّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اٹھا کر پھیلاتی ہیں۔''

فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں۔''

فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''پھر ان ہواؤں کی جو (دل میں) اللہ کی یاد کا القاء کرتی ہیں۔''

عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''حجت تمام کرنے کے لیے ہو یا تنبیہ کے لیے۔''

اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾

ترجمہ: ”جن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے۔“

فرشتوں کی ذمہ داریاں

بظاہر یہ پانچ صفات فرشتوں کی ہیں۔البتہ بعض نے ان آیات میں اٹھائی جانے والی قسموں سے ہواؤں کو مراد لیا ہے اور ان سے ہواؤں کی قسم اُٹھانے کا معنی کیا ہے۔اگر آیات سے فرشتے مراد لیے جائیں تو ان کا معنی یہ ہوگا: قسم ہے ان فرشتوں کی جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں،ان فرشتوں کی قسم جنہیں خیر کے لیے بھیجا گیا ہے، ان فرشتوں کی قسم جو تند و تیز ہواؤں کی مانند بڑی تیزی سے اپنی ماموریت کو انجام دیتے ہیں۔ان فرشتوں کی قسم جو آسمانی صحیفوں کو کھولتے ہیں جن پر وحی الٰہی لکھی ہوتی ہے تاکہ پیغمبروں تک وہ وحی پہنچائیں۔ ان فرشتوں کی قسم جو حق و باطل اور حلال و حرام میں امتیاز کرتے ہیں۔ان فرشتوں کی قسم جو پیغمبروں کو وحی پہنچادیتے ہیں وہ ذکر کی تلاوت کرتے ہیں تاکہ مومنوں کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے اور کافروں کے لیے دھمکی ہے تاکہ جھٹلانے والوں کے لیے اتمام حجت ہو اور دوسروں کے لیے دھمکی دینا ہو۔اتنی ساری قسمیں اٹھائی ہیں،اگر یہ قسمیں ہواؤں کی اٹھائی گئی ہوں تو ہواؤں کو چلانے والے فرشتے ہیں،اور وہ ہواؤں کو اللہ کے حکم سے چلاتے ہیں۔ہوائیں آہستہ بھی چلتی ہیں اور تیز بھی، تیز ہوائیں بادلوں کو اٹھائے پھرتی ہیں، بادلوں کو متفرق کرتی ہیں اور انہیں اکٹھا کرتی ہیں، فرشتے ان ہواؤں کو اللہ کے حکم سے چلا رہے ہوتے ہیں ان قسموں کے بعد یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ کے حکم سے یہ ہوائیں چل رہی ہیں، فرشتے اللہ کی ماموریت کو انجام دے رہے ہوتے ہیں۔انبیاء پر فرشتے وحی نازل کرتے ہیں، فرشتے حلال و حرام میں امتیاز کرتے ہیں، حق و باطل میں جدائی ڈالتے ہیں، صحیفوں میں درج اللہ کی وحی کو اس کے حکم سے لے کر آتے ہیں۔یہ سب کچھ آپ کو یہ بتانے کے لیے ہے کہ قیامت برحق ہے، جس کا

تمہیں وعدہ دیا گیا ہے اس نے ضرور آنا ہے۔ اللہ کی طرف سے جو عذاب و عتاب اجر و ثواب کا وعدہ دیا گیا ہے اس نے ہر صورت واقع ہونا ہے، اس میں شک نہیں ہے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''پس جب ستارے مٹا دیئے جائیں گے۔''

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اور جب آسمان پھٹ جائیں گے۔''

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور جب پہاڑ اڑائے جائیں گے۔''

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''اور جب رسول وقت معین پر جمع کیے جائیں گے۔''

لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''کس دن کے لیے تاخیر کی گئی تھی۔''

لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''فیصلہ کے دن کے لیے۔''

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے۔''

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔''

قیامت کے دن کا بیان

ان آیات میں یوم موعود کی بات ہو رہی ہے۔ اس دن وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حوادث کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس دن پورا عالَم درہم برہم ہو جائے گا، انسانی عالَم، حیوانی عالَم، نباتاتی عالَم، جمادات کا عالَم، غرض تمام عالَم کا سسٹم وارتباہ اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گا۔ اس دن ستاروں کا نور ختم ہو جائے گا، ان کے تمام آثار مٹ جائیں گے، آسمان پارہ پارہ ہو جائے گا، پہاڑ زمین سے اکھڑ جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اس دن سارے انبیاء اپنی اپنی اُمتوں پر گواہی دینے کے لیے حاضر ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ایک سوال اٹھایا گیا ہے کہ ان باعظمت اور خوفناک امور کو کس دن کے لیے مؤخر کیا گیا ہے اور وہ دن کب وقوع پذیر ہو گا؟ اللہ نے خود ہی اس کا جواب دے دیا ہے۔ ان فیصلوں کو ہر چیز کے جدا جدا ہونے والے دن تک مؤخر کیا گیا ہے اور وہ جزا کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کی عظمت اور بزرگی کو اس طرح بیان فرمایا ہے: تم کو کیا معلوم کہ وہ دن کتنا بڑا اور کتنا عظیم ہے، یہ وہ دن ہے جس میں جھٹلانے والے ہلاک ہوں گے، یہ معاد کا دن ہے، سب کی واپسی اور سزا بھگتنے کا دن ہے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ''کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کر ڈالا۔''

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ''پھر ہم ان کے پیچھے دوسروں کو چلائیں گے۔''

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ''مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔''

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔''

مجرموں کی سزا

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ ہم نے تم سے پہلی اقوام کو جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا سخت سزا دی اور ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کے بعد جو بھی ہماری آیات کو جھٹلائے گا ہم انہیں بھی ہلاک کر دیں گے۔ یہ خبر دینے کے بعد ایک قانون الٰہی بیان کیا جارہا ہے کہ ہمارا قانون ہی یہ ہے کہ ہم مجرموں کو اس طرح سزا دیتے ہیں۔ ان کی ہلاکت کا سبب بھی ان کا جرم اور گناہ تھا جو انہوں نے انجام دیا، آئندہ بھی جو گناہ کرے گا اور جرم کا ارتکاب کرے گا اسے بھی یہی سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد دھمکانے کے انداز میں کہا گیا ہے کہ ہماری آیات کو جھٹلانے والوں کے لیے قیامت کے دن پھٹکار ہے۔ یہ آیت ایک اور مطلب کو بھی بیان کر رہی ہے کہ اللہ ربوبیت میں یکتا ہے کیونکہ مجرموں کو سزا دینے کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے یہ اللہ تعالیٰ کے ربوبیت میں یکتا ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی ہلاک کرنے والا نہیں ہے، مشرکین بھی اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ ہلاکت کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔ لہٰذا جب مجرموں کو اللہ ہلاک کرتا ہے تو ربوبیت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کے سوا نہ تو کوئی معبود ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا رب ہے۔

اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍۙ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''کیا ہم نے تمہیں ایک پست و حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا۔''

فَجَعَلۡنٰهُ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍۙ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ ٹھکانے میں رکھ دیا۔''

اِلٰی قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''ایک معین دورانیے تک۔''

فَقَدَرۡنَا ٭ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے تخمینہ بنایا، ہم توکیسے اچھے تخمینہ بنانے والے ہیں۔''

وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔''

انسان کی اصلیت اور خلقت

اس آیت میں انسانوں سے پوچھا جارہا ہے کہ ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کس نے خلق کیا ہے؟ اور کس چیز سے خلق کیا گیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے کہ کیا ہم نے تمہیں ایک پست، گھٹیا اور گندے پانی کے قطرے سے خلق نہیں کیا؟ (اس کا جواب معلوم ہے سب انسان جانتے ہیں کہ انسان کی خلقت ایک گندے اور بدبودار قطرہ سے ہوئی ہے) پھر آگے بیان کیا ہے کہ ہم نے پانی کے اس قطرہ کو ایک محفوظ جگہ پر قرار دیا (یعنی اس رحم میں قرار دیا جو انتہائی محفوظ جگہ ہے جسے ہم نے ہی بنایا ہے) اس رحم میں ایک طے شدہ عرصہ کے لیے قرار دیا گیا۔ ہم نے تمہارے وجود میں آنے کے تمام حالات، حوادث اور واقعات، جن میں نطفہ کے رحم میں پہنچنا، پھر رحم کے اندر کے مراحل اور پھر پیدائش اور پیدائش سے مرنے کے وقت تک سب کا دقیق اور بہت باریک بینی سے حساب رکھا ہوا ہے اور پوری اندازہ گیری کر رکھی ہے اور اس کے لیے مرتب منصوبہ بندی کی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ ہم کس قدر عمدہ اور بہترین منصوبہ بندی کرنے والے اور حساب رکھنے والے ہیں۔ (معلوم ہے کہ ایسا دقیق حساب واندازہ کوئی اور نہیں رکھ سکتا) انسان کو اس کی خلقت کا حوالہ دے کر تنبیہ کی گئی ہے

کہ اگر اس سب کو جاننے کے باوجود بھی وہ قیامت کے دن کا انکار کرے گا تو اس پر افسوس ہے۔ ایسے جھٹلانے والوں کے لیے وائے اور پھٹکار ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ''کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والی نہیں بنایا۔''

اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ''زندوں اور مردوں کو۔''

وَّ جَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے اس میں مضبوط اونچے اونچے پہاڑ رکھ دیئے اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا۔''

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔''

اللہ کی قدرت کے لیے زمین کا حوالہ

ان آیات میں اللہ کی ''لم یزل ولایزال'' قدرت کے بیان کے لیے زمین کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس جگہ بھی استفہام انکاری کے ذریعہ ایک حقیقت کو بیان کیا گیا ہے جو سب انسانوں کے مشاہدہ میں ہے۔ اور وہ یہ کہ کیا ہم نے زمین کو ایسا قرار نہیں دیا کہ وہ سب انسانوں کو اپنے اوپر سنبھالے ہوئے ہے؟ سب کے اجتماع واکٹھ کی جگہ زمین ہے۔ مردوں کے لیے بھی اور زندوں کے لیے بھی (یہ اس صورت میں ہے کہ ''کفت'' جمع کرنے کے معنی میں ہو) اس اعتبار سے آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے زمین کو انسانوں کے جمع ہونے کی جگہ قرار دیا ہے۔

لیکن اگر "کفاتا" ظرف کے معنی میں ہو تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ زمین ایک ایسا ظرف ہے جس میں انسان زندہ ہو یا مردہ سب اس میں سما جاتے ہیں۔ یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ زمین انسانوں کے لیے قرار دی گئی ہے یہ انسانوں کی تعداد سے کم نہیں پڑتی، اس کو ایسا بنایا گیا ہے کہ سب انسانوں کو اپنے اوپر لے سکتی ہے، کوئی بھی زمین سے باہر نہیں رہ سکتا۔ پھر کچھ اور نشانیاں بیان کی گئی ہیں کہ ہم نے اس زمین پر بلند و بالا پہاڑ قرار دیئے ہیں، پانی کے دریا اور چشمے جاری کئے ہیں، بارش بادلوں سے برسائی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں پانی کی نعمت کا ذکر فرمایا ہے کہ پانی انسان کی حیات اور زمین کی ہریالی و شادابی کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین پر پہاڑوں کی میخیں لگا دی ہیں تاکہ زمین پر رہنے والوں کو استقرار ملے، وہ اس پر پرسکون زندگی گزاریں اور ان کی زندگی کے لیے پانی کا انتظام کر دیا ہے یہ سب اللہ کی ربوبیت کی دلیل ہیں اور اسی سے روز حساب اور روز فصل کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ حساب و احتساب کا دن آنا ہے، اس لیے پھر فرما دیا کہ جو اللہ کی روشن نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں ان پر وائے اور پھٹکار ہے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ﴿۲۹﴾

ترجمہ: "اس (دوزخ) کی طرف چلو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔"

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ﴿۳۰﴾

ترجمہ: "ایک سائبان کی طرف چلو جس کے تین حصے ہیں۔"

لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۭ﴿۳۱﴾

ترجمہ: "نہ وہ سایہ کرے اور نہ تپش سے بچائے۔"

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۚ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''بے شک وہ محل جیسے انگارے پھینکے گی۔''

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔''

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔''

قیامت کا انکار کرنیوالوں کے لیے اللہ کا خطاب

جب قیامت کا دن ہو گا اور سارے مجرمین حساب کے لیے موجود ہوں گے تو اللہ کا ان سے خطاب ہو گا جو دُنیا میں قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے اور دوزخ کے انکاری تھے۔ ان سے کہا جائے گا اب تم بغیر کسی انتظار کے دوزخ کی طرف چل پڑو، یہ وہی دوزخ ہے جس کا تم دُنیا میں انکار کرتے تھے، ان کی طرف آگ کا دھواں تیزی سے لپکے گا اور آگ کے شعلے بلند ہوں گے، اس قدر آگ بھڑک رہی ہو گی اور تہہ در تہہ ہو گی کہ اس سے نکلنے والا آتشیں دھواں تین حصوں میں تقسیم ہو جائے گا، اس دھوئیں میں نہ تو ٹھنڈ ہو گی اور نہ ہی دھوئیں کا سایہ ان کو آگ کی تپش سے بچا سکے گا۔ اس آگ کے شعلے بلند ہوں گے اس سے چنگاریاں اوپر اٹھ رہی ہوں گی اور ہر چنگاری پہاڑ کی مانند ہو گی اور اتنی تیزی سے اوپر اٹھ رہی ہو گی کہ جس طرح نر اونٹوں کی قطار آگے بڑھ رہی ہو گی۔ یہ بہت ہی ہولناک اور دل دہلانے والی کیفیت ہو گی جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کیفیت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ خبردار کرتا ہے، وائے ہو پھٹکار ہو ان کے لیے جو قیامت کے روز کا انکار کرتے ہیں۔

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''یہ وہ دن ہے جس میں بات بھی نہ کر سکیں گے۔''

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝٣٦

ترجمہ: ''اور نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔''

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٣٧

ترجمہ: ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔''

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝٣٨

ترجمہ: ''یہ فیصلہ کا دن ہے، ہم تمہیں اور پہلوں کو جمع کریں گے۔''

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝٣٩

ترجمہ: ''پس اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہے تو مجھ پر کر دیکھو۔''

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٤٠

ترجمہ: ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔''

روز فصل میں کافروں کی حالت

قیامت کا دن فیصلہ کا دن ہے، اس دن ہر ایک کے سامنے اس کے اعمال ہوں گے جس کی روشنی میں اس کے بارے فیصلہ دیا جائے گا۔ وہ ایسا دن ہے کہ کوئی اپنے بارے کچھ بات نہیں کر سکے گا اور کسی کو اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اپنے جرائم کے بارے معذرت پیش کرے۔ وہ دن سزا و جزا کا دن ہے، قیامت کے دن بہت سارے مواقف ہیں، مجرموں کو مختلف جگہوں پر روکا جائے گا اور ان سے سوالات ہوں گے اور بعض مقامات پر وہ سوالات کا جواب بھی دیں گے۔ لیکن مجرموں اور گناہگاروں کے بارے جو اس جگہ بتایا جا رہا ہے تو ایسا مؤقف ہوگا جہاں پر کوئی کچھ نہ بول سکے گا اور کسی کو اپنے جرائم کے بارے کچھ بتانے کی

اجازت نہیں ملے گی اور نہ ہی کوئی معذرت نامہ پیش کرنے کی اجازت لے پائے گا، وہاں پر تو بس سزا ہی سزا ہو گی! ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ دُنیا میں قیامت کے دن کا انکار کرنے والوں کے لیے اس دن پھٹکار ہو گی کیونکہ جس دن کا وہ انکار کرتے تھے اب وہ اسی دن میں حساب کا سامنا کر رہے ہوں گے۔

کافروں کا اکٹھا ہونا

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کافروں کو اکٹھا کر دے گا۔ اس جگہ ان سے حساب لیا جائے گا اور سب کافروں کا کڑا احتساب ہو گا کوئی بھی اس احتساب سے فرار نہیں کر سکے گا۔ کسی کے پاس خود کو بچانے کا کوئی چارہ نہ ہو گا اس جگہ سب بے چارے ہوں گے کسی کے پاس خود کو عذاب سے بچانے کی قدرت نہ ہو گی۔ لہٰذا ایسا دن آن پہنچا ہے کہ اس کو جھٹلانے والے پریشان ہوں گے ان کے لیے اس دن وائے، پھٹکار کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ”بے شک پرہیزگار (تقوی والے) ٹھنڈی چھاؤں اور چشموں میں ہوں گے۔“

وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ؕ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ”اور میوؤں میں جو وہ چاہیں گے۔“

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ”مزے سے کھاؤ اور پیؤ ان کاموں کے بدلے جو تم کرتے رہے۔“

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ”بے شک ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔“

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔“

بہشتیوں کے حالات

قیامت کے دن نیک لوگ خوشحال ہوں گے، بہتے چشموں کے کناروں پر موجود سایہ دار درختوں کے نیچے بیٹھے ہوں گے، پھلدار درخت ان کے اختیار میں ہوں گے وہ جس پھل کی خواہش کریں گے وہ ان کو مل جائے گا، ہر آرام و سکون ان کے لیے موجود ہوگا، انہیں خطاب آئے گا کہ جو چاہتے ہو مانگ لو، تمہاری ہر خواہش پوری کی جائے گی، کہا جائے گا کھاؤ پیو یہ سب آپ کے لیے ہے، یہ سب کچھ دُنیا میں نیک اعمال بجالانے کا ثمر ہے ہم نیکوکاروں کو اسی طرح اجر و ثواب دیتے ہیں۔ یہ منظر مجرموں کے سامنے ہوگا ان کے لیے خوف کا عالم ہوگا۔ اس دن کے حوالے سے کہا جارہا ہے کہ اس دن نیکوکاروں کو اجر و ثواب مجرموں کے سامنے دیا جائے گا، ان کے لیے خوف کا عالم ہوگا پھر ان کے حوالے سے کہا جارہا ہے کہ اس دن جس میں نیکوکاروں کو اجر و ثواب ملے گا تو اس دن مجرموں کے لیے وائے اور پھٹکار ہے۔ اس سے ان کی پریشانی میں اضافہ ہوگا، وہ افسردہ ہوں گے، راندہ درگاہ ربوبیت ہوں گے۔

كُلُوۡا وَتَمَتَّعُوۡا قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ”کھاؤ اور چند روز فائدہ اٹھاؤ بے شک تم مجرم ہو۔“

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ”اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔“

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمُ ارۡکَعُوۡا لَا یَرۡکَعُوۡنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ رکوع کرو تو رکوع نہ کرتے تھے۔''

وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔''

فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَهٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ''پس اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟''

معاد کو جھٹلانے والوں کی عاجزی کا بیان

جو لوگ معاد کے دن کا انکار کرتے ہیں، حق تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں، ان کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم دُنیا میں رہ کر کھاؤ، مزے اڑالو، دنیا کا عرصہ کم ہے، دُنیا کی نعمتیں ناپائیدار ہیں لیکن تم کیونکہ مجرم ہو، اللہ کی آیات کے انکاری ہو، تم معاد کی آسائشوں سے کچھ فائدہ حاصل نہ کر پاؤ گے، آخرکار تمہیں عذاب الٰہی کا سامنا کرنا ہوگا۔ کیونکہ مجرم کی سزا آتش جہنم ہے، ان جھٹلانے والوں کے لیے عذاب ہے، وہ اس عذاب کا مشاہدہ کریں گے۔ اس کے بعد کلام کو مخاطب سے غائب میں لے گیا اور دنیا کی نعمتوں سے بہرہ برداری سے لطف اندوزی کی بات چھوڑ کر بتایا جارہا ہے کہ ان میں یہ لیاقت نہیں ہے کہ ان کو براہ راست خطاب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ تم اللہ کی عبادت کرو، نماز بجا لاؤ اور رکوع کرو، تو انہوں نے عبادت نہ کی اور اللہ کی اطاعت کو چھوڑ دیا۔ ان منکرین اور جھٹلانے والوں کے لیے عذاب ہے۔ جب انہوں نے اللہ کی واضح و روشن نشانیوں کا انکار کر دیا اور واضح اور حتمی براہین اور روشن آیات کو نظرانداز کر دیا، یہ کس بات پر ایمان لے آئیں گے؟ یہ کلام، ان کے ایمان لانے سے مایوسی اور اس حکم کی کلی نفی کی دلیل ہے۔ پیغمبر اکرم

ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا: کہ یہ کافر ایمان لانے والے نہیں ہیں، ان کو دعوت دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ کی دعوت فقط اس لیے ہے کہ ان پر حجت تمام ہو تا کہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں پتہ نہیں تھا، ہمارے پاس پیغمبر نہیں آئے، ہمیں خبردار نہیں کیا گیا، وگرنہ ان کا رویہ ایسا ہے کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

سورۃ النبا

(مکی۔ کل آیات: 40)

سورہ کے مطالب

قیامت کے متعلق آگہی، قیامت کے دن اہل تقویٰ اور گناہگاروں اور بد بختوں ، صالحین وطالحین کے بارے بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ”کس چیز کی بابت وہ آپس میں سوال کرتے ہیں۔“

عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”اس بڑی خبر کے متعلق۔“

الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ؕ﴿۳﴾

ترجمہ: ”جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔“

کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ”ہرگز ایسا نہیں عنقریب وہ جان لیں گے۔“

ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: ”پھر ہرگز ایسا نہیں عنقریب وہ جان لیں گے۔“

قیامت کے دن مشرکین کی آپس میں گفتگو

ان آیات میں قیامت کے دن مشرکین کی آپس میں گفتگو کا تذکرہ ہوا ہے۔اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ قیامت کے دن مشرکین آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کیا ہونے والا ہے؟

۲۔ مشرکین رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے تھے کہ قیامت کے دن کیا ہونے والا ہے؟

اللہ تعالیٰ اس جگہ ان کے سوال کو بے جا قرار دے رہا ہے کہ ان کا یہ سوال اس قدر بے تکا ہو گا کہ اس کا جواب تو ان کے سامنے موجود ہو گا اور وہ اس بارے پوچھے جا رہے ہوں گے جب کہ اس سوال کی ضرورت ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی واضح کر دیا ہے کہ اس وقت بڑی خبر تو یہی ہے کہ قیامت قائم ہو چکی ہے۔ جس دن کا انتظار تھا وہ دن آگیا ہے جس کا تم مشرکین انکار کرتے تھے اور اب اپنی لاعلمی قرار دے کر سوال کرتے ہو کہ کیا خبر ہے؟ خبر تو معلوم ہے، قیامت کا دن آگیا ہے جسے تم دور سمجھتے تھے جس کے وقوع پذیر ہونے میں شک و تردد کرتے تھے وہ دن آگیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ اس بارے سوال کرنا بے جا ہے کیونکہ بہت جلد حقیقت ظاہر و آشکار ہو جائے گی۔ جب قیامت آئے گی تو وہ اس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیں گے، اس بات کو مزید تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ تم بہت جلد اسے جان لو گے جس کے بارے اب تم سوال کرتے پھر رہے ہو۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ”کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا۔“

وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ﴿۷﴾

ترجمہ: ”اور پہاڑوں کو میخیں۔“

وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا۔''

وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اور تمہاری نیند کو راحت کا باعث بنایا۔''

وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور رات کو پردہ پوش بنایا۔''

وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۠﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''اور دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا۔''

وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے تمہارے اوپر سات سخت (آسمان) بنائے۔''

وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۪ۙ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اور ایک جگمگاتا ہوا چراغ بنایا۔''

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے بادلوں سے زور کا پانی اتارا۔''

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۙ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''تاکہ ہم اس سے اناج اور گھاس اگائیں۔''

وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۭ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اور گھنے باغ اگائیں۔''

قیامت کے وجود پر دلائل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا انکار کرنے والوں پر احتجاج کیا ہے اور زمین پر اللہ کی عنایات و نعمات کا تذکرہ کیا ہے جن کا مشاہدہ ہر انسان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ ہم نے ہی تو یہ عالم محسوسات و مشاہدات بنایا ہے، زمین کا بچھونا، زمین پر رہائش و سکون و آسائش کا اہتمام، زمین کی آبادی کے لیے پانی کا انتظام دن اور رات کا نظام، سورج اور ستاروں کا خلق کرنا، ہر شئی اپنی جگہ مستحکم ہے اور اپنا کام کر رہی ہے۔ ان سارے موجودات کا ایک ہدف و مقصد ہے جسے ہر موجود انجام دے رہا ہے۔ دنیوی نظام جس میں تحول و تبدل ہے اس کے پیچھے ایک ایسا عالَم بھی ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہے بلکہ اس میں ثبات اور قرار ہے۔ اس عالَم کی بہتری یا فساد دنیوی عالم میں ہونے والے حادثات و واقعات کا اثر ہوتا ہے۔ اس عالم میں انسان کا شر و فساد دُنیا میں انجام دئے گئے شر و فساد اور خیر وصلاح کے تابع ہوگا، دنیا میں شر انجام دینے والوں کو وہاں شر ہی ملے گا اور خیر واصلاح انجام دینے والوں کو اس عالَم میں خیر وصلاح ہی ملے گی۔

دُنیاوی نظام

اللہ تعالیٰ نے استفہام انکاری کے ذریعہ دُنیاوی نظام میں جاری وساری علل واسباب اور اثرات کو ایک ایک کرکے بیان کیا ہے۔ اللہ نے ان لوگوں سے پوچھا ہے کہ ذرا ہمیں بتاؤ:

ا۔ کیا ہم نے زمین کو تمہاری سکونت کے لیے ٹھہرنے کی جگہ نہیں بنایا؟

جواب واضح ہے کہ ایسا ہی ہے اور یہ خود بخود نہیں ہوا اور نہ ہی اسے انسان نے بنایا ہے بلکہ اس کی خلقت سے پہلے سے زمین موجود ہے اور مشرکین کا اعتراف تھا کہ ان سب کا خالق اللہ ہے۔

۲۔ کیا ہم نے زمین میں پہاڑوں کی مضبوط میخیں نہیں گاڑھ دیں، تاکہ زمین میں ٹھہراؤ آئے۔ اس میں لرزش اور ایسی حرکت نہ ہو کہ انسان اس پر سکونت اختیار نہ کر سکے۔ ظاہر ہے یہ انتظام بھی اللہ نے ہی کیا ہے کیونکہ زمین متحرک ہے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ذریعہ اس میں ٹھہراؤ پیدا کر دیا ہے۔ زمین حرکت کی حالت میں بھی اپنے اوپر رہنے والوں کو استقرار اور سکون فراہم کرتی ہے اور یہ سب اللہ کی جانب سے ہے۔

۳۔ ہم نے تمہیں جوڑا بنایا، نر و مادہ بنایا تاکہ توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہے اور انسان کی نسل بڑھتی رہے۔ کس نے ایسا بنایا ہے آیا خود بخود ایسا ہوا ہے؟ ایسا نہیں ہے یہ بھی اللہ نے بنایا ہے۔ ایسا خود بخود نہیں ہوا ہے۔

۴۔ نیند کو سکون کا وسیلہ بنایا، نیند کی کیفیت انسان پر طاری کی گئی ہے تاکہ کام کاج کی تھکان کے بعد وہ آرام و سکون حاصل کر سکے اور پھر نئی قوت و ہمت کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھ سکے اور زندگی کا لطف اٹھائے۔ یہ بھی اللہ ہی نے کیا ہے، خود بخود نہیں ہوا۔

۵۔ روشن دن کے بعد سیاہ رات قرار دی ہے، رات انسانوں کے لیے ستر اور پردہ پوشی کے مانند ہے، جو تمام دیکھنے والوں کو اپنی تاریکی میں ڈھانپ لیتی ہے، ہر شئی پر پردہ پڑ جاتا ہے، اسے بھی اللہ تعالیٰ نے قرار دیا ہے، خود بخود نہیں ہوا۔

۶۔ دن کو روشن قرار دیا ہے اور اس کو معیشت و روزگار کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے، دن میں ہر شئی سے پردہ ہٹ جاتا ہے تاکہ انسان اللہ کے فضل سے روزی حاصل کر سکے۔ اسے بھی اللہ ہی نے قرار دیا ہے۔

۷۔ اوپر سات آسمانوں کا شامیانہ تان دیا ہے۔ یہ سخت قسم کے سیارے ہیں، ایک کے اوپر دوسرا، ان میں استحکام ہے، سات آسمان سے مراد سات سیارے ہیں، انہیں بھی اللہ ہی نے قرار دیا ہے، خود بخود ایسا نہیں ہوا ہے، یہ بھی اسی نظام کا حصہ ہے۔

۸۔ان سات میں ایک تیز روشنی دینے والا سورج ہے جس میں تیز روشنی اور گرمی ہے، یہ حیات آفرین ہے اس کے ذریعہ حیات کے وسائل قرار دیئے ہیں۔

۹۔ایک دوسرے پر جمع شدہ بادلوں سے بارش کا پانی برسایا اور زمین پر پانی کا نظام بنایا۔اس پانی کو ہم نے خلق کیا ہے جس سے زمین کی آبادی ہوتی ہے یہ خود بخود نہیں ہوا بلکہ یہ بھی اللہ نے ایسا بنایا ہے۔ پانی سے نباتات اُگتے ہیں، اس سے جانداروں کی حیات ہے اور گھنے درختوں کے باغات قرار دیئے ہیں، یہ سب اللہ کی جانب سے ہے۔ یہ ہے وہ نظام ہستی جسے اللہ نے قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا محکم و مضبوط نظام بغیر کسی مقصد و ہدف کے ہو۔

اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ کَانَ مِیۡقَاتًا ۙ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”بے شک فیصلہ کا دن معین ہو چکا ہے۔“

یَّوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ﴿ۙ۱۸﴾

ترجمہ: ”جس دن صور میں پھونکا جائے گا پھر تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے۔“

وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتۡ اَبۡوَابًا ﴿ۙ۱۹﴾

ترجمہ: ”اور آسمان کھولا جائے گا تو (اس میں) دروازے ہو جائیں گے۔“

وَّ سُیِّرَتِ الۡجِبَالُ فَکَانَتۡ سَرَابًا ﴿ؕ۲۰﴾

ترجمہ: ”اور پہاڑ اڑائے جائیں گے تو ریت ہو جائیں گے۔“

فیصلے کا دن

قیامت، فیصلے کا دن ہے۔اس میں حق و باطل کی بنیاد پر فیصلہ دیا جائے گا۔ خیر و شر کی بنیاد پر جزا و سزا ملے گی۔ اس دن نے آنا ہے اور یہ ضرور ہو گا اس کا وقت مقرر ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔ قیامت کا دن صور پھونکنے سے وقوع پذیر ہو گا۔ صور میں پھونک مار دیئے جانے کے بعد سارے مردے قبروں سے نکل آئیں گے اور سب میدان محشر کی جانب دوڑتے چلے آئیں گے۔

ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جانا

قیامت کے دن ہر گروہ کو اس کے امام و پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا۔ آسمانی دروازے کھول دیئے جائیں گے ، عالم انسان فرشتوں کے عالَم کے ساتھ متصل ہو جائے گا۔ آسمان کے کھولے گئے دروازے مختلف ہوں گے، ہر دروازہ ایک گروہ کے لیے ہو گا۔ کہا گیا ہے کہ تم سب فوج فوج اور گروہ گروہ آؤ گے۔ وہ ایسا دن ہو گا کہ جس دن پہاڑ حرکت کریں گے۔ ان کی ظاہری حالت بدل جائے گی، زلزلہ آئے گا، پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ریت کے ڈھیر بن جائیں گے، اس طرح کہ وہ خیالی نظر آئیں گے گویا پہاڑ نہیں بلکہ سراب ہوں گے اور دھنی ہوئی روئی بن جائیں گے جیسا کہ آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ قیامت کے ہولناک مناظر مشرکین کو تنبیہ کرنے کے لیے بیان کئے گئے ہیں تاکہ اس کے ذریعے انکار کرنے والوں کو خبردار کر کے انہیں اس دن کا خوف دلایا جائے، تاکہ یہ اسی دُنیا میں اپنی حالت بدل لیں کیونکہ قیامت کے دن فساد پھیلانے والے اور اصلاح کرنے والے ایک جیسے نہیں ہوں گے۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾

ترجمہ: ”بے شک دوزخ گھات میں لگی ہے۔“

لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ”سرکشوں کے لیے ٹھکانہ ہے۔“

لّٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا ۚ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”کہ وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔“

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ۙ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”نہ وہاں کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا۔“

اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا ۙ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ”مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔“

جَزَآءً وِّفَاقًا ؕ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”پورا پورا بدلہ ملے گا۔“

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا ۙ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ”بے شک وہ حساب کی امید نہ رکھتے تھے۔“

وَّ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا ؕ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ”اور ہماری آیات کو بہت جھٹلایا کرتے تھے۔“

وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا ۙ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے ہر چیز کو کتاب میں شمار کر رکھا ہے۔“

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۧ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ”پس مزہ چکھو سو ہم تمہارے لیے عذاب ہی زیادہ کرتے رہیں گے۔“

جہنم کے بارے بیان

ان آیات میں مجرموں کے ابدی ٹھکانے کی بات کی گئی ہے کہ جہنم مجرموں کو اپنے بھڑکتے شعلوں میں لینے کے لیے تیار اور آمادہ ہے۔ سارے مجرموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور جہنم مجرموں کی تاک میں ہے، وہ لوگ جو اللہ کی بندگی سے نکل گئے اور باغی ہوئے، جنہوں نے ہماری کھلی اور واضح نشانیوں کو جھٹلایا، مشاہدات و محسوسات کا انکار کیا، قیامت کے دن کا انکار کرتے رہے، ہمارا شریک ٹھہراتے رہے، ہمارے رسولوں کو جھٹلاتے رہے تو ان سب کے لیے دوزخ موجود ہے۔ دوزخ میں انہیں ان کے اعمال کے مطابق عذاب دیا جائے گا جو انہوں نے دُنیا میں انجام دیئے ہوں گے اور انہیں جبراً دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ وہاں پر ان کے لیے گندی اور سخت گرم غذا ہو گی اور پیاس بجھانے کے لیے کھولتا ہوا گرم پانی ہو گا۔ انہیں دوزخ میں سوائے گرمی کے اور کچھ نہ ملے گا، وہاں نہ ٹھنڈ ملے گی اور نہ ہی پانی نصیب ہو گا۔ ان سے کہا جائے گا یہ سب کچھ تمہارے جرائم کا بدلہ ہے جو تم نے دُنیا میں انجام دیئے ہیں۔ اب اپنی بدکاریوں، بداعمالیوں اور اپنی خیانت کاریوں کا مزہ چکھو۔ اس عذاب میں تم نے لمبی مدت رہنا ہے، تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ تمہارے لیے عذاب پر عذاب ہے، اس عذاب میں تخفیف نہ ہو گی بلکہ اضافہ ہو گا، یہ عذاب مسلسل رہے گا، اس میں کوئی وقفہ نہ آئے گا۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۙ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ”بے شک پرہیزگاروں کے لیے کامیابی ہے۔“

حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ۙ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ”باغ اور انگور۔“

وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ”اور نوجوان ہم عمر عورتیں۔“

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ”اور پیالے چھلکتے ہوئے۔“

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ”نہ وہاں بیہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھوٹ۔“

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ”آپ کے رب کی طرف سے حسب اعمال بدلہ عطا ہوگا۔“

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ”جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (اور) بڑا مہربان (ہے)، وہ اس سے بات نہیں کر سکیں گے۔“

اہل تقویٰ اور نیکوکاروں کا مقام و ٹھکانہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ مجرموں کے مقابلے میں جو کچھ نیکو کاروں، عبادت گذاروں، اللہ کی اطاعت کرنے والوں، اللہ کی آیات کی تصدیق کرنے والوں اور اہل تقویٰ کو عطا کرے گا اس کا تذکرہ کیا ہے۔

1. پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل تقویٰ کے لیے کامیابی اور سرخروئی ہے۔
2. دوسری بات اہل تقویٰ وہاں پر سکون اور آرام میں ہوں گے۔
3. اہل تقویٰ کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔
4. اہل خیر گھنے باغات میں ہوں گے جہاں پر قسم قسم کے میوے لٹک رہے ہوں گے، جو بہت ہی مسرت اور دلکشی کا سبب ہوں گے۔
5. ان کی خدمت کے لیے بڑی خوبصورت اور حسین و جمیل خوبرو لڑکیاں موجود رہیں گی جو ایک دوسرے کی مشابہ ہوں گی اور اہل تقویٰ کو خوش کرنے کے لیے ان کے آگے پیچھے موجود ہوں گی، ایسا لگے گا جیسے وہ بکھرے ہوئے دلکش موتیوں کے درمیان موجود ہیں۔
6. ان کے لیے پاک و پاکیزہ، خوشبودار اور دلکش شراب کے چھلکتے جام پیاس بجھانے کے لیے موجود ہوں گے۔
7. وہاں پر دعا و سلام ہو گا، فضولیات نہ ہوں گی، نہ جھوٹ ہو گا نہ بے ہودہ گفتگو۔ ہر طرح کا آرام وسکون وآرائش وآسائش کا سامان موجود ہو گا۔

یہ سب صالحین ونیک بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ حساب کرکے رکھا ہے۔ اللہ زمین وآسمانوں اور جو کچھ زمین اور آسمانوں کے درمیان ہے ان سب کا مالک ہے، سب کی تدبیر اسی کے پاس ہے، وہ بہت ہی باعظمت، رحمٰن اور مہربان ہے۔ بندوں پر اس کی رحمت کی باران ہو رہی ہو گی لیکن اس کی عظمت وجلالت اور کبریائی کا اثر ہو گا کہ کوئی بھی اللہ سے بات نہ کر سکے گا۔ سب اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ والحمد للہ کی تسبیح کر رہے ہوں گے۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''جس دن جبرائیل اور سب فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے، کوئی نہیں بولے گا مگر وہ جس کو رحمان اجازت دے گا اور وہ بات ٹھیک کہے گا۔''

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''یہ یقینی دن ہے پس جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنالے۔''

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''بے شک ہم نے تمہیں ایک عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے، جس دن آدمی دیکھے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا اور کافر کہے گا اے کاش میں مٹی ہو گیا ہوتا۔''

رُوح اور فرشتوں کے بارے بیان

قیامت کے دن انسان تو اپنے اعمال کی روشنی میں جزا اور سزا کے مراحل سے گزر رہے ہوں گے جبکہ رُوح جو کہ اللہ کی بڑی مخلوق ہے اور دوسرے تمام فرشتے بڑی ترتیب سے صف بستہ موجود ہوں گے، سب ہی خاموشی واحترام کی حالت میں کھڑے ہوں گے۔ اس دن صرف وہی بات کرسکے گا جس کو اللہ کی طرف سے بولنے کی اجازت ملے گی جن کی بات حقیقت پر مبنی ہو گی۔ کوئی بے ہودہ یا لغو بات نہ ہو گی۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن کچھ فرشتوں یا اللہ کی بڑی مخلوق روح کو بات کرنے کی اجازت ملے گی لیکن یہ نہیں بتایا

گیا کہ وہ کیا بات کریں گے، اللہ نے صرف اتنا بتا دیا ہے کہ جو وہ بولیں گے وہ حقیقت پر مبنی اور سچ ہو گا۔

قیامت کے دن بارے

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے اور اس نے ہر صورت بپا ہونا ہے اور اس میں کسی قسم کے شک و تردید کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ فیصلے کا دن ہے، مجرموں اور اطاعت گزاروں کو الگ کرنے کا دن ہے اور تمام انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دینے کا دن ہے۔ لہٰذا ہر ایک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ دنیا میں رہ کر اپنے رب کے پاس اپنی جگہ بنا لے اور کامیابی حاصل کر لے اور یہ کامیابی نیک اعمال، اللہ کی آیات کی تصدیق اور اللہ کی ربوبیت کو قبول کرنے سے ہی حاصل ہو گی۔

کافروں کی حالت کا بیان

متقیوں کے تذکرہ کے بعد کافروں کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے تو دُنیا میں کافروں کو بتا دیا تھا کہ عذاب کا دن قریب ہے، قیامت کا دن برحق ہے۔ لیکن ان کافروں نے انکار کیا اور اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ وہ پوچھتے تھے کہ یہ دن کب آئے گا؟ انہیں اسی وقت بتا دیا تھا کہ یہ دن عنقریب آنے والا ہے۔ جب قیامت کا دن آجائے گا اور سب کو اپنے جرائم نظر آرہے ہوں گے تو اس وقت ان کی پریشانی دیدنی ہو گی۔ اس دن ہر شخص اپنے ان اعمال کے بدلے کا منتظر ہو گا جنہیں وہ دُنیا میں انجام دے چکا ہے۔ جب کافروں کو ان کے جرائم کی سزا نظر آئے گی اور انہیں دوزخ کے بھڑکتے شعلے اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے آگے بڑھ رہے ہوں گے تو اس وقت ان کی آواز آرہی ہو گی کاش ہم خاک ہوتے، انسان ہی نہ ہوتے اور اس طرح آج ہمیں آگ کا ایندھن نہ بننا پڑتا۔ (بعض روایات میں آیا ہے کہ ''اے کاش ہم خاک ہوتے'' ان کے بارے ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے وصی حضرت علی علیہ السلام کے

خلاف علم بغاوت بلند کیا اور کیونکہ آپؑ کو ابوتراب کہا جاتا تھا تو یہ کہیں گے کہ کاش ہم ترابی ہوتے، علی علیہ السلام کی مخالفت نہ کی ہوتی اور آج اس سزا کے مستحق نہ ٹھہرتے)۔

سورۃ النازعات

(مکی۔ کل آیات: 46)

سورہ کے مطالب

قبروں سے اُٹھائے جانے اور قیامت کے دن احتساب کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ النّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: "جوڑوں میں گھس کر (سختی سے جان) نکالنے والوں کی قسم ہے۔"

وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: "اور بند کھولنے والوں کی۔"

وَّ السّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: "اور تیزی سے تیرنے والوں کی۔"

فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: "پھر دوڑ کر آگے بڑھ جانے والوں کی۔"

فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾

ترجمہ: "پھر ہر امر کی تدبیر کرنے والوں کی۔"

عالم کی تدبیر کا بیان

ان آیات میں عالَم کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کی قسم اٹھائی گئی ہے اور فرشتوں کی مختلف ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے۔ فرشتے اللہ کے اوامر کو انجام دیتے ہیں۔ اللہ کی مخلوقات پر جاری ہونے والے اللہ کے احکام کا واسطہ ہیں۔ یہ فرشتے بغیر چوں وچرا کے ان ذمہ داریوں

کو پورا کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان آیات میں اللہ کے اوامر کے آنے سے لے کر ان ذمہ داریوں اور ماموریت کے اختتام تک اور تدبیر عالم کی پوری کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ ان فرشتوں کی قسم جو پوری طاقت سے اللہ کے اوامر وصول کرتے ہیں اور اپنے مطلوبہ مقاصد کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور بڑی تیزی سے اپنی ذمہ داری انجام دینے کے لے بڑھتے ہیں گویا ایک دوسرے پر سبقت لے رہے ہوں۔ وہ تدبیر کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے انجام دیتے ہیں اور ماموریت کو ظہور بخشتے ہیں۔ وہ عالم میں اپنا کام ایسے انجام دیتے ہیں جیسے پانی پر تیر رہے ہوں۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾

ترجمہ: ''جس دن کانپنے والی کانپے گی۔''

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾

ترجمہ: ''اس کے پیچھے آنے والی پیچھے آئے گی۔''

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ﴿٨﴾

ترجمہ: ''کئی دل اس دن دھڑک رہے ہوں گے۔''

أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾

ترجمہ: ''ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔''

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾

ترجمہ: ''وہ کہتے ہیں کیا ہم پہلی حالت میں لوٹائے جائیں گے۔''

أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾

ترجمہ: ”کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔“

قَالُوْا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”کہتے ہیں کہ یہ تو اس وقت خسارہ کا لوٹنا ہوگا۔“

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”پھر وہ واقعہ صرف ایک ہی ہیبت ناک آواز ہے۔“

فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”پس وہ اسی وقت میدان میں آ موجود ہوں گے۔“

قیامت کے اوصاف

ان آیات میں قسمیں بیان ہوئی ہیں لیکن ان قسموں کے جواب کو ذکر نہیں کیا گیا۔ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ قسموں کا جواب قیامت ہے۔ اللہ اتنی ساری قسمیں یاد کرنے کے بعد فرما رہا ہے کہ تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ قیامت کا دن ہر صورت میں وقوع پذیر ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قیامت کے اوصاف بیان کئے ہیں:۔

۱۔ اس دن بہت ہی خوفناک دھماکے کی آواز آئے گی جس سے ہر شئی میں زلزلہ بپا ہو جائے گا۔

۲۔ پہلی زوردار آواز کے بعد دوبارہ آواز آئے گی جسے نفخہ دوم کا نام دیا گیا ہے۔ پہلی زوردار آواز یا صور اول اور صیحہ اولیٰ سے تمام جاندار مر جائیں گے۔ اسے ”راجفہ“ کہا گیا ہے اور اس کے بعد دوسری آواز آئے گی جسے ”رادفہ“ کہا گیا ہے اس کے نتیجہ میں تمام مردے زندہ ہو جائیں گے اور قبروں سے باہر نکل آئیں گے۔

۳۔ اس دن کچھ کے دل مضطرب اور پریشان ہوں گے۔ پریشان دلوں کی نظریں دھنسی ہوں گی اور شرم کے مارے نگاہیں نہ اٹھا سکیں گے اور وہ نیچے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے یعنی ان کی آنکھوں سے خضوع و خشوع اور عاجزی نمایاں ہو گی۔

۴۔ یہ لوگ دُنیا میں کہا کرتے تھے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو کیا ہم پہلی صورت میں دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ ''حاضرہ'' سے مراد پہلی حالت، ہر چیز کی ابتداء۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے دل مضطرب و پریشان ہوں گے جو دُنیا میں قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے اور مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو رد کرتے تھے۔ اب جب وہ دوبارہ زندہ ہو چکے ہوں گے تو شرمندہ ہوں گے اور اپنے کئے پر نادم ہوں گے اور ان کے دل مضطرب و پریشان ہوں گے کہ اب ان کو اپنے برے اعمال کی سزا ملنے جا رہی ہے۔

۵۔ قیامت کے دن کی واپسی منکرین قیامت کے نقصان میں ہو گی، یہ بہت بڑی جسارت ہے جس کا انہیں قیامت کے دن سامنا کرنا پڑے گا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ان منکرین کے بارے میں فرماتا ہے: قیامت کے دن تمام مردوں کا دوبارہ اپنی اصل حالت میں اٹھایا جانا حتمی اور یقینی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا کرنا بالکل مشکل نہیں ہے۔ یہ فقط ایک چیخ اور زوردار دھماکہ سے واقع ہو جائے گا اور جیسے ہی دوسرا صور پھونکا جائے گا سب مردے اپنی قبروں سے نکل آئیں گے، سب زمین پر آکھڑے ہوں گے۔ جس پر نہ پانی ہو گا نہ سبزہ، ویران اور صاف ہو گی، جبکہ اس سے پہلے وہ سب مردہ حالت میں قبروں میں موجود تھے۔ قیامت کا دن بہت ہی خوفناک اور اچانک وقوع پذیر ہو گا۔

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ مُوسٰى ﴿١٥﴾

ترجمہ: ''کیا آپ کو موسیٰ کا حال معلوم ہوا ہے۔''

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾

ترجمہ: ''جب کہ مقدس وادی طویٰ میں اس کے رب نے اسے پکارا۔''

اِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ''فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ اس نے سرکشی کی ہے۔''

فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ''پس کہو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو۔''

وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''اور میں تجھے تیرے رب کی طرف راہ بتاتا ہوں کہ تم خوف کھاؤ۔''

فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ''پس اس نے اس کو بڑی نشانی دکھائی۔''

فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ''تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔''

ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ''پھر کوشش کرتا ہوا واپس لوٹا۔''

فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ''پھر اس نے سب کو جمع کیا پھر پکارا۔''

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾

ترجمہ: ''پھر کہا کہ میں تمہارا سب سے برتر رب ہوں۔''

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ''پھر اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔''

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ''بے شک اس میں اس کے لیے عبرت ہے جو ڈرتا ہے۔''

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ''کیا تمہارا بنانا بڑی بات ہے یا آسمان کا جس کو ہم نے بنایا ہے۔''

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾

ترجمہ: ''اس کی چھت بلند کی پھر اس کو سنوارا۔''

وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ''اور اس کی رات اندھیری کی اور اس کے دن کو روشن کیا۔''

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾

ترجمہ: ''اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا۔''

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾

ترجمہ: ''اس سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا۔''

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اور پہاڑوں کو خوب جما دیا۔''

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''تمہارے لیے اور تمہارے چار پایوں کے لیے سامان حیات ہے۔''

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''پس جب وہ بڑا حادثہ آئے گا۔''

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''جس دن انسان اپنے کیے کو یاد کرے گا۔''

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''اور ہر دیکھنے والے کے لیے دوزخ سامنے لائی جائے گی۔''

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''سو جس نے سرکشی کی۔''

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔''

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''سو بے شک اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے۔''

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''اور لیکن جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا۔''

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''سو بے شک اس کا ٹھکانا بہشت ہی ہے۔''

جنتی افراد کا بیان

ان آیات میں انسانوں کے دوسرے گروہ کا ذکر ہوا ہے جو جنت میں جائے گا۔ سرکش اور اللہ کی ربوبیت کا انکار کرنے والے اور اللہ کے مقام کی حیثیت نہ رکھنے والوں کے مقابلے میں ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ اللہ کی ربوبیت کو تسلیم کرتے ہیں اللہ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ کے مقام الوھیت اور مقام ربوبیت، مقام خالصیت و مالکیت کے معترف ہیں اور اس وجہ سے یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور انہیں ہمیشہ اس بات کا خوف رہتا ہے کہ کہیں اللہ کی شان ربوبیت میں گستاخی نہ کر بیٹھیں اور اللہ کی اطاعت میں کوتاہی نہ کر بیٹھیں کیونکہ علم، قدرت، غلبہ، رحمت اور غضب، اللہ کے لیے ہے۔ اطاعت کرنے والوں کے لیے رحمت ہے اور معصیت کاروں کے لیے اللہ کا غضب ہے۔ اسی خوف اور ڈر کی وجہ سے یہ گروہ اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھتے ہیں۔ نفسانی خواہشات کو لگام دیتے ہیں اور تمام حرکات و سکنات میں اپنے نفس کو اللہ کے احکام کی پیروی و اطاعت کا پابند بناتے ہیں۔ اس کا نتیجہ انہیں جنت الفردوس کی صورت میں ملے گا۔ ان کی منزل جاودانی ہو گی، جہاں پر ان کے لیے سکون و آرام ہو گا۔ اللہ وسیع مغفرت کا مالک ہے وہ چھوٹی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے اور اللہ اپنی رحمت واسعہ کے تحت انہیں جنت الفردوس دے گا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ”آپ سے قیامت کی بابت پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہوگا؟“

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ”آپ کو اس کے ذکر سے کیا واسطہ؟“

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ”اس کے علم کی انتہا آپ کے رب ہی کی طرف ہے۔“

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”بے شک آپ تو صرف اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے۔“

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ”جس دن اسے دیکھ لیں گے (تو یہی سمجھیں گے کہ دنیا میں) گویا ہم ایک شام یا اس کی صبح تک ٹھہرے تھے۔“

قیامت کے وقت کے متعلق سوال

کفار رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال پوچھتے تھے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے اپنے رسول سے فرمایا کہ: اے میرے رسول آپ جو قیامت کا بہت ذکر کرتے ہیں تو اس یادآوری سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ رسولؐ اللہ قیامت کے بہت زیادہ ذکر کرنے سے اس کے وقوع پذیر ہونے کا وقت معلوم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس جگہ استفہام انکاری کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتا ہے: اے میرے رسول قیامت کے دن کا علم آپ کو بھی نہیں ہو سکتا، یہ صرف اس وقت معلوم ہوگا جب وہ دن آن پہنچے گا۔ اس سے پہلے تو قیامت کی حقیقت

اور اس کی خصوصیات کو کوئی نہیں جان سکتا، اس کا تعلق تو مشاہدہ سے ہے اور قیامت کا مشاہدہ فقط قیامت کے دن ہی ہو گا اور اس کی انتہا کا علم صرف تیرے رب کے پاس ہے۔ قیامت کی حقیقت اور اس کی خصوصیات کا علم بھی تیرے رب کے پاس ہے۔ اس آیت میں یہ بھی بیان کیا جا رہا ہے کہ قیامت کا دن اس وقت تک واقع نہیں ہو گا جب تک سب کچھ فنا نہ ہو جائے اور تمام اسباب ختم نہ ہو جائیں۔ لہٰذا کسی بھی فرضیہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا جو حقیقت کے طور پر اللہ اور قیامت کے واقع ہونے کے درمیان واسطہ بن سکے کیونکہ جب قیامت ہو گی تو تمام واسطے ختم ہوں گے، وہاں تو کسی واسطہ کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے رسول! آپ کا کام ان کو قیامت کے دن کے متعلق بتانا نہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ بلکہ آپ کا کام ان کو اِنذار کرنا اور انہیں قیامت کے دن ان کی نافرمانیوں کے عوض جو عذاب تیار کیا گیا ہے، اس سے ڈرانا ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کریں گے تو بڑا سخت عذاب ان کے لیے تیار ہے۔ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت کا دن اس قدر قریب ہے کہ جب قیامت واقع ہو گی تو اس وقت اسے دیکھ کر یہی کہا جائے گا کہ ہم ایک صبح پہلے یا ایک رات پہلے دُنیا میں تھے اور اب قیامت میں موجود ہیں۔ موت اور قیامت کے واقع ہونے کے عرصہ کا فاصلہ ایک صبح یا ایک رات جتنا ہے یا اس سے یہ مراد ہے کہ قیامت کے مقابلے میں انسان کی دنیوی زندگی ایک دن یا ایک رات سے زیادہ نہیں؛ پھر قیامت ہے اور حساب دینا ہے۔ قیامت کی یاد، انسان کے نفس کو ایسی حالت میں لا کھڑی کرتی ہے کہ وہ تمام مادی دُنیا، اس کے رزق اور جو کچھ اس میں ہے، اسے حقیر و معمولی سمجھتا ہے۔ لہٰذا ہمیشہ قیامت کو یاد رکھنا چاہیے۔

پیغام: قیامت کا ہونا یقینی ہے اور اس کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔ قیامت کے دن ہر ایک کا احتساب ہونا ہے۔ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہو گا۔ اِس کا عمل ہی اس کے بارے فیصلہ دے گا کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی؟ قیامت نے اچانک آ جانا ہے۔ جب ایسا ہے تو پھر ہر انسان کو

بالخصوص صاحبِ ایمان کو اپنے بارے میں سوچنا ہوگا اور وہ اعمال بجالانے ہوں گے جن کی وجہ سے وہ عذاب سے بچ جائے اور جنت الفردوس کا راہی ہو اور اللہ کا تفصل اسکے شامل حال ہو۔

سورۃ عبس

(مکی۔ کل آیات: 42)

سورہ کے مطالب

دولت کے بل بوتے پر مالی طور پر کمزور افراد کی توہین، دولت کی وجہ سے دُنیاداروں کا احترام اور نیکوکاروں کی تذلیل کرنے والوں کی مذمت۔ انسان کی خلقت کی طرف اشارہ اور عظمت الٰہی کے سامنے انسان کی پستی، قیامت کا خوف دلانا اور آخرت کے عذاب کے متعلق انذار اور خبردار کرنا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''وہ شخص چیں بجبیں (ناخوش) ہوئے اور منہ موڑ لیا۔''

اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ؕ﴿۲﴾

ترجمہ: ''کہ ان کے پاس ایک اندھا آیا۔''

وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰۤی ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ پاک ہو جائے۔''

اَوۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَہُ الذِّکۡرٰی ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: ''یا وہ نصیحت پکڑلے تو اس کو نصیحت نفع دے۔''

نابینا شخص کا واقعہ

ظاہری واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ بنی اُمیہ کا ایک امیر آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ ابن مکتوم نامی نابینا شخص آپؑ کے پاس آیا اور اس کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا۔ امیر آدمی نے اس کے آنے اور اس کے قریب بیٹھنے سے برا محسوس کیا اور بے آرام اور ترش رو

ہو گیا، منہ بنا لیا اور اس سے منہ پھیر لیا۔ اس آیت میں اس کو سخت ڈانٹ پلائی گئی ہے کہ وہ شخص (وہ امیر آدمی) اس نابینا کے آنے سے بے آرام ہوا، اس نے منہ موڑ لیا اور ترش رو ہوا جبکہ اس کو خبر نہیں کہ وہ نابینا تو نیک آدمی تھا؟ اس مومن نے نیک اعمال بجالا کے خود کو پاک و پاکیزہ کر لیا تھا۔ اس امیر نے یہ نہیں سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ ایمان اور عمل کے لحاظ سے اس سے زیادہ نیک و پارسا ہو اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اس لیے آیا ہو کہ کچھ باتیں سنے اور ان باتوں سے تذکر حاصل کرے اور ایمان لے آئے اور خود کو نیک بنائے اور کامیاب ہو جائے۔

پیغام: کسی شخص کو غریب و مسکین ہونے کی وجہ سے کمتر مت جانو۔ مال و دولت برتری کا معیار نہیں بلکہ تقویٰ برتری کا معیار ہے۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵

ترجمہ: ''لیکن وہ جو پروا نہیں کرتا۔''

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶

ترجمہ: ''سو آپ اس کے لیے توجہ کرتے ہیں۔''

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷

ترجمہ: ''حالانکہ آپ پر اس کے نہ سدھرنے کا کوئی الزام نہیں۔''

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸

ترجمہ: ''اور لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔''

وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹

ترجمہ: ''اور وہ ڈر رہا ہے۔''

فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''تو آپ اس سے بے پروائی کرتے ہیں۔''

بے توجہی اور بے رُخی کا معیار

جس طرح اس واقعہ میں اس امیر شخص نے اس نابینا سے بے رُخی برتی اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مالدار لوگ اپنی دولت و ملک کو بنیاد بنا کر خود کو دوسروں پر مسلط کرتے ہیں۔ ان پر اپنی بڑائی جتلاتے ہیں، دوسروں کو کمتر خیال کرتے ہیں۔ جب ایک امیر آدمی کے پاس دوسرا امیر آدمی آجائے تو وہ اس کا احترام کرتا ہے، اسے حیثیت و مقام دیتا ہے لیکن اگر ایک غریب آدمی آجائے تو اس سے بے توجہی کرتا ہے حالانکہ جس طرح امیر و مالدار افراد، رسول اللہؐ کی دعوت اور ان کی گفتگو کو سن رہے ہوتے ہیں اسی طرح ایک غریب و مالی طور پر کمزور شخص بھی رسول اللہؐ کے مواعظ حسنہ کو سن رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ ان باتوں کو سن کر ایمان لے آئے تو اس سے تیرا نقصان نہیں ہو گا اور اگر وہ ایمان نہیں لاتا تو بھی اس کے متعلق تجھ سے کچھ بازپرس نہیں ہو گی۔ یہ ایسا شخص ہے جو اس سے پہلے اپنی مرضی سے ایمان لانے والوں سے غفلت برتتا ہے اور اسے نظر انداز کرتا ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان سے بے توجہی کرتا ہے۔ جبکہ جو شخص تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ و نصائح کو سنے اور خود کو نیک بنائے اس سے بے رخی کرتا ہے۔ تم اللہ سے ڈرو، اس کے معاملہ کی فکر مت کرو، اپنے کو دوسرے کے کام میں مت ڈالو بلکہ اپنی فکر کرو۔

پیغام: دوسروں کے کام میں بے جا مداخلت کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہر شخص کو اپنے بارے فکر کرنا چاہیے کہ وہ خود کس حالت میں ہے۔

كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذۡكِرَةٌ ۚ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ” ایسا نہیں چاہیے بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے۔“

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”پس جو چاہے اس کو یاد کرے۔“

فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”وہ عزت والے صحیفوں میں ہے۔“

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”جو بلند مرتبہ اور پاک ہیں۔“

بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ”ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں۔“

قرآنی آیات کی توصیف

کسی کو پست خیال کرنا درست نہیں۔ قرآنی آیات تذکرہ ہیں، جو بھی چاہے وہ قرآن سے سمجھ سکتا ہے اور ان آیات سے فائدہ لے سکتا ہے انسان کے پاس یہ اختیار ہے۔ قرآن میں تو معارف ہیں، علوم ہیں، مواعظ اور اعمال صالح کا بیان ہے، قرآن لوگوں کو اس بات کی راہنمائی دیتا ہے کہ انسان اپنی فطرت کی طرف پلٹ جائے۔ یہ صحیح عقائد اور نیک اعمال فطرت کی لوح میں درج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی دعوت اور وعظ و نصیحت میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔ اسے قبول کر لینے کا فائدہ خود انسان ہی کو ملتا ہے۔

قرآن کا نور

قرآن کے بارے بیان کہا گیا ہے کہ اسے ان صحیفوں اور کتابوں میں لکھا گیا ہے جو اللہ کے ہاں عظمت اور شان والے ہیں۔ اس میں باطل اور بے ہودہ باتیں نہیں ہیں۔ تضاد بھی نہیں اور شک و تردید پر مبنی مطالب بھی موجود نہیں ہیں۔ قرآن پاکیزہ، مطہر اور باکرامت ہے۔ ان کتابچوں کو اللہ کے پاک و پاکیزہ، نیک و صالح اور باعزت اور باوقار فرشتوں نے لکھا ہے۔ ان صحیفوں سے لوح محفوظ مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد خاص فرشتے ہیں جو قرآن کی آیات تحریر کرنے پر مامور تھے اور قرآنی آیات کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لانا ان کی ذمہ داری ہے۔ یہ فرشتے ذاتی طور پر محترم و مکرم اور بڑی عظمت والے اور عمل میں نیکوکار ہیں۔ ان فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے معاون ومددگار ہیں جو وحی پہنچانے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مدد کرتے ہیں۔

پیغام: قرآن باعظمت آسمانی کتاب ہے، قرآن آسمانوں میں پاک و پاکیزہ، باعظمت فرشتوں کے ذریعہ تحریر کیا گیا اور پھر اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا ہے۔ قرآن میں وعظ ونصیحت اور تذکر و یاددہانی ہے۔ قرآن کریم انسان کو لوح فطرت میں موجود صحیح عقائد اور نیک اعمال کی جانب متوجہ کراتا ہے۔

كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ”جو بڑے بزرگ نیکوکار ہیں۔“

قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ”انسان پر خدا کی مار وہ کیسا ناشکرا ہے۔“

مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ”اس نے کس چیز سے اس کو بنایا۔“

مِنۡ نُّطۡفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۙ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''ایک بوند سے اس کو بنایا پھر اس کا اندازہ ٹھہرایا۔''

ثُمَّ السَّبِيۡلَ يَسَّرَهٗ ۙ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''پھر اس پر راستہ آسان کر دیا۔''

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقۡبَرَهٗ ۙ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں رکھوایا۔''

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنۡشَرَهٗ ؕ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''پھر جب چاہے گا اٹھا کر کھڑا کرے گا۔''

كَلَّا لَمَّا يَقۡضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ؕ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''ایسا نہیں چاہیے (جو اس نے کیا) اس نے تعمیل نہیں کی جو اس کو حکم دیا تھا۔''

نافرمان انسان کے بارے بیان

ان آیات میں انسان کی نافرمانی اور اس کی ناشکری کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ انسان جو اپنی شہوات کا اسیر بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس کا آغاز کیسے ہوا؟ اور پھر اسے مرنا بھی ہے اور قبر میں داخل ہونا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا

ہے کہ اللہ ایسے انسان کو مار ڈالے جو اس قدر ناشکرا ہے، کفر کرتا ہے یعنی حق پر پردہ ڈالتا ہے اور کفر کے دو مصداق ہیں:

۱۔ اللہ کی ربوبیت کا انکار کرنا۔

۲۔ اللہ کی اطاعت کو ترک کرتا۔

انسان کی اصلیت

انسان کو توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہاری اصلیت کیا ہے اور تمہیں کس چیز سے خلق کیا گیا ہے؟ تیری ابتداء معمولی سے گندے اور نجس پانی کے قطرے سے ہوئی ہے۔ اس قطرہ کے ماں کے رحم میں چلے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ اس کے لیے اندازہ گیری کی، اس کو مختلف مراحل سے گزارا اور اس طرح اسے انسان کی شکل میں وجود میں لیا۔ دوسری آیات میں انسان کے آغاز سے لے کر اس کے کامل انسان بننے کے مراحل کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے تمام افعال اور مرنے تک کے سب امور کو ایک منصوبہ کے تحت قرار دیا ہے اور ہر ایک کے لیے تقدیر الٰہی موجود ہے۔ یہ اللہ کی ربوبیت پر دلیل ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کی تقدیر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ انسان کے سارے اعمال حساب شدہ ہیں لیکن اس منصوبہ بندی میں جبر نہیں ہے، انسان جو بھی عمل کرتا ہے اس کے اپنے اختیار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو خیر و شر کا راستہ بتا دیا ہے۔ اس کے لیے راستہ بتا دیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اپنی زندگی کے امور کو انجام دے۔ انسان اپنے عمل کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔

دنیا میں معین مدت گزارنے کے بعد انسان کی موت آجاتی ہے اور وہ قبر میں پہنچ جاتا ہے۔ قبر سے پھر اسے اٹھایا جائے گا اور اس کا حساب و کتاب ہو گا۔ زندگی کے لحظہ اول سے لے کر آخری لحظہ تک ہر شئی ایک نظم کے ساتھ ہے اور وہ جو کچھ انجام دیتا ہے اس کا اندراج ہو رہا ہوتا ہے اور قیامت میں اس کا حساب ہو گا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کے مقام ربوبیت کے

سامنے جھک جائے، خاضع و خاشع ہو، اللہ کی نعمات کا شکر بجا لائے، اللہ کے دستورات کی خلاف ورزی نہ کرے۔ان آیات میں انسان کے مزاج اور طبیعت کی مذمت کی گئی ہے۔انسان کا مزاج ایسا ہے کہ وہ اللہ کی نعمات کا کفران کرتا ہے، اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''پس انسان کو اپنے کھانے کی طرف غور کرنا چاہیے۔''

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''کہ ہم نے اوپر سے مینہ برسایا۔''

ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے زمین کو چیر پھاڑا۔''

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے اس میں اناج اگایا۔''

وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''اور انگور اور ترکاریاں۔''

وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''اور زیتون اور کھجور۔''

وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''اور گھنے باغ۔''

وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴿٣١﴾

ترجمہ: ''اور میوے اور گھاس۔''

مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: ''تمہارے لیے اور تمہارے چار پایوں کے لیے سامان حیات۔''

انسان کے لیے اللہ کی نعمات

اللہ تعالیٰ نے بے حساب نعمات انسان کے لیے مہیا کی ہیں، انسان کو چاہیے کہ وہ ذرا ان نعمات پر غور کرے، صرف اپنے کھانے پینے کی اشیاء پر ہی نظر دوڑائے کہ اللہ تعالی نے اس کے فائدہ کے لیے کن کن نعمتوں کو اس کے لیے خلق فرمایا۔ اس نے زندگانی کے وسائل فراہم کرنے کی خاطر آسمان سے بارش کا پانی برسایا، پانی زمین پر آیا اور زمین زرخیر بنی، زمین میں نباتات اُگانے کی صلاحیت رکھ دی۔ ذرا انسان غور کرے کہ کس طرح پانی آیا، زمین میں جذب ہوا؟ ور پھر جب اس نے زمین میں بیج ڈالا تو کس طرح حیرت انگیز طریقہ سے اس بیج نے زمین کو چیرا اور اس کا پودا باہر نکل آیا؟ اور پھر وہ آہستہ آہستہ درخت بنا؟۔ اس طرح اس کی غذائی اجناس تیار ہوئیں۔

ایک چھوٹے سے دانہ سے کھجور کا پورا درخت تیار ہوا، زیتون کا پودا تیار ہوا، گھنے باغات اور جنگلات بنے، گھاس پیدا ہوا، باغات تیار ہوئے، پھل اور میوہ جات سے لدے درخت تیار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: یہ ہم ہی تو ہیں جنہوں نے یہ سب کام انجام دیئے ہیں۔ ہم نے پانی برسایا، زمین میں نباتات اُگانے کی صلاحیت رکھی، زمین سے بیج کو باہر نکالنے کی قدرت ہم نے دی۔ گھنے باغات، کھجور کے درخت، زیتون کے پودے سب ہم نے انسان کے لیے بنائے۔ پھلدار درخت، انگور، سبزی جات، گندم، جو اور دیگر دانہ دار اجناس سب اللہ

کی نعمات ہیں۔ یہ سب کچھ انسان کے لیے دُنیا کا سرمایہ ہے۔ اے انسان ! جس اللہ تعالیٰ نے تمہیں خلق کیا ہے وہ فرماتا ہے کہ: میں ہی تمہارا رب ہوں، تمہارے تمام امور کی تدبیر میں کر رہا ہوں، اور تمہارے جانوروں اور حیوانات کے امور کی تدبیر بھی میں کرتا ہوں، ان سب کو اللہ نے انسان کے لیے مسخر کیا ہے اور اے انسان ! یہ سب تیرے فائدے کے لیے کیا ہے۔ ان سب کو یاد کرو اور اللہ کی عظمت اور ربوبیت پر ایمان لے آؤ۔

پیغام: انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی نعمات کو یاد کرے اور خاص کر اپنے غذائی مواد پر غور کرے۔ اس ذات نے تمام حیوانات اور دیگر مخلوقات کو انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ انسان انہیں اپنے فائدے کے لیے استعمال میں لائے۔ لہٰذا ان امور کو انسان دیکھے اور اللہ تعالی نے انسان پر جو احسانات اور مہربانیاں کی ہیں، ان کو یاد کرے اور اس بنیاد پر اعمال صالح بجالائے اور اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ”پھر جس وقت کانوں کا بہرا کرنے والا شور برپا ہوگا۔“

یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ”جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔“

وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیۡهِ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: ”اور اپنی ماں اور باپ سے۔“

وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیۡهِ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: ”اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔“

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: ''ہر شخص کی ایسی حالت ہو گی جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پروا کر دے گی۔''

اللہ کی تدبیر کا نظام

اللہ تعالیٰ نے پورے عالَم کی تدبیر کر رکھی ہے۔ اس کی ربوبیت کے دائرہ کار میں ہر شئ ہے۔ اس بات سے قیامت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جس دن انسان اپنے اعمال کا نتیجہ اور اس کی جزا حاصل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب صور پھونکا جائے گا تو ایسی آواز آئے گی جس سے کان پھٹ جائیں گے۔ یہ آواز اس قدر خوفناک ہو گی کہ انسان اپنے قرابت دار وں اور پیاروں تک کو بھول جائے گا۔ دُنیا میں ایک لمحہ کے لیے جن پیاروں کی یاد سے غافل نہیں ہوتا تھا اس خوفناک لمحہ میں وہ اس قدر ڈر جائے گا کہ وہ از خود بے خود ہو جائے گا اور ہر شئ کو بھول جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ان قریبی پیاروں میں سے کسی کو اپنے سامنے پائے گا تو اس سے فرار کرے گا اور ان سے لاتعلّقی کا اظہار کرے گا کیونکہ اس دن کی سختی اور ہولناکی انسان کو اپنے گھیرے میں لے لے گی جس کی وجہ سے ہر شخص اپنے علاوہ کسی کے بارے نہیں سوچ سکے گا۔ ہر شخص کو بس اپنی فکر لاحق ہو گی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

پیغام: ہر شخص کو قیامت کی ہولناکی یاد رکھنا چاہیے اور اس دن کے لے خود کو تیار کرنا چاہیے۔ ایسے اعمال بجا لانے چاہیے جو اس عالَم میں اسے سکون دیں اور اسے اس دن کی ہولناکی سے بچا سکیں۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾

ترجمہ: ”اور کچھ چہرے اس دن چمک رہے ہوں گے۔“

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ ﴿٣٩﴾

ترجمہ: ”ہنستے ہوئے خوش وخرم۔“

وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ ﴿٤٠﴾

ترجمہ: ”اور کچھ چہرے اس دن ایسے ہوں گے کہ ان پر گرد پڑی ہو گی۔“

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۭ ﴿٤١﴾

ترجمہ: ”ان پر سیاہی چھارہی ہو گی۔“

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۧ ﴿٤٢﴾

ترجمہ: ”یہی لوگ ہیں منکر نافرمان۔“

قیامت کے دن انسانوں کے دو گروہ

قیامت کے دن انسان دو حصوں میں تقسیم ہوں گے:۔

ا۔ ایک گروہ خوشحال اور مطمئن ہوگا۔ ان کے چہرے خوش، شادمان اور نورانی ہوں گے۔ یہ وہ جماعت ہے جو سعادت مند ہوں گے، ان کا انجام بخیر ہوگا، یہ جنت میں ہوں گے۔

۲۔ دوسرا گروہ کافروں، فاجروں کا ہوگا جو دُنیا میں اللہ کی آیات کے منکر ہوں گے۔ جنہوں نے الٰہی دعوت کو رد کیا ہوگا، ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور یہ کفر وفجور کا اثر ہوگا۔ یہ بدبخت اور بے سکون ہوں گے۔ یہ سب جہنم میں ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دُنیا میں کفران نعمت کیا ہوگا، اس جگہ ان کو ان کے انجام سے خبردار کیا ہے۔ دوسرے گروہ کی بہت ہی بری حالت ہو گی جس کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔

سورۃ التکویر

(مکی۔ کل آیات: 29)

سورہ کے مطالب

قیامت کے تذکرہ کے وسیلہ سے وعظ و نصیحت، قیامت کے وقوع کے متعلق بیان، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و سچائی کا تذکرہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزگی و طہارت کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۪ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''جب سورج کی روشنی لپیٹی جائے گی (جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا)۔''

وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ ۪ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور جب ستارے گر جائیں گے (جب ستارے بے نور ہو جائیں گے)۔''

وَ اِذَا الۡجِبَالُ سُیِّرَتۡ ۪ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔''

وَ اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۪ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی۔''

وَ اِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۪ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور جب جنگلی جانور (وحشی) اکھٹے ہو جائیں گے۔''

وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۪ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''اور جب سمندر جوش دیئے جائیں گے (جب سمندر آگ ہو جائیں گے)۔''

وَ اِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۪ۙ﴿۷﴾

ترجمہ: ''اور جب جانیں جسموں سے ملائی جائیں گی۔''

وَ اِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ ۪ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا۔''

بِاَيِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۚ﴿۹﴾

ترجمہ: ''کہ کس گناہ پر ماری گئی تھی۔''

وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور جب اعمال نامے کھل جائیں گے۔''

وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''اور آسمان کا پوست اتارا جائے گا۔''

وَ اِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور جب دوزخ دہکائی جائے گی۔''

وَ اِذَا الۡجَنَّةُ اُزۡلِفَتۡ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اور جب جنت قریب لائی جائے گی۔''

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''تو ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔''

قیامت کے دن کے اوصاف

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کے بارے تفصیل سے بتا دیا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اس دن:۔

۱۔ سورج کو اپنے مرکز سے ہٹا دیا جائے گا اور تاریکی چھا جائے گی۔

۲۔ تمام ستارے بے نور ہو جائیں گے اور اپنی جگہ سے سقوط کر جائیں گے۔

۳۔ شدید زلزلہ کے نتیجے میں پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ریت کا ڈھیر بن جائیں گے اور اس کے بعد گرد و غبار کی طرح پراکندہ ہو جائیں گے ۔ پہاڑ اپنی اصلیت کو کھو بیٹھیں گے۔

۴۔ گابھن اونٹنیوں (جو دس ماہ پورے کر چکی ہوں گے) کو چھوڑ دیا جائے گا (یہ اس بات کا کنایہ ہے کہ جب اونٹنی اپنے حمل کے دس ماہ پورے کر لیتی ہے تو وہ اپنے مالک کے لیے بہت ہی قیمتی ہو تی ہے، کوئی بھی اس کی حالت سے غفلت نہیں کرتا لیکن وہ دن ایسا ہو گا کہ گابھن اونٹنی کا مالک بھی اسے چھوڑ دے گا جس نے دس ماہ پورے کر لیے ہوں۔ اس سے کنایہ ہے کہ ہر شخص خوف کے مارے اپنی قیمتی چیزیں چھوڑ دے گا اور مال بے حساب رہ جائے گا۔ ہر شخص اپنی ذات میں اس قدر گم ہو چکا ہو گا کہ اسے اپنی ذات کے سوا کسی کی خبر تک نہ ہو گی۔

۵۔ اس دن وحشی جانور اور درندے بھی انسانوں کی طرح محشور ہوں گے۔

۶۔ اس دن دریاؤں میں آگ کے شعلے بلند ہوں گے، سمندر آگ کا منظر پیش کریں گے۔

۷۔ اس دن نیک لوگ حور العین کے ساتھ ازدواج کریں گے کہ ہر صالح شخص کو اس کا ساتھی مل جائے گا اور بدبخت اور برے لوگوں کو بھی ان کا ساتھی مل جائے گا۔ تمام نفوس کو ان کے جوڑے کا ساتھی مل جائے گا۔ نیکوں کو حور العین ملیں گی اور بروں کو ان کے شیطانی ساتھی ملیں گے، وہ دن سب کو جوڑا جوڑا بنانے کا دن ہے۔

۸۔ اس دن زندہ در گور کی گئی لڑکیاں پوچھیں گی کہ انہیں کس جرم میں پیدائش کے فوراً بعد زندہ در گور کر دیا گیا تھا؟ یا اللہ تعالیٰ زندہ در گور شدہ لڑکی سے سوال کرے گا کہ تمہیں کس جرم میں زندہ در گور کیا گیا تھا؟ تاکہ اس لڑکی کو جرأت ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے کہ اس کے قتل کا انتقام لیا جائے۔

۹۔ اس دن ہر شخص کا نامہ اعمال کھلا ہوا اس کے سامنے ہو گا۔ اس کے عمل سے کچھ بھی غائب نہ ہو گا اور حساب کے لیے اسے کھولا جائے گا۔

۱۰۔ آسمان اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا اور جس جگہ پر مستقر تھا اس سے علیحدہ ہو جائے گا، درہم برہم ہو جائے گا۔

۱۱۔ اس دن آتش جہنم شعلہ ور ہو گی، بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے بلند ہوں گے اور مجرموں کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے آگے بڑھ رہے ہوں گے۔

۱۲۔ اس دن بہشت کو سجایا جائے گا اور بہشت نیک افراد کے نزدیک ہو جائے گی اور سب کو اپنے اندر لینے کے لیے آمادہ ہو گی۔

۱۳۔ اس دن ہر شخص اپنے ان تمام اعمال کا مشاہد کرلے گا جو اس نے دُنیا میں انجام دیئے تھے۔ ہر عمل اس کے سامنے موجود ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مطلب کو دوسرے انداز میں بیان کیا ہے:

يَوۡمَ تَجِدُ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَيۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚۛ[1]

ترجمہ: ''جس دن ہر شخص موجود پائے گا اپنے سامنے اس نیکی کو جو اس نے کی تھی، اور جو کچھ کہ اس نے برائی کی تھی''

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۙ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''پس میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے (ستارے) کی۔''

الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ ۙ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''سیدھے چلنے والے غیب ہو جانے والے ستاروں کی۔''

---

[1] ۔ سورہ آل عمران، آیت 30۔

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے۔“

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے۔“

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ”بے شک یہ قرآن ایک معزز رسول کا لایا ہوا ہے۔“

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ”جو بڑا طاقتور ہے عرش کے مالک کے نزدیک بڑے رتبہ والا ہے۔“

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”وہاں ان کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ امین ہیں۔“

قرآن کی حقانیت

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں موجود آیات اور نشانیوں کی قسم اٹھا کر اس بات کو بیان کیا ہے کہ قرآن برحق ہے جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں؛ اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ اسے ایک فرشتہ لے کر آیا ہے جو امین ہے اور مالک عرش کی جانب سے ہے۔

دن میں چھپ جانے والے ستاروں اور غروب ہونے والے سیاروں کی قسم، صبح کے آغاز کی قسم، رات کے آجانے کی قسم، رات کی تاریکی کی قسم۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صبح کے طلوع ہونے کو ایسے اعمال سے تشبیہ دیا ہے جنہیں بڑی مشقت سے انجام دینے کے

بعد انسان لمبا سانس لیتا ہے، گویا کہ رات کی تاریکی سے گزر کر یہ فضا سانس لیتی ہے اور صبح کا نور پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اس لمبے اندھیرے کے سفر سے اب کچھ ستانے کے لیے آرام کیا ہے۔ ان تمام قسموں کے بعد ان کا جواب دیا ہے کہ بتحقیق یہ قرآن رسول اللہ ﷺ کی گفتار ہے جسے جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں۔ یعنی اللہ کا امین فرشتہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لے کر آیا ہے۔

جبرئیلؑ کے اوصاف

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ امین کی چھ صفات بیان کی ہیں:۔

۱۔ رسول ہے (اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہے)۔

۲۔ طاقتور اور مضبوط ہے، اس میں کسی قسم کا ضعف نہیں ہے۔

۳۔ کریم اور عزت والا ہے، کرامت والا ہے۔

۴۔ اللہ کے ہاں اس کی بڑی منزلت اور شان ہے۔

۵۔ امین ہے، اللہ کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہے۔ اللہ کے پیغام کو بغیر کمی اور اضافہ کے پہنچاتا ہے اور بھولتا نہیں ہے۔

۶۔ باقی سارے فرشتے اس کی اطاعت کرتے ہیں، ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ بعض مفسرین[1] نے ان چھ صفات کو رسول اللہ ﷺ کی صفات قرار دیا ہے، لیکن یہ احتمال آیات کے معنی سے سازگار نہیں ہے۔ آیات کا ظاہر اللہ کے امین فرشتے حضرت جبرئیلؑ پر دلالت کر رہا ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾

[1] ۔ تفسیر قرطبی، جلد 10۔

ترجمہ: ''اور تمہارا رفیق (رسول) کوئی دیوانہ نہیں ہے۔''

وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اور اس نے اس (فرشتہ) کو (آسمان کے) کھلے کنارے پر دیکھا بھی ہے۔''

وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''اور وہ غیب کی باتوں پر بخیل نہیں ہے۔''

وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''اور وہ کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے۔''

فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''پس تم کہاں چلے جا رہے ہو۔''

رسول اللہؐ کی عظمت

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی شرافت کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ سے فرما رہا ہے کہ یہ رسول تمہارے ساتھ رہا ہے، سالہا سال آپ لوگوں کا ہم نشین تھا، زندگی کے ابتدائی ایام سے لے کر اب تک جبکہ چالیس سال کے ہو چکے ہیں تمہارے درمیان رہا ہے، تم لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہو۔ اس کے کمالات، اس کے فہم و ادراک، اس کی سوجھ بوجھ، اس کی گفتار اور رفتار سب سے آگاہ ہو۔ یقینی بات ہے وہ بالکل دیوانہ نہیں ہے تم لوگ اس پر گواہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: میں قسم اٹھا کر یہ بتا رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیلؑ کو پہلے بھی دیکھا تھا جب جبرئیلؑ افق میں موجود تھے۔ اس سے مراد افق اعلیٰ ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر جو وحی ہوتی ہے وہ اس بارے بخیل نہیں ہے وہ وحی شدہ مطالب سے کسی بات کو پوشیدہ نہیں کرتا اور وحی کو تبدیل نہیں کرتے۔ جس بات کی تبلیغ پر مامور ہیں وہ اسی کی تبلیغ کرتے ہیں۔ یقین جانو کہ یہ قرآن شیطان کی تیار کردہ گفتار نہیں ہے جو اللہ کی درگاہ سے راندہ شدہ ہے، شیطانی وسوسوں سے قرآن پاک و منزہ ہے۔ اس جگہ قرآن کے بارے حق کو بتا دیا ہے اور اپنے رسول ﷺ کی پیغمبری کو بھی واضح طور پر سمجھا دیا ہے اور مشرکین کی ہرزہ سرائی کا جواب بھی دے دیا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ مشرکین اور منکرین سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: تم حق سے منہ کیوں موڑتے ہو، حق کو تسلیم کیوں نہیں کرتے، شک و تردید میں کیوں ہو؟ اس کا تمہارے پاس کیا جواز ہے؟

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ''یہ تو جہان بھر کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے۔''

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: ''اس کے لیے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے۔''

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ''اور تم تو تب ہی چاہو گے کہ جب اللہ چاہے گا، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

قرآن کی خاصیت

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: قرآن تذکرہ ہے، وعظ و نصیحت اور سمجھنے کا وسیلہ ہے جو لوگ حق کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں راہ مستقیم پر چلنا جن کے مطمع نظر ہو، جو پائیدار اور مستحکم راستہ پر آنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو قرآن ان کے لیے راہنما ہے۔ قرآن معرفت

اور عبودیت کی راہ سکھاتا ہے، اللہ کی اطاعت کے گر بتاتا ہے۔ پھر یہ بات بھی بیان کر دی کہ اللہ کی مشیت کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تمہارا ارادہ کرنا بھی اللہ رب العالمین کی مشیت کے تابع ہے۔ جو ارادہ کروگے اسی کا نتیجہ پاؤگے۔ انسانوں میں ارادہ کرنے کا استقلال نہیں ہے۔ انسان اپنے اعمال میں اللہ کی مشیت و ارادے کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے جو استقامت کا ارادہ کیا ہے تو یہ اللہ کے مفاد میں نہیں، اس کی منفعت و فائدہ انسان کے اپنے واسطے ہے۔ انسان کو اپنے منافع کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

پیغام: قرآن سے نصیحت حاصل کریں۔ قرآن سے راہ استقامت سیکھیں۔ قرآن سے درس لیں، قرآن سے سمجھ لیں! اور اس بات پر یقین رکھیں کہ پورے جہاں میں جو کچھ موجود ہے وہ اللہ کی اطاعت میں ہے انسان کا اختیار اور اس کا صاحب ارادہ ہونا یہ بھی اللہ کی انسان کے لیے عطاء ہے ہر سبب کی تاثیر اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔ لہٰذا ہدایت یافتہ ہونا یا گمراہ ہونا، نیک بخت ہونا یا بد بخت ہونا یہ سب اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے تابع ہے جیسا کرو گے ویسا بھروگے ہر عمل کا نتیجہ انسان کو خود بھگتنا ہے لہٰذا ایسا عمل کرے جس میں اللہ کی رضا ہو اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہو۔

سورۃ الانفطار

(مکی ۔ کل آیات 19)

سورہ کے مطالب

قیامت کے اوصاف، قیامت کا تذکرہ، قیامت کے نشانیوں کا بیان، لوگوں کے لیے انذار اور خبردار کرنا کہ ترجمہ: دُنیا میں نیک اعمال انجام دیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''جب آسمان پھٹ جائے۔''

وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور جب ستارے جھڑ جائیں۔''

وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور جب سمندر ابل پڑیں۔''

وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں۔''

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ ؕ﴿۵﴾

ترجمہ: ''تب ہر شخص جان لے گا کہ کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑ آیا۔''

قیامت کے آنے کی نشانیاں

ان آیات میں قیامت کے آنے کی نشانیوں کو بیان کیا گیا ہے جو اس طرح ہیں:۔

ا۔ آسمان پھٹ پڑے گا، اس کا اتصال باقی نہ رہے گا۔ ہر شئی درہم برہم ہو جائے گی۔

۲۔ سب ستارے اپنے مدار کو چھوڑ دیں گے اور ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے، پورا نظم ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔

۳۔ سمندروں میں طوفان آئے گا، سمندروں کے فاصلے ختم ہو جائیں گے۔ بپھرے ہوئے سمندر ایک دوسرے سے مل جائیں گے اور خوفناک سونامی ہو گا جو پوری زمین کو اپنے اندر لے لے گا۔

۴۔ قبریں حرکت میں آئیں گے، پوری خاک اوپر نیچے ہو گی، قبروں میں دفن مردے باہر نکل آئیں گے کیونکہ یہ مردوں کے قبروں سے باہر آنے کا وقت ہو گا۔ سارے مردہ انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور اپنے اعمال کی جزاء و سزا حاصل کریں گے۔

۵۔اس دن ہر انسان اپنے اعمال کو موجود پائے گا۔ جو اعمال اس نے دُنیا میں انجام دیئے تھے وہ اس کے سامنے ہوں گے اور جو اعمال ان سے چھوٹ گئے تھے وہ بھی اس کے سامنے ہوں گے۔ جو طریقے، روایات پیچھے چھوڑ آیا ہے اچھے کام کر آیا ہے وہ بھی اور جو برے کام کر آیا ہے، ان سب کی حقیقت اس کے لیے آشکار ہو گی۔

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ﴿٦﴾

ترجمہ: ''اے انسان تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے مغرور کر دیا۔''

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾

ترجمہ: ''جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے ٹھیک کیا پھر تجھے برابر کیا۔''

فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾

ترجمہ: ''جس صورت میں چاہا تیرے اعضا کو جوڑ دیا۔''

ناشکرا انسان

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ملامت کی ہے اور فرمایا ہے کہ: اے انسان تو کتنا ناشکرا ہے کہ اپنے کریم اور مہربان رب کو بھلا دیا ہے اور غرور میں چلا گیا ہے اور اپنی خلقت کو بھول گیا؟ ذرا غور تو کر کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تجھے خلق کیا؟ اس نے تجھے پانی کے قطرہ سے بنایا، تیرے ہر بند اور جوڑ کو بڑی ترتیب سے جوڑا، تجھے سیدھا اور متوازن موجود بنایا، تیری ہر چیز اور تیرے ہر حصہ کو مناسب جگہ پر رکھا اور تجھے خوبصورتی دی۔

ان آیات میں اللہ کی تدبیر کا بیان ہے کہ اس نے انسان کے ہر جزء کو خلق کیا ہے۔ ہر ایک حصہ کے کئی جز ہیں جنہیں باہم جوڑا ہے۔ ایک خاص ترکیب سے انسان کا بدن بنایا ہے اور

اس کو متوازن بنایا ہے۔ یہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ کسی کو مرد بنایا کسی کو عورت بنایا، کسی کو سیاہ کسی کو سفید اور کسی کو گندمی خلق کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین نظم اور بہترین صورت میں خلق فرمایا ہے۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ﴿۹﴾

ترجمہ: ''نہیں نہیں بلکہ تم جزا کو نہیں مانتے۔''

وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور بے شک تم پر محافظ ہیں۔''

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''عزت والے اعمال لکھنے والے۔''

يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔''

انسان کے لیے قابل توجہ امر

انسان کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ اے انسان تم دھوکے میں ہو۔ قیامت کے دن کا انکار کرنے والو تمہیں اللہ کا کرم اور اللہ کی فیاضی دھوکہ نہ دے۔ اس کرم کو اپنے کفر اور اپنی معصیت کا بہانہ نہ بناؤ کیونکہ اس قسم کا غرور تمہیں فائدہ نہ دے گا بلکہ تمہارے انکار اور قیامت کو جھٹلانے اور معصیت کا سبب بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر محافظ قرار دیئے ہیں، وہ معزز و مکرم فرشتے ہیں۔ وہ تمہارا انجام دیا ہوا سب کچھ لکھتے ہیں، ان سے تمہارا کوئی بھی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ حافظان اللہ کے نزدیک باکرامت اور باعزت ہیں، خود سے کچھ ارادہ اور

فیصلہ نہیں کرتے، وہ اسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ وہ تمہارے تمام اعمال سے آگاہ ہیں، تمہارے نیک اور برے اعمال کے درمیان امتیاز کرنے میں وہ بالکل غلطی نہیں کرتے۔ وہ تو تمہارے باطن کے بارے بھی آگاہ ہیں۔

پیغام: ہر ایک کو معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کے سب اعمال یہاں تک کہ جو کچھ وہ سوچتے ہیں چاہے وہ اچھا ہو یا برا سب کچھ لکھا جا رہا ہے اور قیامت کے دن اسی کی بنیاد پر ان کے بارے فیصلہ دیا جائے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ”بے شک نیک لوگ نعمت میں ہوں گے۔“

وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾

ترجمہ: ”اور بے شک نافرمان دوزخ میں ہوں گے۔“

يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾

ترجمہ: ”انصاف کے دن اس میں داخل ہوں گے۔“

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ”اور وہ اس سے کہیں جانے نہ پائیں گے۔“

نیکوکاروں اور فاجروں کا انجام

جن لوگوں نے دُنیا میں نیک اعمال انجام دیئے ہوں گے اور دُنیاوی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزاری ہو گی تو جزاء کے دن ان کے لیے نعمات ہوں گی، وہ سکون و آرام میں ہوں گے، ہر قسم کی نعمات انکے واسطے مہیا ہوں گی اور جن لوگوں نے دُنیا میں فسق و فجور کیا

ہو گا، اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی کی ہو گی، برائیاں کرتے رہے ہوں گے تو جزا والے دن ان کے لیے جہنم آمادہ اور تیار ہے جو ایک بھڑکائی ہوئی آگ ہے، سارے مجرموں کا ٹھکانہ جہنم ہے اس جہنم میں یہ لوگ جزا والے دن پہنچیں گے اور کوئی ایک مجرم بھی اس سے غائب نہ ہو گا، سب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

پیغام: انسان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ دُنیا میں جو بھی عمل انجام دیتا ہے اسے اس کا نتیجہ بھگتنا ہو گا، اچھے عمل کا اچھا نتیجہ ملے گا اور برے عمل کا برا نتیجہ ملے گا۔ نیکی کا صلہ جنت الفردوس اور برائی کا بدلہ آتش جہنم ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ''اور تجھے کیا معلوم انصاف کا دن کیا ہے؟''

ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ''پھر تجھے کیا خبر کہ انصاف کا دن کیا ہے؟''

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''جس دن کوئی کسی کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے گا اور اس دن اللہ ہی کا حکم (فیصلہ) ہوگا۔''

قیامت کے دن کی خصوصیت

ان آیات میں انسان کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ تم کو خبر ہے کہ قیامت کا دن کیسا ہے اور اس کی خصوصیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب خود ہی دے دیا ہے کہ اے انسان! وہ ایسا دن ہے جس میں کسی کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اس دن ہر ایک کی مالکیت ختم ہو جائے گی، اس دن سوائے خداوند متعال کے کسی کا حکم نہیں چلے گا، دُنیا کی ہمدردیاں ختم ہو چکی ہوں گی۔ کوئی

کسی کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ اس دن فقط اللہ کا حکم چلے گا، اس دن حقیقت پوری طرح آشکار ہو گی۔

سورۃ المطففین

(مکی۔ کل آیات: 36)

سورہ کے مطالب

کم فروشوں کو ڈرانا، ان کی سزا کا بیان، قیامت کے دن بارے آگہی، جزا و سزا کا بیان، مومن و کافر کا انجام۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''کم تولنے والوں کے لیے تباہی ہے۔''

الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ۫﴿۲﴾

ترجمہ: ''وہ لوگ کہ جب لوگوں سے ماپ کر لیں تو پورا کریں۔''

وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّ زَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿٣﴾

ترجمہ: ''اور جب ان کو ماپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔''

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿٤﴾

ترجمہ: ''کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔''

لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٥﴾

ترجمہ: ''اس بڑے دن کے لیے۔''

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾

ترجمہ: ''جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔''

کم تولنے اور کم فروشوں کے لیے عذاب

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب خرید و فروخت کرتے ہو تو جس طرح خریدنے کے موقع پر دوسرے سے پورا مال لیتے ہو اور اس میں کسی قسم کی کمی کو روا نہیں سمجھتے، اسی طرح جب تم دوسرے کو مال بیچتے ہو تو پورا مال دو۔ اگر بیچی جانے والی چیز تعداد شمار کرکے دی جانے والی ہو تو تعداد کو پورا کرکے دو، اگر پیمائش والی ہے تو اسے بھی پوری پیمائش کے ساتھ بیچو، اگر وزن کرنا ہے تو وزن پورا دو۔ سورہ ھود میں اس کے متعلق واضح حکم موجود ہے اور کم تولنے اور کم ماپنے کو زمین پر فساد قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کم فروشوں کی عادت کو بیان کیا ہے کہ جب خود مال لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اس میں کمی قبول نہیں کرتے لیکن جب خود مال بیچ رہے ہوتے ہیں تو اس میں ڈنڈی مارتے ہیں۔ معاشرہ کا امن عدالت سے ہے، جہاں بھی عدل و انصاف ختم ہو گا، معاشرہ بے امن ہو جائے گا۔

کرپٹ معاشرہ تباہی لاتا ہے۔ اسلام میں دھوکہ دہی حرام ہے۔ کم فروشی دھوکہ دہی کی روشن مثال ہے۔ اس کلی قانون میں یہ بات بھی آتی ہے کہ جب انسان خود کسی کا کام کر رہا ہو تو اس کی اجرت پوری لے لیکن جب کسی سے اپنا کام کروائے تو اسے کم اجرت دے۔ رسول خداؐ کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ عہد و پیمان شکنی، دھوکہ دہی، رشوت ستانی، کم فروشی سے دشمن کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اللہ کے قانون کے خلاف فیصلے دینے سے فقر و تنگدستی عام ہو جائے گی۔ فحاشی اور بدکاری کے نتیجہ میں اموات زیادہ ہوں گی، کم فروشی اجناس کی پیداوار میں کمی کا سبب ہے، زکات نہ دینا بارش کی کمی کا سبب ہے۔

اس بڑے گناہ سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: کیا ان کو اس بات کا یقین نہیں کہ انہیں مرنے کے بعد اٹھایا جانا ہے۔؟ اگر انسان اس بات کو جان لیتا کہ ایک دن اس نے مبعوث ہونا ہے اور اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہے اور ایک بڑے دن میں اس کی حاضری ہے اور رب العالمین کے حکم سے سارے مردوں کو اٹھایا جائے گا، سب کو میدان محشر میں حساب کے لیے لایا جائے گا تو پھر وہ ایسا نہ کرتا۔ اگر انسان کو قیامت، مبعوث ہونے اور حساب دینے کا یقین ہو تو وہ پھر ایسا گناہ نہیں کرے گا۔ قیامت کا دن بہت بڑا دن ہے، اس کی ہولناکی کا ادراک اس دُنیا میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جو قیامت پر یقین رکھتا ہو وہ اللہ کی معصیت نہیں کرتا۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۷

ترجمہ: ”ہرگز ایسا نہیں چاہیے (کہ کافروں کو چھٹکارہ مل جائے) بے شک نافرمانوں کے اعمال نامے سجین میں ہیں۔“

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝۸

ترجمہ: ”اور آپ کو کیا خبر کہ سجین کیا ہے؟“

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩

ترجمہ: ''ایک دفتر ہے جس میں لکھا جاتا ہے۔''

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠

ترجمہ: ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔''

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١

ترجمہ: '' وہ جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔''

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢

ترجمہ: ''اور اس کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے بڑھا ہوا گناہگار ہے۔''

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣

ترجمہ: ''جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے پہلوں کی کہانیاں ہیں۔''

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤

ترجمہ: ''ہر گز نہیں بلکہ ان کے (برے) کاموں سے ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔''

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝١٥

ترجمہ: ''ہر گز نہیں بے شک وہ اپنے رب سے اس دن روک دیئے جائیں گے۔''

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝١٦

ترجمہ: ''پھر بے شک وہ دوزخ میں گرنے والے ہیں۔''

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''پھر کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے تھے۔''

کم فروشوں کا اعمال نامہ سجین میں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کم فروشوں کے انجام کے متعلق مزید وضاحت کی ہے اور ان کے بارے فرمایا ہے کہ: ان کا نامہ اعمال سجین میں ہو گا کیونکہ فاجروں اور گناہکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے۔ سجین علیین کے مدمقابل ہے، سجین پستی کی آخری حد اور قید و زندان کو کہا جاتا ہے۔ آیت میں کم فروشی کے برے عمل کی مذمت کی گئی ہے اور اس عمل کو روز جزا سے غفلت کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: گناہگاروں کے بارے لکھا ہوا فیصلہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ قید و بند میں رہیں گے۔ یہ اللہ کا حتمی فیصلہ ہے۔ اللہ نے ان کے عمل کے نتیجہ میں ان کے لیے چند برابر عذاب قرار دیا ہے۔ اس مقام پر ان کے عذاب کی ہولناکی کو اس طرح بیان کیا ہے کہ تم کو کیا معلوم کہ سجین کیا ہے؟ یعنی وہ اس قدر سخت اور وحشتناک ہے کہ اس کی وصف بیان نہیں کی جا سکتی لیکن اس کے متعلق اس قدر بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ سجین ایک لکھی ہوئی، رقم شدہ کتاب ہے۔ ان کا انجام مقدر ہو چکا ہے، یہ پوری طرح روشن ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے، یہ انجام حتمی ہے اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

اس کے بعد فاجروں اور گناہگاروں پر نفرین کی گئی ہے اور ان کی ہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔ جو یوم جزا کو جھٹلاتے ہیں، معاد کا انکار کرتے ہیں، عملی طور پر یا زبان سے انکار کرتے ہیں جب وہ روز جزا میں وارد ہوں گے تو اپنے اس جرم کی وجہ سے، اللہ کے حتمی فیصلہ کی روشنی میں عذاب اور ہلاکت میں ہوں گے۔ اس سے بچنا ان کے لیے ممکن نہ ہو گا۔ بیان کو

جاری رکھتے ہوئے فرمایا: گناہگار اور روز جزا کا انکار کرنے والے، نفسانی خواہشات میں غرق رہنے والے، بندگی کی حدود سے تجاوز کرنے والے، بندگی کو بھول جانے والے اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے قیامت کے دن کا انکار کر دیا!۔ اس بات کو سورہ روم آیت ۱۰ میں اس طرح بیان کیا ہے:

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰

ترجمہ: ''پھر ان کا انجام جنہوں نے برائی کی کہ اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا برا ہو''۔

ایسے افراد پیشہ ور گناہگار اور حد سے بڑھنے والے ہیں۔ جب قرآن کی آیات ان پر پڑھی جاتی ہیں جن میں انہیں گناہ سے بچنے کا کہا گیا اور عذاب سے خبر دار کیا گیا اور یہ بتایا کہ جزا کے دن تمہیں ان جرائم کی سزا ملے گی کیونکہ قرآن خرافات نہیں اور نہ ہی ماضی کے لوگوں کا قصہ ہے، یہ اس لیے انکاری ہوتے ہیں کہ ان کے دل گناہوں کے نتیجہ میں زنگ آلودہ ہو گئے ہیں ان کے دلوں کی نورانیت ختم ہو گئی ہے، سوچ ختم ہو چکی ہے اور یہ خیر اور شر میں تمیز نہیں کر سکتے۔ حق اور باطل میں جدائی نہیں ڈال سکتے۔ برے اعمال انسان کے نفس کی تصویر ہی برائیوں والی بنا دیتے ہیں۔ ان کی یہ حالت حقائق کے ادراک سے مانع ہے۔ انسان کا نفس ابتداء میں صاف و شفاف ہوتا ہے لیکن گناہوں کے نتیجہ میں اس پر سیاہ دھبے لگتے ہیں اور گناہوں کی کثرت اور بڑے گناہوں کا ارتکاب جن میں سے ایک کم فروشی ہے، اس کے صاف و شفاف نفس کو مکمل سیاہ بنا دیتے ہیں اور اللہ کی رحمت اور نفس انسان کے درمیان حجاب آجاتا ہے اور یہ اللہ کے قرب، اس کی کرامت اور منزلت اور رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اسے معرفت نہیں ہے اور قیامت کے دن سارے پردے ہٹ جائیں گے اور انسان کو اس کے اعمال کے متعلق معلوم ہو جائے گا، خدا اور مخلوق کے درمیان سارے اسباب اور واسطے ختم ہو جائیں گے۔ پوری مخلوقات اللہ کی کامل معرفت

حاصل کرلیں گی۔ یہ مجرمین دوزخ میں داخل ہوں گے۔ دوزخ کی آگ کا مزہ چکھیں گے، اس حالت میں جہنم پر مامور فرشتے یا اہل بہشت ان سے کہیں گے یہ وہ جہنم ہے جس میں تم اب موجود ہو جس کا تم دُنیا میں انکار کرتے تھے۔ رسول خدا ﷺ سے روایت ہے کہ جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر توبہ کرلے تو اس کا دل دوبارہ صاف و شفاف ہو جاتا ہے۔ لیکن جب وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ اور پھیل جاتا ہے۔ آخرکار گناہوں کی کثرت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''ہر گز نہیں (کہ مومنوں کو اجر نہ ملے) بے شک نیکوں کے اعمال نامے علیین میں ہیں۔''

وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو کیا خبر کہ علیین کیا ہے۔''

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''ایک دفتر ہے جس میں لکھا جاتا ہے۔''

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''اسے مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔''

نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں

پچھلی آیت میں بتادیا گیا کہ نیک اور برے لوگ برابر نہیں ہیں۔ جو کچھ نیک لوگوں کا مقدر ہے اور ان کے بارے میں جو فیصلہ تحریر ہو چکا ہے تو وہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے۔

ان کی تحریر علیین میں ہے یعنی ان کے بارے یہ تحریر ہو چکا کہ وہ مقام قرب الٰہی میں ہوں گے اور ان کا مقام بہت ہی بلند ہو گا۔ پھر اس قرب اور اللہ کے نزدیک ہونے کی عظمت و جلالت کو بیان کرنے کے لیے سوال کیا ہے کہ تم کو کیا معلوم کہ علیین کیا ہے؟ وہ مقام اس قدر بلند ہے کہ اس کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو ایک لکھا ہوا فیصلہ اور حتمی قضا ہے، اس میں کوئی ابہام نہیں۔ پھر بیان کیا کہ مقربین مقام علیین کا مشاہدہ کریں گے۔ مقربین بھی اہل بہشت ہیں لیکن ان کا مرتبہ عام ابرار اور نیک لوگوں سے بلند تر ہے۔ مقربین علیین کے مقام کو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مشاہدہ کریں گے، مقربین وہی اہل یقین ہیں۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”بے شک نیکوکار جنت میں ہوں گے۔“

عَلَی الۡاَرَآئِکِ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔“

تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ نَضۡرَۃَ النَّعِیۡمِ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”آپ ان کے چہروں میں نعمت کی تازگی معلوم کریں گے۔“

یُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ”ان کو خالص شراب مہر لگی ہوئی پلائی جائے گی۔“

خِتٰمُہٗ مِسۡکٌ ؕ وَ فِیۡ ذٰلِکَ فَلۡیَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”اس کی مہر مشک کی ہو گی اور رغبت کرنے والوں کو اس کی رغبت کرنی چاہیے۔“

وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ”اور اس میں تسنیم ملی ہو گی۔“

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: ”وہ ایک چشمہ ہے اس میں سے مقرب پئیں گے۔“

ابرار کے لیے نعمات الٰہی

ان آیات میں ابرار کو ملنے والی نعمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ نعمات دُنیا میں استعمال ہونے والے الفاظ سے قابل توصیف نہیں ہے۔ ابرار خاص جگہ پر ہوں گے، ان کے لیے خاص قسم کے پلنگ ہوں گے، مسہریاں ہوں گی، صوفے ہوں گے، ان پر تکیے لگے ہوں گے، آرام و سکون ہوگا، منظر بڑا دلکش ہو گا۔ زیبا اور خوبصورت مناظر کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے، بہشت کا نظارہ ہو گا۔ یہ سب رونق اور خوشحالی ان نعمات کی وجہ سے ہے جو انہیں وہاں پر نصیب ہو گی۔ ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے ہوں گے اور ان کے لیے پاک و پاکیزہ اور صاف و ستھری شراب موجود ہو گی، جام چھلک رہے ہوں گے۔ اس شراب کے جاموں پر مشک و عنبر کی مہر لگی ہو گی، ہر طرف خوشبو ہو گی۔ اس شراب کا ذائقہ بہت ہی عمدہ ہو گا۔ اس جگہ واضح کر دیا کہ مقربین کا مقام ابرار سے بالاتر ہے اور ان کی نعمات ان سے بڑھ کر ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ”بے شک نافرمان (دنیا میں) ایمان داروں سے ہنسی کیا کرتے تھے۔“

وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: ''اور جب ان (مسلمانوں) کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھ سے اشارے کرتے تھے۔''

وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''اور جب اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاتے تو ہنستے ہوئے جاتے تھے۔''

وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اور جب ان (مسلمانوں) کو دیکھتے تو کہتے بے شک یہی گمراہ ہیں۔''

وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''حالانکہ وہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔''

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''پس آج (قیامت کے دن) وہ لوگ جو ایمان لائے کفار سے ہنس رہے ہوں گے۔''

عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: '' تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔''

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''آیا (واقعی) کافروں کو بدلہ دیا گیا ہے ان اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے۔''

دُنیا و آخرت میں مجرموں کا رویہ

ان آیات میں جرائم پیشہ اور کفار کے رویے کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ صاحبان ایمان کو دیکھ کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں، ان پر آوازیں کستے ہیں، ان کو گمراہ کہتے ہیں اور آپس میں مل کر خوش ہوتے ہیں اور انہیں حقیر جانتے ہیں۔ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ گمراہ ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ یہ کام نہیں لگایا کہ وہ طے کریں کہ کون گمراہ ہے اور کون نہیں ہے؟ لیکن یہی کفار اور جرائم پیشہ افراد جب قیامت کے دن اپنے برے اعمال کا نتیجہ دیکھیں گے اور عذاب سے دوچار ہوں گے تو پریشان ہوں گے اور ذلیل و خوار ہوں گے تو مومنوں سے کہا جائے گا کہ آج تم ان کافروں کا تماشہ دیکھو۔ ان سے پوچھو اور ان کو بتاؤ کہ تم دنیا میں اس دن کا انکار کرتے رہے، اب کس حال میں ہو؟ مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے مومنین سے کہا جائے گا کہ ان کافروں کو اچھی طرح سے دیکھتے جاؤ، ان کی ہلاکت و بد بختی کا نظارہ کرو اور دیکھو کہ ان کو ان کے برے اعمال کی سزا ٹھیک مل رہی ہے؟ یہ جس دن کا انکار کرتے تھے آج اس دن میں اپنے جرائم کی سزا بھگت رہے ہیں اور ان کے اعمال کا بدلہ انہیں مل رہا ہے۔

پیغام: ۱۔ کسی کا مذاق نہ اڑاؤ۔

۲۔ کسی کو کمتر نہ جانو۔

۳۔ اللہ کی اطاعت کرو۔

۴۔ روز جزاء پر یقین رکھو۔

۵۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا۔

۶۔ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔

۷۔ ہر ایک سے انصاف کرو۔

۸۔ ایمان اور عمل (توأم) دونوں ہی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

سورۃ الانشقاق

(مکی۔ کل آیات: 25)

سورہ کے مطالب

قیامت کے متعلق بیان، لوگوں کا قیامت کے انذار کو بشارت پر ترجیح دینا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''جب آسمان پھٹ جائے گا۔''

وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے۔''

وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔''

وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡہَا وَ تَخَلَّتۡ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور جو کچھ اس میں ہے ڈال (اُگل) دے گی اور خالی ہو جائے گی۔''

وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝۵

ترجمہ: ''اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے۔''

قیامت کے متعلق بیان

جب آسمان پھٹ جائے گا، ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو اپنے رب کی اطاعت میں ہو گا، اپنے رب کے فرامین کو سن رہا ہو گا اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور اس کے اوپر نیچے سب کچھ ختم ہو جائے گا اور جو اندر ہے باہر نکل آئے گا، خزانے، معدنیات اور مردے سب باہر نکل آئیں گے۔ اس دن زمین بھی اپنے رب کی فرمانبردار ہو گی اور اپنے پروردگار کے فرامین کو سنے گی۔ جب انسان اپنے رب سے ملاقات کرے گا اور اپنے رب کے پاس جائے گا تو اسے اپنے انجام دیئے گئے اعمال کا حساب دینا ہو گا اور وہ اپنے اعمال کی جزا پائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶

ترجمہ: ''اے انسان! تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں کوشش کر رہا ہے پھر اس سے جا ملے گا۔''

انسان کی منزل اللہ ہے

انسان جو بھی محنت کر رہا ہے، زمین پر چل پھر رہا ہے کما رہا ہے تو اس کی آخری منزل اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی انسان اپنے رب کا عبد و مملوک ہے اور اسی کی ملکیت میں ہے اور اس کے اعمال کا مالک بھی خدا ہی ہے۔ وہ اسی وقت کسی عمل کو انجام دے سکتا ہے جب اس کا مولا اس

عمل کا ارادہ کرے۔ انسان نے ہمیشہ کی سعی و کوشش کے بعد بالآخر اپنے رب تعالیٰ کے پاس پہنچنا ہے جو کہ سب کائنات کا مالک ہے اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ انسان اپنے عمل اور ارادے کا مسئول اور ذمہ دار ہے اور یہی امر قیامت کی دلیل ہے۔ اللہ کی ربوبیت ختم ہونے والی نہیں ہے۔ بندگی اور عبودیت کا تقاضا ہے کہ اس عبودیت کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہوں جسے اس نے ادا کرنا ہوتا ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کا عبد ہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کچھ فرائض اسے انجام دینا ہوں گے۔ اس کی بازگشت اللہ کی جانب ہے، وہاں جائے گا تو حساب دینا ہوگا۔ جو اعمال کئے ہیں اس کے بارے اس سے سوال کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات حتمی ہے جس کی جانب وہ بڑھ رہا ہے، اس کے علاوہ چارہ ہی نہیں ہے۔ جب اسی کی طرف جارہا ہے تو پھر اسے چاہیے کہ خدا کی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر زندگی گزارے اور دُنیا میں اسی طرح زندگی گزارے جس طرح اللہ چاہتا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ﴿۷﴾

ترجمہ: ''پھر جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔''

فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''تو اس سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا۔''

وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اور وہ اپنے اہل و عیال میں خوش واپس آئے گا۔''

قیامت کا دن فیصلے کا دن

قیامت کا دن جزا کا دن ہے۔ اس دن انسانوں کے دو گروہ ہوں گے۔ ایک اصحاب یمین اور دوسرا اصحاب شمال کا گروہ۔ اصحاب یمین وہ ہیں جن کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ہو

گا۔ ان کا حساب بہت جلدی ہو جائے گا اور ان سے نرمی برتی جائے گی، ان کے ساتھ سختی نہیں ہو گی، وہ اپنے اعمال کے نتائج کو وصول کر کے خوش ہوں گے اور اپنے بہشتی ساتھیوں کے ہمراہ ہوں گے اور دنیاوی نیک بیویاں ان کی جانب پلٹیں گی اور وہ آسودہ حال ہوں گے۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ”اور لیکن وہ جس کو نامۂ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے سے دیا گیا۔“

فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”تو وہ موت کو پکارے گا۔“

وَّ یَصْلٰی سَعِیْرًا ؕ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اور وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔“

اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”بے شک وہ اپنے اہل و عیال میں بڑا خوش و خرم تھا۔“

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۚ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”بے شک اس نے سمجھ لیا تھا کہ ہرگز لوٹ کر نہ جائے گا۔“

بَلٰۤی ۚۛ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ؕ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ”کیوں نہیں، بے شک اس کا رب تو اس کو دیکھ رہا تھا۔“

اُخروی احتساب کے منکرین کا انجام

جبکہ اللہ تعالیٰ دوسرے گروہ کے چہروں کو الٹا کر دے گا، یعنی ان کے منہ کمر کی جانب پھر جائیں گے اور وہ اپنا عمل وہاں سے دریافت کریں گے۔ وہ اس حالت کو دیکھ کر آہ وفریاد اور گریہ وزاری اور ہائے ہائے کریں گے اور اسی حالت میں آتش جہنم میں وارد ہوں گے۔ اس آتش میں جس کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو دُنیا میں ناحق خوش ہوتے تھے اور انہوں نے مادی وسائل سے دل لگا رکھا تھا، اپنے ہم فکروں کے ساتھ شادمانی میں غرق تھے اور خیال کرتے تھے کہ حساب وکتاب کے لیے اللہ کے حضور واپس نہیں پلٹیں گے۔ اب جب گناہوں کے اثرات اور ان کے نتائج ان کے سامنے ہوں گے تو سمجھیں گے کہ معاد اور حساب وکتاب حق ہے، اس کے متعلق ان کا خیال غلط تھا۔ سبحان وتعالیٰ، رب ومالک مدبر اللہ ہی ہے۔ انسان کی زندگی اللہ کے کنٹرول میں ہے، اس کا انسان کے تمام اعمال پر احاطہ علمی ہے لہٰذا قیامت کے دن انسان کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دی جائے گی۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''پس شام کی سرخی کی قسم ہے۔''

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اور رات کی اور جو کچھ اس نے سمیٹا۔''

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''اور چاند کی جب کہ وہ پورا ہو جائے۔''

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''کہ تمہیں ایک منزل سے دوسری منزل پر چڑھنا ہوگا۔''

انسان کی زندگی کے مراحل

اگرچہ کسی چیز کی حقانیت کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ان آیات میں اللہ تعالیٰ چند چیزوں کی قسم کھا رہا ہے جن میں اُفق کی سرخی کی قسم جب سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے اور رات کی قسم جب وہ ہر چیز کو چھپا لیتی ہے اور دن ختم ہو جاتا ہے اور ستاروں کی قسم جو مخفی ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہو جاتے ہیں اور چاند کی قسم جب اس کا نور پھیل جاتا ہے اور چودھویں کا چاند بدر کامل ہو جاتا ہے۔ انسان کی دُنیاوی و اُخروی زندگی کے بہت سارے مراحل ہیں۔ ان مراحل کا آغاز دُنیا کی زندگی سے ہوتا ہے، پھر موت ہے اس کے بعد برزخ اور حساب و کتاب ہے۔ یہ مراحل بالترتیب چلتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ طبقا عن طبق کا معنی یہ ہے کہ آسمان ایک مرحلہ میں گرم تیل کی مانند تھا پھر وہ پھٹ گیا۔

فرماتا ہے قیامت وہ دن ہے جس دن دُنیا میں کمتر اور ہلکا شمار ہونے والے برتر ہو جائیں گے اور جو اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے وہ پست اور گھٹیا ہو جائیں گے اور وہاں پر پستی کا سارا معیار ختم ہو جائے گا۔ جو فقر و فاقہ میں تھے وہ بے نیاز ہو جائیں گے جو غنی اور تو انگر تھے وہ فقیر و محتاج ہو جائیں گے اور جو بیماری میں تھے وہ صحت مند ہو جائیں گے اور جو صحت مند تھے وہ بیماری میں ہوں گے، یعنی ان سارے مراحل اور حادثات سے گزرنے کے بعد وہاں کے مناظر مختلف ہوں گے اور ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے سے انسان کو پے در پے آگے بڑھنا ہوگا اور اس کو اپنے تمام اعمال کا حساب و کتاب دینا ہوگا۔

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ”پھر انہیں کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے۔“

وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا يَسۡجُدُوۡنَ ۩ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے۔''

بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''بلکہ جو لوگ منکر ہیں جھٹلاتے ہیں۔''

وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُوۡعُوۡنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اور اللہ خوب جانتا ہے وہ جو (دل میں) محفوظ رکھتے ہیں۔''

فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''پس انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔''

اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔''

ایمان نہ لانے والے کے بارے حیرت کا اظہار

یہاں تعجب اور حیرت کے ساتھ یہ بات کہی جارہی ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے ؟! سب کچھ سن لیا ہے، دلائل واضح ہیں، ہر چیز کھلی ہوئی ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کے برے اعمال اور ایمان نہ لانا اس وجہ سے نہیں کہ ان کے پاس دلائل نہیں ہیں بلکہ ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کفر اور آیات الٰہی کو جھٹلانا ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے سینے میں چھپے ہوئے کفر اور شرک سے ان کو آگاہ کیا ہے۔ اے پیغمبر انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دو اور کہو کہ تمہارے لیے سخت عذاب ہے۔ اس میں

ان کا استھزاء بھی ہے اور ان کو ڈانٹ بھی پلائی ہے اور دھمکایا بھی ہے کہ یہ جو تم نے حقائق کو جھٹلایا ہے، اللہ کی آیات کا انکار کیا ہے تو تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ اس کی سزا کبھی ختم نہ ہو گی۔ جو مومنین دنیا میں صالح اعمال بجالاتے رہے ہیں ان کے لیے ایسا نہیں ہوگا۔ ان کے لیے تو بڑا اجر ہے، ایسا اجر جس پر کوئی منت بھی نہیں چڑھائی جائے گی۔ اللہ انہیں ایسا اجر و ثواب دے گا کہ جو ان کی خوشحالی کا باعث ہوگا، ان پر کوئی سنگینی بھی نہیں ہو گی۔

سورۃ البروج

(مکی۔ کل آیات: 22)

سورہ کے مطالب

کافروں کو ڈرانا، مومنوں کو بشارت، مومنوں کو ان کے ایمان کی وجہ سے شکنجے کرنے والے کفار کو سخت عذاب کی دھمکی، مومنین کو تکالیف پر صبر کی تلقین اور اس پر ان کو بڑے اجر کی نوید۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”آسمان کی قسم ہے جس میں برج ہیں۔“

وَ الۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔“

وَ شَاہِدٍ وَّ مَشۡہُوۡدٍ ؕ﴿۳﴾

ترجمہ: ”اور اس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔“

شاھد و مشھود کا بیان

برج ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو ظاہر و آشکار ہو خاص کر اونچی عمارتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مذکورہ آیات میں بروج سے مراد آسمان میں ستاروں کی جگہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آسمان کی قسم جس کی حفاظت برجوں کے ذریعہ ہوتی ہے اور وہاں سے شیاطین کو بھگا دیا جاتا ہے۔ یہ اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین اور کافروں کو مومنین سے دور رکھا ہے اور مومنوں کو ان سے رہائی عطا کی ہے۔

قیامت کا دن ایسا دن ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہوا ہے اور اس دن نے ہر صورت وقوع پذیر ہونا ہے۔ اس دن لوگوں کے اعمال کی بنیاد پر ان کے درمیان فیصلہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آئندہ مشہود کی قسم اٹھائی ہے یعنی وہ دن جو جسے ضرور دیکھا جائے گا اور وہ قیامت کا دن ہے۔ اس قسم کا جواب وہ کفار ہیں جو مومنوں کو اذیت دیتے تھے انہیں تکالیف دیتے تھے، ان کو سخت سزا ملے گی اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور صالح مومنین جو ان کافروں کی اذیتوں پر صبر کرتے تھے وہ نجات پائیں گے۔

یہاں شہادت اور گواہی کے لیے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں: شاہد اور مشہود، ان دونوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی حاضر ہونا اور اپنی آنکھ سے دیکھنا۔ شاہد یعنی رسول اللہ ﷺ تمام اُمت کے اعمال پر شاہد و گواہ ہیں۔ سورہ احزاب کی آیت ۴۵ میں ہے کہ اے نبی ہم نے تجھے شاہد، مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

یعنی گواہ بھی ہیں، بشارت دینے والے بھی ہیں ڈرانے والے بھی ہیں۔ مشہود یعنی مومنوں پر کفار کی طرف سے جو شکنجے دیئے جاتے تھے، انہیں مارا پیٹا جاتا تھا اس کو بیان کیا گیا ہے کہ آخرت میں یہ کیفیت موجود ہو گی۔ سورہ ہود کی آیت ۱۰۳ میں ہے:

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ

ترجمہ: ''یہ ایسا دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہی دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے''۔

یعنی کفار کا رویہ قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گا اور ظالم و مظلوم دونوں اس کو دیکھیں گے۔ مظلوم ظالم کے عذاب کو دیکھے گا اور ظالموں نے جو اذیتیں دی تھیں وہ اس حالت کو دیکھیں گے اور سزا بھگتیں گے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''خندقوں والے ہلاک ہوئے۔''

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''جس میں آگ تھی بہت ایندھن والی۔''

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''جب کہ وہ اس کے کناروں پر بیٹھے ہوئے تھے۔''

وَّ هُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ﴿۷﴾

ترجمہ: ''اور وہ ایمانداروں سے جو کچھ کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے۔''

وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور ان سے اسی کا تو بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اللہ زبردست خوبیوں والے پر ایمان لائے تھے۔''

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹ۭ

ترجمہ: ''وہ کہ جس کے قبضہ میں آسمان اور زمین ہیں اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔''

جابروں اور ظالموں کا انجام

''اخدود'' زمین میں بڑے گڑھے کے معنی میں ہے۔ جابر اور ستمگر، مومنین کو ان گڑھوں میں ڈالتے تھے پہلے ان گڑھوں میں آگ جلاتے تھے، جب آگ شعلہ ور ہو جاتی تھی اور بھڑک رہی ہوتی تھی تو مومنین کو اس میں پھینک دیتے تھے اور خود بیٹھ کر تماشا دیکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت اور نفرین کی ہے اور انہیں '' اصحاب اخدود'' کو رحمت حق سے دُور قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ مومنین کو جلتا دیکھ کر ہنستے تھے اور انہیں مومنین سے نفرت اس لیے تھی کہ وہ ایمان لائے تھے، اللہ پر ان کا پورا یقین تھا، اللہ جو کہ عزیز بھی ہے حمید بھی ہے یعنی اس کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، صاحب تعریف بھی ہے، اس کے تمام افعال جمیل اور پسندیدہ ہیں، آسمانوں اور زمین کی ملک و سلطنت اسی کے لیے ہے اور وہی رب العالمین ہے اور اس کی عبادت سب پر لازم ہے اور اس کی اطاعت تمام انسانوں کو کرنا ہوتی ہے۔ مومنین حق پر تھے اور کافر گمراہی میں تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے جس نے ہر شئی کو خلق کیا ہے۔ مومنین کا خالق بھی وہی ہے اور کافروں کا خالق بھی وہی ہے اور اللہ ہر چیز پر شاہد بھی ہے حاضر بھی ہے موجود بھی ہے۔ ہر چیز کی جزئیات پر اللہ کا احاطہ ہے، وہ اپنی مخلوق کے اعمال سے آگاہ بھی ہے اور بہت جلد ان کو ان کے عمل کی سزا دے گا۔

امیر المومنین علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حبشہ والوں کے لیے ایک شخص کو نبوت کے لیے چنا اور وہاں کے لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور اس کو جھٹلایا۔

اس پیغمبر نے کافروں کے ساتھ جنگ کا آغاز کیا، اس کے کچھ ساتھی قتل ہو گئے اور وہ باقی رہنے والے ساتھیوں کے ہمراہ قید ہو گیا، کافروں نے ان کو قتل کرنے کے لیے ایک بڑا گڑھا کھودا اور اسے آگ سے بھر دیا۔ لوگ اکٹھے ہوئے تو انہوں نے اعلان کیا کہ جو بھی ہمارے دین سے جدا ہونا چاہتا ہے جدا ہو جائے اور جو بھی اس پیغمبر کے پیروکار ہیں یہیں پر رہیں اور وہ اپنے پاؤں سے چل کر اس آگ میں داخل ہوں گے ۔ اس پیغمبر کے ساتھی آگ میں کودنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے رہے تھے۔ ایک عورت کی نوبت آگئی جس کے پاس ایک ماہ کا چھوٹا بچہ تھا، جیسے ہی اس نے چاہا کہ آگ میں داخل ہو تو اس پر خوف طاری ہوا لیکن اس کی گود میں موجود ایک ماہ کا بچہ بول اٹھا اور کہا اماں ڈریں نہیں، مجھے اپنے ساتھ لے کر اس آگ میں کود جائیں، اللہ کی قسم! اللہ کی راہ میں یہ جہاد بہت معمولی ہے۔ وہ عورت بچے کے ہمراہ آگ میں کود گئی۔ یہ بچہ ان بچوں میں سے تھا جنہوں نے بچپن میں بولا تھا۔[1]

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا فَلَہُمۡ عَذَابُ جَہَنَّمَ وَ لَہُمۡ عَذَابُ الۡحَرِیۡقِ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ”بے شک جنہوں نے ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کو ستایا پھر توبہ نہ کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلانے والا عذاب ہے۔“

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۬ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡکَبِیۡرُ ﴿ؕ۱۱﴾

[1] ۔ تفسیر مجمع البیان میں بھی اسی مضمون کی ایک اور روایت نقل ہوئی ہے۔

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہی بڑی کامیابی ہے۔“

مومنوں کو اذیت دینے والوں کا انجام

یہ کافر لوگ اور اسی طرح باقی کفار جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کے درپے ہوتے ہیں اور ان کو ان کے دین سے ہٹانا چاہتے ہیں ان کافروں کو سخت عذاب ملے گا کیونکہ وہ اپنے اعمال پر پشیمان بھی نہیں ہوئے اور توبہ بھی نہیں کی، اللہ کی طرف نہیں پلٹے تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور زقوم درخت کا پانی انہیں پلایا جائے گا، زنجیر میں جکڑا جائے گا اور جلانے والا عذاب ان کے لیے ہوگا۔ یہ مشرکین مکہ کی طرف بھی اشارہ ہے اور ان کو بتایا جارہا ہے کہ تم مومنین کو جو تکالیف پہنچاتے ہو تمہیں اس کی سزا ملے گی۔ پھر مومنین کو بہترین اجر و پاداش کا وعدہ دیا گیا ہے تاکہ وہ آمادہ رہیں اور گھبرائیں نہیں کہ ان کے لیے ایسی جنت ہے کہ جن کے باغات کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، اس میں بے حساب نعمات ہیں، ہمیشہ کی سعادت ہے جس نے ختم بھی نہیں ہونا۔

اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”بے شک تیرے رب کی پکڑ بھی سخت ہے۔“

اِنَّهٗ هُوَ يُبۡدِئُ وَيُعِيۡدُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”بے شک وہی پہلے پیدا کرتا ہے اور دوبارہ پیدا کرے گا۔“

وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا۔“

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾

ترجمہ: ”عرش کا مالک بڑی شان والا۔“

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ”جو چاہے کرنے والا۔“

اللہ کی پکڑ اور اللہ کے انعامات

”بطش“ کسی چیز کو غلبہ کی حالت میں اپنی گرفت میں لینے کے معنی میں ہے۔ ان آیات میں اس سے پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے کے جابر اور ظالم مراد ہیں۔ ان کو خطاب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ میں آئیں گے اور ان کو چھوڑا نہیں جائے گا اور ان جھٹلانے والوں کو جہنم کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ان کو پیدا کرنے والا ہے اور اسی کے پاس سب نے پلٹ کر جانا ہے اور وہ جو چاہے ایجاد کرتا ہے اور کسی سے مدد بھی نہیں لیتا اور وہ ہر ذی روح شئے کو اس کے مرنے کے بعد اصل شکل میں پلٹا دیتا ہے۔ جو آدمی حد سے تجاوز کرتا ہے اس کے لیے عذاب ہے، ایسا عذاب جو اس کی برداشت میں بھی نہیں ہو گا، وہ ہمیشہ اسی میں رہے گا اور زندہ رہے گا تاکہ عذاب جھیلتا رہے۔ سورہ فاطر کی آیت ۳۶ میں ہے کہ جو کافر ہوئے وہ جہنم میں نہ مریں گے اور نہ جئیں گے، ان کے لیے عذاب ہو گا اور ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ عذاب کی وجہ سے جو چیز خراب ہو گئی ہے اس کو دوبارہ اصلی حالت میں لے آئے تاکہ مجرم ہمیشہ عذاب جھیلتا رہے اور ہر وقت نیا عذاب اس کے لیے ہو۔ (سورہ نسا، آیت ۵۶) جب ان کے بدن پر چمڑی جل جائے گی تو ان کے بدن پر دوسری چمڑی چڑھا دی جائے گی تاکہ بغیر وقفہ کے عذاب چکھتے رہیں۔

اللہ کا انعام

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی دو صفات بیان کی ہیں۔" غفور "یعنی بہت معاف کرنے والا اور" ودود "یعنی بہت محبت کرنے والا۔ یہ دو صفات اس بات کو بیان کر رہی ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنوں کو اگر وعدہ دیا ہے تو یہ وعدہ حتمی ہے اور اللہ تعالیٰ مومنوں سے کئے گئے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ خدا بخشنے والا بھی ہے پیار کرنے والا بھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ عرش مجید کا مالک ہے یعنی مطلق تصرف اس کی اپنی ملکیت میں ہے اور ذاتی کمال اس کے لیے ہے اور اسی مطلق تصرف کی وجہ سے معنوی عظمت بھی اسی کے لیے ہے اور کوئی اندرونی و بیرونی سبب نہیں ہے نہ کوئی اس کو روک سکتا ہے نہ اس کے فیصلے کے سامنے رکاوٹ بن سکتا ہے اور نہ اس کے وعدہ و وعید کو کوئی پیچھے ڈال سکتا ہے۔ اللہ ہر چیز پر غالب بھی ہے قادر بھی ہے۔ کوئی اس کے وعدے کے خلاف نہیں کر سکتا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۟ۙ

ترجمہ: "کیا آپ کے پاس لشکروں کا حال پہنچا۔"

فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ۟ؕ

ترجمہ: "فرعون اور ثمود کے۔"

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۟ۙ

ترجمہ: "بلکہ منکر تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔"

وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۟ۚ

ترجمہ: "اور اللہ ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہے۔"

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ’’بلکہ وہ قرآن ہے بڑی شان والا۔‘‘

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ’’لوح محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)۔‘‘

فرعونیوں اور ثمودیوں کا انجام

اللہ تعالیٰ ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے فرما رہا ہے اے ہمارے حبیب! فرعون اور ثمود کے سپاہیوں کو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسا عذاب دیا اور کس طرح ان کو گرفتار کیا؟ اور تیری اُمت کے جو کافر ہیں جو تجھے جھٹلانے والے ہیں، تیری تعلیمات کو نہیں مان رہے ان کو بھی ایسا ہی عذاب دیا جائے گا۔ یہ جھٹلانے والے کفار جو نصیحت قبول نہیں کر رہے، ان کا انجام بھی وہی ہو گا جو پہلے والے کافروں کا ہوا۔ مسلسل ان کا زور ہے کہ وہ تیری بات کا انکار کریں لیکن اس انکار پر ان کی گرفت ہو گی اور ان کو سخت عذاب ملے گا۔ وہ خدا کے علم اور اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہیں اور نہ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے ان پر قادر ہے۔

رسول اللہؐ کو جھٹلانے والوں کا انجام

ان آیات کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو حوصلہ دیا گیا ہے کہ وہ گھبرائیں نہیں، ان کافروں کا انجام پہلے والے کفار جیسا ہو گا۔ جو آپ پر ایمان نہیں لا رہے اور آپ کو جھٹلانے پر اصرار کر رہے ہیں، تیری تعلیمات کو تسلیم نہیں کر رہے تو انہیں پتہ ہونا چاہیے کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے ہے اور یہ قرآن بڑے معنی رکھتا ہے اور اس میں بہترین علوم اور معارف ہیں اور اس میں جھوٹ، باطل کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ شیاطین کی دسترس سے بھی محفوظ ہے

کیونکہ یہ لوح محفوظ میں حفاظت شدہ ہے۔ نہ اس میں کوئی نقص ہے اور نہ ہی کوئی اس میں کسی قسم کا نقص لا سکتا ہے۔ جو اس کتاب کا انکار کرتا ہے اس کے لیے سخت ترین عذاب ہے اور جو رسول اللہ کو جھٹلاتے ہیں ان کا انجام بھی ان جیسا ہوگا جو سابقہ کافروں کا ہوا ہے جس طرح فرعون، ثمود اور ان کے خاص بندے تباہ ہوئے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلانے والے بھی تباہ و برباد ہوں گے۔

سورۃ الطارق

(مکی۔ کل آیات: 17)

سورہ کے مطالب

قیامت، حساب و جزا اور بدلہ کا حوالہ دے کر ڈرانا مقصود ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''آسمان کی قسم ہے اور رات کو آنے والے کی۔''

وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو کیا معلوم رات کو آنے والا کیا ہے۔''

النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ”وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے۔“

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ ۝۴

ترجمہ: ”ایسی کوئی بھی جان نہیں کہ جس پر ایک محافظ مقرر نہ ہو۔“

قرآن پر مؤکل فرشتہ

”طارق“ ایک نورانی ستارہ ہے جو رات کے وقت طلوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ستارے کی قسم کھائی ہے اور مقام تعظیم میں فرمایا ہے کہ تمہیں کیا پتہ کہ طارق کیا ہے؟ یہ نورانی ستارہ ہے، اپنے نور سے ظلمت کے پردے کو چیرتا ہے۔ اس قسم کا خود جواب بھی دیا ہے کہ کوئی بھی انسان نہیں ہے مگر یہ کہ اس پر فرشتہ موکل ہے جو اس کی حفاظت پر مامور ہے، جو ان کے اچھے اور برے اعمال لکھ رہے ہیں۔ ان کے صادر ہونے والے تمام اعمال کو درج کرتے ہیں تاکہ انسان کا نامہ عمل قیامت کے دن حساب وکتاب کے لیے پیش کیا جائے۔ انسان کے مرنے کے بعد ان کی ارواح موجود رہتی ہیں اور انہوں نے مرنا یا نابود نہیں ہونا ہے اور قیامت کے دن بدنوں میں دوبارہ داخل کر دی جائے گی تاکہ انسان کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ اور اس کو سزا و ثواب دیا جاسکے اور اس کے اعمال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵

ترجمہ: ”پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔“

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶

ترجمہ: ”ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔“

يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ۝۷

ترجمہ: ”جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔“

اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ﴿۸﴾

ترجمہ: ”بے شک وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے۔“

یَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾

ترجمہ: ”جس دن بھید ظاہر کیے جائیں گے۔“

فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ”تو اس کے لیے نہ کوئی طاقت ہو گی اور نہ کوئی مددگار۔“

انسان کی اصلیت

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے بارے میں سوچے کہ اسے کس چیز سے خلق کیا گیا ہے اور اس کی خلقت کا آغاز کیسے ہوا ہے؟ اسے جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک ٹپکتے ہوئے تیز دھار پانی کے قطرے سے پیدا کیا ہے جو ریڑھ کی ہڈی اور سینے کی پسلیوں سے نکلا ہے۔ وہ یہ بھی جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بے حیثیت پانی کے قطرے سے انسان کی شکل میں خلق کیا ہے اور جو خدا اسے اس طرح خلق کرتا ہے تو وہ اپنی قدرت کاملہ سے مرنے کے بعد بھی اسے دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اور اسی حالت میں لوٹا سکتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور امثال کا حکم ہر جگہ جاری رہتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کا پلٹنا ابتدائی خلقت کے بہ نسبت مشکل ہو۔ انسان کے اعمال اور چھپی ہوئی چیزیں سب ظاہر ہوں گی اور اعمال کے حقائق سامنے آئیں گے اور جو کیا ہے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ انسان کے پاس اس دن کوئی طاقت اور قوت نہ ہو گی تاکہ وہ اپنے سے عذاب کو دور کر سکے اور نہ ہی اس کا یاور و مددگار ہو گا، اللہ کے عذاب سے گریز نہیں ہے۔ سب اپنے کیے کا انجام بھگتیں گے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''آسمان کی قسم جو مینہ برساتا ہے۔''

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور زمین کی جو پھٹ جاتی ہے۔''

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''بے شک قرآن قطعی بات ہے۔''

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور وہ ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے۔''

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''بے شک وہ ایک تدبیر کر رہے ہیں۔''

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اور میں بھی ایک تدبیر کر رہا ہوں۔''

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''پس کافروں کو تھوڑے دنوں کی مہلت دے دو۔''

قرآن کی حقانیت

آسمان کی قسم کے جس میں عجیب و غریب تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ زمین کی قسم جس کو کھولا گیا ہے اور اس سے گھاس اور نباتات اور دانے اگتے ہیں، درخت اگتے ہیں۔ یہ قرآن حق

و باطل کے درمیان جدائی ڈالتا ہے اور یہ کلام مذاق نہیں ہے بلکہ سنجیدہ کلام ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، اس میں کوئی باطل اور جھوٹ نہیں ہے۔ قرآن قیامت کے دن کے بارے جو بتا رہا ہے وہ حق ہے۔

کافروں کی ناکامی

رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے کہ کفار اپنے کفر سے اور اپنے انکار سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس عذاب سے بچ جائیں گے اور وہ سازشیں کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نور اور مرکز ہدایت کو ختم نہیں ہونے دے گا اور تیری دعوت کو باطل اور ناکام نہیں بنائے گا، ان کفار کی سازشوں کا توڑ اللہ نے کرنا ہے، ان کو مہلت دی گئی ہے، ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے، انہیں کہیں بھی نجات کا راستہ نہیں ملے گا۔ قیامت کے دن سخت ترین عذاب ان کے لیے ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ قاہر اور غالب ہے، آپ ان کے عذاب کا انتظار کریں، جلدی نہ کریں اور یہ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچیں گے اور ان پر عذاب مسلط ہو گا۔ قیامت کا وقوع قریب ہے جس سے کوئی فرار نہیں کر سکتا۔

سورۃ الاعلیٰ

(مکی۔کل آیات: 19)

سورہ کے مطالب

اللہ تبارک و تعالیٰ کی تسبیح، مخلوق کو وعظ و نصیحت اور نافرمانی پر انذار، پورے عالَم کی تدبیر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اللہ کی ربوبیت کا حوالہ اور یہ کہ ہر چیز اللہ کی منصوبہ بندی سے ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۙ‏ ﴿۱﴾

ترجمہ: ”اپنے رب کے نام کی تسبیح کیا کر جو سب سے اعلیٰ ہے۔“

الَّذِىۡ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ‏ ﴿۲﴾

ترجمہ: ”وہ جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا۔“

وَالَّذِىۡ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ‏ ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور جس نے (ہر چیز کا) تخمینہ ٹھہرایا (اندازہ لگایا) پھر راہ دکھائی۔''

وَالَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ۪ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور وہ جس نے چارہ نکالا۔''

فَجَعَلَہٗ غُثَآءً اَحۡوٰی ؕ﴿۵﴾

ترجمہ: ''پھر اس کو خشک سیاہ چورا (کچرا) کر دیا۔''

پیغمبر کے لیے تسبیح کا حکم

اسم وہ ہے جو مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے۔ ان آیات میں پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے پروردگار کی تسبیح کرو اور اللہ کی ذات کو ہر نقص و عیب سے پاک جانو۔ اپنے رب کے نام کو اس طرح زبان پر نہ لاؤ جس طرح بت پرست اپنے بتوں کے نام زبان پر لاتے ہیں اور ان کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کی طرف ربوبیت کی نسبت دیتے ہیں کیونکہ تیرا پروردگار ہر شرک سے پاک و منزہ ہے۔ اور ایسے امور جو رب تعالیٰ کی شان سے مناسبت نہیں رکھتے جیسے جہالت، ظلم، غفلت اور عاجزی ان سب کو اللہ کی ذات سے نفی کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی تمجید و تقدیس زبان و عمل دونوں سے ہونی چاہیے اور توحید کامل کا لازمہ ہے کہ اس کی ذات سے ہر قسم کے عیب و نقص کی نفی کی جائے۔ اپنے پروردگار کے نام اعلیٰ کو یاد کرو یعنی وہ نام جو سب سے بلند ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوقات پر برتری بیان کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ ہے، وہی غالب ہے وہی بالاتر ہے، وہی قہار ہے؛ وہی سارے موجودات کا خالق ہے کہ جنہیں وہ عدم سے وجود میں لایا ہے، وہ نہ تھے تو ان کو بنایا ہے ان کے اجزا کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا ہے اور ہر جزو کو مناسب جگہ پر رکھا ہے، وہی پروردگار ہے جس نے جو کچھ خلق کیا ہے اس کو ایک مخصوص حدود اور معین دائرہ میں رکھا ہے اور اپنی مخلوقات کو ان کے افعال اور صفات کے حوالے سے مکمل ضروریات کو عطا کیا ہے۔ ان کو طے شدہ ہدف کی

طرف راہنمائی بھی کر دی ہے یعنی ہر موجود کے تکوینی تکامل اور ارتقاء کی جانب سفر کی راہنمائی کر دی گئی ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت ۱۴۸ میں ہے: ''وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ'' اور ہر ایک کے لیے ایک طرف ہے جس طرف وہ منہ کرتا ہے''۔ پروردگار ہی ہے تیرا رب ہے جس نے زمین سے گھاس اگایا، نباتات اگائے، چراہ گاہیں اگائیں تاکہ اس سے جانور فائدہ اٹھائیں اور زندگی کا چراغ جلتا رہے اور پھر گھاس پھوس کو خس و خاشاک بنا دیتا ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی ربوبیت اور تدبیر کا ثبوت ہیں۔ یہ اللہ کی توحید ربوبی کے دلائل ہیں کہ اللہ ہی ہے جو رب ہے، قانون اسی کا ہے اور سارے اسی کے قانون کے تحت تکوینی طور پر چل رہے ہیں، ہر ایک کو ایک مخصوص انداز میں بنایا ہے اور اسی کے تحت رواں دواں ہیں۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ﴿۶﴾

ترجمہ: ''البتہ ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہ بھولیں گے۔''

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ﴿۷﴾

ترجمہ: ''مگر جو اللہ چاہے، بے شک وہ ہر ظاہر اور چھپی بات کو جانتا ہے۔''

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور ہم آپ کو آسان شریعت کے سمجھنے کی توفیق دیں گے۔''

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿۹﴾

ترجمہ: ''پس آپ نصیحت کیجیے اگر نصیحت فائدہ دے۔''

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ جلدی سمجھ جائے گا۔''

وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾

ترجمہ: ''اور بڑا بد نصیب (ہے جو) اس سے الگ رہے گا۔''

الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾

ترجمہ: ''جو سخت آگ میں داخل ہوگا۔''

ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰى ﴿١٣﴾

ترجمہ: ''پھر اس میں نہ تو مرے گا اور نہ جیے گا۔''

رسول اللہؐ پر مہربانیوں کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ہم تجھے ایسی قدرت دیں گے کہ تم قرآن کو صحیح اور ٹھیک پڑھ سکو گے، اس میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اور جو ہم نے تمہارے اوپر نازل کیا ہے اس میں سے کسی بھی چیز کو بھولو گے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے کہ قرآن جس طرح نازل ہوا ہے اسی طرح محفوظ رہے گا اور اس میں کوئی تحریف نہیں ہوگی۔ کیونکہ قرآن کا علم اللہ کے پاس ہی ہے اور اس پر اسی کا اختیار ہے اور اسی نے قرآن کو اپنے رسول پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار میں دیا ہے اور ان آیات میں بتا دیا ہے کہ یہ قدرت اللہ ہی کی ہے کہ جو کچھ تجھ پہ نازل ہوا ہے تو اسے بھولے گا نہیں اور یہ اللہ کا عطیہ ہے۔ خدا چاہے تو، تو بھول سکتا ہے لیکن خدا نے یہ چاہا ہے کہ جو تجھ پر نازل ہوا ہے وہ محفوظ رہے اور اس لیے اسے تمہارے لیے آسان کر دیا ہے۔ ہم ظاہری اور باطنی سب چیزوں سے آگاہ ہیں۔ ہم تجھے یہ سب کچھ بتا رہے ہیں۔ تم ہمیشہ وحی کے حوالے سے اپنے پروردگار کی اطاعت میں لگے رہو۔ ہم تمہاری مدد کرتے رہیں گے اور اپنی قدرت سے تمہیں

یہ طاقت عطا کریں گے کہ جو کچھ تم پر نازل ہو رہا ہے اس کو صحیح صحیح وصول کرو گے اور نہیں بھولو گے۔ ہم نے تیرے لیے تبلیغ کرنے کا طریقہ بھی بہت آسان کر دیا ہے۔ اس میں سے جو زیادہ آسان ہے اس کا انتخاب کرو اور ہم تجھے الہامات کریں گے تا کہ ان الہامات کے ذریعہ پیغام رسانی کا فریضہ بہترین طریقہ سے انجام دے سکو اور ان طریقوں میں سے جو سب سے اچھا لگے اس کو انتخاب کرو کیونکہ تمہاری فطرت انتہائی صاف و شفاف ہے اور تو آسان اور بہتر طریقے کے علاوہ کسی اور کا انتخاب نہیں کرے گا۔

اس کے علاوہ جہاں تم مناسب سمجھو وہاں لوگوں کو یاددہانی کراؤ کہ یاددہانی کرانا ثمر بخش ہے اور جو یاددہانی بے ثمر ہو اس کو چھوڑ دو، وہاں پر وعظ و نصیحت کرو جہاں آمادگی ہو۔ جو بھی تذکر کو قبول کرتا ہے تو سمجھ لے کہ یہ حق کی طرف تذکر اور یاددہانی ہے۔ جن افراد پر یادہانی کا کوئی فایدہ اور ثمر نہیں ہوتا وہ سنگ دل ہیں، انہیں تذکر دینے سے ان پر اتمام حجت تو ہو جائے گا مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کی مزید توضیح میں ارشاد فرمایا: کہ ان افراد کے دل میں خدا کے عذاب کا ڈر ہے اور وہ قرآن کے وسیلے سے کی جانے والی یاددہانی اور نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تذکر دینا سود مند ہے، لیکن جو لوگ سنگ دل ہیں شقی اور بدبخت ہیں اور جن کے دل میں اللہ کے عذاب کا کوئی خوف نہیں ہے، تیرے تذکر دینے سے کچھ بھی ان کو حاصل نہیں ہوتا، وہ پھر بھی حق قبول کرنے سے اجتناب کرتے ہیں تو ایسے حق گریز افراد کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے، جس کو دُنیا کی آگ سے مقایسہ نہیں کیا جا سکتا وہ دُنیا کی آگ سے سخت تر ہے اور جلانے والی ہے اور پھر وہ اس آگ میں پھینک دئے جائیں گے جو نہ ختم ہو گی اور نہ وہ اس میں آسودہ ہوں گے، ان کا عذاب ایک لمحہ کے لیے کم نہیں ہو گا اور ان کی نجات کا کوئی ذریعہ نہیں ہو گا، وہ اس جہنم میں جاودانی ہوں گے۔ وہ جہنم میں اس بیمار کی مانند ہوں گے جو لاعلاج ہوتا ہے اور اس کی صحت کی کوئی اُمید نہیں ہوتی یہ نہ مریں گے نہ جئیں گے ساری اُمیدیں ختم ہو جائیں گے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾

ترجمہ: "بے شک وہ کامیاب ہوا جو پاک ہو گیا۔"

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾

ترجمہ: "اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔"

دُنیاوی تعلقات سے دوری کا حکم

ان آیات میں دُنیاوی تعلقات کی گندگی سے خود کو پاک رکھنے، توبہ کرنے، اللہ کی طرف پلٹنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ چیزیں اس وقت انسان کے اندر آسکتی ہیں جب وہ اپنے اندر موجود مادی تعلقات کو ختم کرے اور خود کو ان سے آزاد کرے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہے، نماز پڑھے جو اسلام میں تشریع کی گئی خاص عبادت ہے اور اسلامی قانون کی پیروی کرے۔ البتہ ان آیات میں اطاعت عام ہے جو تمام اطاعتوں کو شامل ہے لیکن آئمہ اطہار سے منقول روایات اور اہل سنت کی روایات کے مطابق یہ آیات زکات فطرہ اور نماز عید الفطر کے بارے میں ہیں۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾

ترجمہ: " بلکہ تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔"

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿١٧﴾

ترجمہ: "حالانکہ آخرت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔"

اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾

ترجمہ: "بے شک یہی پہلے صحیفوں میں ہے۔"

صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ مُوۡسٰى ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''(یعنی) ابراھیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''

کامیابی کا نسخہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ دیکھو تم اپنا تزکیہ کیوں نہیں کرتے تا کہ کامیاب ہو جاؤ؟! بے باک انسان نجات نہیں پا سکتا۔ یہ دعوت انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ انسان جب دُنیاوی تعلقات میں غرق ہو جاتا ہے اور دُنیا کو آباد کرتا ہے اور دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتا ہے اور دُنیا اور آخرت کا مقابلہ کرتا ہے تو تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ آخرت برتر ہے کیونکہ وہ باقی رہنے والی ہے جبکہ دُنیا عارضی ہے۔ دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت دائمی ہے۔ یہ مطالب تمہاری یاددہانی کے لیے بیان کئے گئے ہیں تا کہ تزکیہ کرو۔ کیونکہ آخرت میں اہل تزکیہ ہی کامیاب ہیں۔ یہ باتیں اس سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابوں میں بھی بیان کی جا چکی ہیں جن میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ پر نازل کی گئی کتابیں شامل ہیں۔ لہٰذا کامیابی کا نسخہ یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کو عارضی سمجھو اور آخرت کو باقی رہنے والا گھر جانو۔ فنا ہونے والی جگہ سے باقی رہنے والے گھر کے لیے سامان تیار کرو۔ وہ سامان تقویٰ الٰہی ہے۔

سورۃ الغاشیہ

(مکی۔ کل آیات: 26)

سورہ کے مطالب

قیامت کے دن کا وصف، انسانوں کے دو گروہ ایک سعید ہے اور دوسرا شقی، سعادت مندوں کے لیے جنت اور بد بختوں کے لیے جہنم کا وعدہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ؕ‏ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''کیا آپ کے پاس سب پر چھا جانے والی (قیامت) کا حال پہنچا۔''

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ‏ ﴿۲﴾

ترجمہ: ''کئی چہروں پر اس دن ذلت برس رہی ہوگی۔''

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ‏ ﴿۳﴾

ترجمہ: ''محنت کرنے والے تھکنے والے۔''

تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ‏ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''دہکتی ہوئی آگ میں گریں گے۔''

تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ؕ‏ ﴿۵﴾

ترجمہ: ''انہیں ابلتے ہوئے چشمے سے پلایا جائے گا۔''

لَیۡسَ لَہُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِیۡعٍ ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ”ان کے لیے کوئی کھانا سوائے کانٹے دار جھاڑی کے نہ ہوگا۔“

لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ﴿۷﴾

ترجمہ: ”جو نہ فربہ کرتی ہے اور نہ بھوک کو دور کرتی ہے۔“

قیامت کی توصیف اور مجرموں کی حالت زار

اس سورہ میں قیامت کو غاشیہ کہا گیا ہے، غاشیہ کسی چیز کو ڈھانپنے کے معنی میں ہے ، قیامت کو اس لیے غاشیہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ ہر طرف سے ڈھانپ لے گی، گھیرے میں لے لے گی۔ سورہ کی ابتدا میں قیامت کی عظمت کو بیان کرنے اور اس کی اہمیت جتانے کے لیے ایک سوال پیش کیا گیا ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ کیا وہ دن جو سب کو گھیر لے گا اور سب کو اپنے دامن میں چھپا لے گا اور سب کے اوپر چھا جائے گا تو اس کی خبر تمہارے پاس پہنچی ہے؟ اس دن سارے چہرے منہ لٹکائے ہوئے ہوں گے، غم میں ہوں گے اور ذلت والا اور شرمساری والا عذاب ان کے لیے ہوگا۔ حالانکہ وہ دُنیا میں مال و متاع کو حاصل کرنے کے لیے بڑی کوشش میں لگے رہے لیکن کیونکہ ان کی یہ ساری کوششیں بے نتیجہ رہیں اور اس کا انہیں کوئی فائدہ نہ مل رہا ہوگا تو ان کے چہروں سے تھکاوٹ کے آثار نظر آرہے ہوں گے اور وہ ایسی آگ میں جائیں گے جو بہت ہی گرم ہو گی، گرم اور ابلتے چشمے سے ان کو گرم گرم پانی پلایا جائے گا اور بدمزہ قسم کی کانٹے (دار بوٹی) جو برداشت سے باہر ہے؛ وہ انہیں غذا کے طور پر کھلائی جائے گی۔ (ایسی تلخ بوٹی جو کوئی حیوان بھی نہ کھائے) اور یہی ان کی ہمیشہ کی خوراک ہو گی اور اس سے ان کا پیٹ بھی نہیں بھرے گا اور جسم بھی موٹا نہ ہوگا، ان کی بھوک نہیں

مٹ سکے گی اور یہی ان کو کھلایا جائے گا، وہ بڑی تکلیف میں ہوں گے۔ ان کے لیے یہ عذاب دُنیا میں اللہ کی دعوت کو ٹھکرانے اور کفر اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''کئی منہ اس دن ہشاش بشاش ہوں گے۔''

لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اپنی کوشش سے خوش ہوں گے۔''

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اونچے باغ میں ہوں گے۔''

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ؕ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''وہاں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔''

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۘ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''وہاں ایک چشمہ جاری ہوگا۔''

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۙ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''وہاں اونچے اونچے تخت ہوں گے۔''

وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۙ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور آبخورے سامنے چنے ہوئے پڑے ہوں گے۔''

وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۙ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اور گاؤ تکیے قطار سے لگے ہوئے ہوں گے۔''

وَّ زَرَابِيُّ مَبۡثُوۡثَةٌ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اور مخملی فرش بچھے ہوئے ہوں گے۔''

اہل بہشت کی حالت

ان آیات میں کافروں اور دُنیا پرستوں کے مدمقابل صاحبان ایمان اور صاحبان تقویٰ کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ ان کے چہرے شادمان ہوں گے، وہ خوش ہوں گے اور ان کے چہروں سے نعمت کے آثار نمایاں ہوں گے، وہ اپنے عمل کے نتیجہ سے خوش ہوں گے کیونکہ ان کے اعمال، صالح تھے۔ انہیں بہترین جزاء دی جائے گی اور ان کے اعمال کا نتیجہ انہیں ملے گا اور وہ بہت ہی بلند درجات پر فائز ہوں گے۔ ان کے لیے بہشت میں عالی شان جگہ ہو گی، وہ اس جگہ لذت اور لطف اٹھائیں گے، انہیں کوئی درد نہیں ہوگا، کوئی بے ہودہ بات بھی نہیں سنیں گے۔ بہشت میں قسم قسم کے چشمے ہوں گے، وہ تختوں پر پلنگوں پر بیٹھے ہوں گے، بڑی بلند جگہ پر تکئے لگائے ہوں گے۔

بلند کرسیوں سے ان کا بلند مقام مراد ہے۔ وہ مسہریوں پر بیٹھے ہوں گے اور ان کے سامنے پاکیزہ شراب رکھی گئی ہو گی اور ان کے پیچھے تکیئے ترتیب سے رکھے ہوئے ہوں گے اور وہ ان تکیوں کے ساتھ بیٹھیں گے، ان کے لیے بہترین قسم کے قالین بچھے ہوں گے اور ایسی خوبصورت جگہیں بنی ہوں گی جن کو دیکھ کر وہ سرور محسوس کریں گے۔

اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''پھر کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں۔''

وَاِلَى السَّمَآءِ كَيۡفَ رُفِعَتۡ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیے گئے ہیں۔''

وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے کھڑے کیے گئے ہیں۔''

وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ''اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی عالم میں تدبیر

قیامت کے دن انسانوں کے دو گروہ مومن اور کافر کے حالات کو بیان کرنے کے بعد ان آیات میں مخلوقات کے حوالے سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ربوبیت، تدبیر اور مالکیت کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے منکرین کو ڈانٹ پلائی گئی ہے، ان کو دھمکایا گیا ہے اور ان کی مذمت کرتے ہوئے ان سے کہا جا رہا ہے کہ جو اونٹ ان کی سواری ہے اور ان کے اختیار میں ہے اور ان کے کنٹرول میں ہے کیا اس کی طرف غور اور توجہ سے نہیں دیکھتے تاکہ اس کی عجیب و غریب خلقت کو دیکھ کر اس کے خالق کی قدرت کو جان سکیں؟ اگر اس کی خلقت پر ذرا غور کریں اور اس کی خلقت میں جو حیرت انگیز چیزیں ہیں ان کو دیکھیں تو وہ سمجھ جائیں گے کہ ایسے موجود کو سوائے ایک قادر اور علیم ذات کے کوئی نہیں بنا سکتا اور یہ بے فائدہ خلق نہیں کیا گیا اور بغیر مقصد کے بھی نہیں بنایا گیا اور خود بخود بھی وجود میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر سب مخلوقات میں سے اونٹ کی طرف اس لیے اشارہ کیا ہے کہ عربوں کی زندگی میں اونٹ ایک بنیادی رکن تھا۔ پھر فرمایا ہے کہ آسمان کو دیکھیں کہ کس طرح ایک حیرت انگیز شکل میں ان کے اوپر اٹھا دیا گیا ہے اور بغیر ستون کے کھڑا ہے، اور قسم قسم کے ستارے اور سورج اور چاند اس پر موجود ہیں اور زمین کی فضاء کو انسان کے لیے

سانس لینے کے قابل قرار دیا ہے اور اسے غلیظ اور آلودہ نہیں بنایا۔ ہر عقلمند انسان کو ان سب چیزوں پر غور کرنا چاہیے۔ وہ ان کو دیکھ کر خالق اور تدبیر والے اللہ کی حکمت اور اس کی قدرت کو جان جائے گا۔ پھر فرمایا کہ انسان کیوں پہاڑوں کی جانب نہیں دیکھتا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو محکم بنایا ہے اور انہیں زمین پر قائم کیا ہے اور اس کی جڑیں میخوں کی طرح زمین میں گاڑھ دی ہیں اور اس کے اندر سے چشمے اور نہریں جاری کر دی ہیں اور ان کے سینوں میں معدنیات کو محفوظ کر رکھا ہے۔

زمین کی فضائی حیات

وہ زمین کے بارے کیوں غور نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے انسان کے لیے مسطح بنایا ہے اور نوع بشر کی بقاء کے لیے اس پر قسم قسم کی نعمات قرار دی ہیں اور اس کو انسان کی سکونت کے قابل بنایا ہے۔ یہ تمام تدبیریں خالق کی طرف ان کی نسبت ہے اور ایک ہستی ایک ذات ہے جو ان سب کی تدبیر کر رہی ہے۔ تو انسانوں پر لازم ہے کہ اللہ کی ربوبیت پر ایمان لے آئیں اور اعتراف کریں اور فقط اسی کی پرستش کریں کیونکہ ان کے سامنے عالم آخرت ہے جس کے لیے انہیں قبروں سے اُٹھایا جائے گا اور اس کے بعد ان کا حساب کتاب ہوگا اور نیک و بد اعمال کے مطابق انہیں جزا اور سزا دی جائے گی۔

فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ”پس آپ نصیحت کیجیے بے شک آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں۔“

لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ”آپ ان پر کوئی داروغہ نہیں ہیں۔“

إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ’’مگر جس نے منہ موڑا اور انکار کیا۔‘‘

فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: ’’سو اسے اللہ بہت بڑا عذاب دے گا۔‘‘

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ’’بے شک ہماری طرف ہی ان کو لوٹ کر آنا ہے۔‘‘

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ’’پھر ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے۔‘‘

حساب کا دن

جب یہ طے ہو گیا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ انسانوں کا رب ہے اور ایک دن ان کا حساب بھی ہونا ہے، اس حساب کی روشنی میں انہیں جزا اور سزا بھی ملنی ہے تو اے پیغمبرؐ! انہیں ان سارے حقائق کی یاد دلاؤ۔ آپ کی ذمہ داری یاد دلانا ہے تاکہ وہ بغیر جبر کے اپنی مرضی سے ایمان لائیں، کیونکہ تم ان پر غالب و مسلط نہیں ہو، ان کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ تیرے موعظہ کو وہی افراد قبول کرتے ہیں جن کے دلوں میں خشیت ہے اور جو تیرے اس تذکر اور یاد دہانی سے منہ موڑ لیتے ہیں اور کفر اختیار کرتے ہیں تو پھر ضروری نہیں ہے کہ ان کو دوبارہ یاد دہانی کراؤ بلکہ تم بھی ان سے منہ موڑ لو، انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو اور ان کا معاملہ ہمارے سپرد کر دو تاکہ آخرت میں ہم انہیں سخت ترین عذاب سے دوچار کریں جو دُنیاوی عذاب سے کئی گنا بڑا ہے۔ ان آیات کا مضمون سورہ اعلیٰ کی آیت ۹ سے ۱۲ تک کے مشابہ ہے۔

آگے فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ سب کی بازگشت ہماری طرف ہے اور ساری مخلوقات ہمارے پاس آئیں گی اور وہاں ان کا حساب ہو گا اور ان کا احتساب اور ان کے اعمال کا جائزہ

ہمارے ذمہ ہے۔ اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ سب میری عبادت کریں، میری اطاعت کریں تاکہ عذاب سے بچ سکیں۔

سورۃ الفجر

(مکی۔کل آیات:30)

سورہ کے مطالب

دُنیا سے وابستگی اور تعلق داری کی مذمت، دُنیا پرستی کا نتیجہ کفر اور طغیان اور سرکشی، کچھ راتوں کا ذکر، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ظالموں، کافروں کا انجام اور اطاعت الٰہی کرنے والوں کا انجام اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمات کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: "فجر کی قسم ہے۔"

وَ لَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: "اور دس راتوں کی۔"

وَّ الشَّفۡعِ وَ الۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: "اور جفت اور طاق کی۔"

وَ الَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ﴿۴﴾

ترجمہ: "اور رات کی جب وہ گزر جائے۔"

ہَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾

ترجمہ: "ان چیزوں کی قسم عقلمندوں کے واسطے معتبر ہے۔"

قسموں سے مقصود

ان آیات میں فجر اور صبح کی قسم کھائی گئی ہے، اس سے یا تو ہر صبح مراد ہے یا دسویں ذوالحجہ یعنی عید قربان کی صبح مراد ہے۔ اور دس راتوں سے یا تو پہلی سے دسویں ذوالحجہ کی راتیں مراد ہیں یا ماہ رمضان کی آخری راتیں، یا اول محرم سے دس محرم کی راتیں مراد ہیں۔ شفع اور وتر سے روز ترویح مراد ہے یعنی آٹھ اور ۹ ذوالحجہ روز عرفہ۔ ہو سکتا ہے یہاں پر اس سے نماز شفع اور وتر مراد ہو جو نافلہ شب میں پڑھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد رات کے آخری حصہ کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے شب مزدلفہ یا شب عید قربان مراد ہے۔ ان سب قسموں کے بعد آخر میں فرمایا کہ اتنی ساری قسمیں عقل مند کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیونکہ جو بھی عقل مند ہے ان قسموں سے متوجہ ہو گا کہ اللہ کا امر بڑا شرافت مند ہے اور عظمت والا ہے اور اللہ نے اسی لیے اُس امر کی عظمت کی خاطر یہ قسمیں اٹھائی ہیں۔ ان آیات میں جواب قسم حذف ہے۔ لیکن سیاق سے ان قسموں کے جواب کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر خداوند تبارک و تعالیٰ مخلوقات میں سے بعض کو نعمت دیتا ہے اور بعض کو نعمت نہیں دیتا تو یہ سب امتحان کے لیے ہے۔ دوسری بات یہ کہ منکروں اور جھٹلانے والوں کے لیے عذاب ہے۔ ان ساری واضح چیزوں کو یاد کر کے انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لا سکتا ہے اور کیونکہ اللہ کی تعلیمات انبیاء کے ذریعہ انسان تک پہنچ سکتی ہیں لہٰذا اسے انبیاء کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اگر انسان ایسا نہیں کرتا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾

ترجمہ: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا۔''

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷

ترجمہ: ”جو نسلِ ارم سے ستونوں والے تھے۔“

الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝۸

ترجمہ: ”کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔“

وَ ثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹

ترجمہ: ”اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے پتھروں کو وادی میں تراشا تھا۔“

وَ فِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝۱۰

ترجمہ: ”اور فرعون میخوں والوں کے ساتھ۔“

الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۝۱۱

ترجمہ: ”ان سب نے ملک میں سرکشی کی۔“

فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ۝۱۲

ترجمہ: ”پھر انہوں نے بہت فساد پھیلایا۔“

فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝۱۳

ترجمہ: ”پھر ان پر تیرے رب نے عذاب کا تازیانہ برسا دیا ہے۔“

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝۱۴

ترجمہ: ”بے شک آپ کا رب تاک میں ہے۔“

ماضی کے بڑے فسادیوں کا عبرتناک انجام

ان آیات میں تاریخ بشریت کی ان بڑی طاقت والی بڑی قوموں کا ذکر ہوا ہے جنہوں نے زمین پر بہت زیادہ فساد کئے، حق تعالیٰ کے انکاری تھے اور انبیاء کو جھٹلاتے تھے۔ ان کی داستان میں سب انسانوں کے لیے تنبیہ ہے۔ قوم عاد جو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی جو ارم نامی ایک شہر میں رہتے تھے۔انہوں نے اس شہر کو آباد کیا تھا اس پر بڑے بڑے اونچے محلات بنائے جن کو ستونوں پر کھڑا کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ تم قوم عاد کو یاد کرو جو ارم شہر میں ساکن تھے ان کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ وہ کتنے طاقتور تھے، پوری زمین پر ان جیسا کوئی نہیں تھا اور بلند اور بالا عمارتیں انہوں نے کھڑی کی تھیں۔

قوم ثمود کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور یہ بھی بہت طاقتور قوم تھی۔ ان کی شان و شوکت تھی وہ پہاڑوں سے بڑی بڑی چٹانیں نکال کر لے آتے اور ان کو تراش کر اس سے گھر بناتے تھے۔اب ان کی کوئی نشانی باقی نہیں ہے۔ آپ نے نہیں دیکھا کہ ان کا کیا حشر ہوا؟

فرعون کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ فرعون جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا اور اپنے مخالفین کو زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھ اور پاؤں میں چار میخیں ٹھونک دیتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان ساری اقوام اور اشخاص کو سخت عذاب دیا اور ان کی شوکت اور عظمت درہم برہم ہو گئی جو جابر اور ظالم اور سرکش تھے اور ان کا فساد پوری زمین پر پھیلا ہوا تھا جہاں بھی تھے وہاں پر فساد اور فتنے میں ان کا عمل دخل تھا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال پر نظر رکھے ہوئے ہے اور ان کے کفر اور سرکشی کا باقاعدہ مؤاخذہ کرتا ہے اور ان کو ان کے اعمال کی سزا دیتا ہے کیونکہ وہ عالمین کا رب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا قانون ہے کہ جو بھی سرکشی کرے گا اس کو سزا ملے گی۔

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَكۡرَمَنِ ؕ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''لیکن انسان تو ایسا ہے کہ جب اسے اس کا رب آزماتا ہے پھر اسے عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے۔''

وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَهَانَنِ ۚ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''لیکن جب اسے آزماتا ہے پھر اس پر اس کی روزی تنگ کرتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔''

انسان کی طبعیت و مزاج

گذشتہ صفحات میں بیان ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے امتحان اور آزمائش کے لیے ان کو نعمات عطاء کرتا ہے۔ لیکن انسان جو کہ ظالم، جاہل اور اپنے اوپر زیادتی کرنے والا ہے، پروردگار جب اسے امتحان کے دائرے میں لاتا ہے اور نعمات عطا کرتا ہے اسے با عزت اور با کرامت بناتا ہے اور انسان ان نعمتوں میں خوشحال ہوتا ہے تو اس وقت وہ اپنے رب کی تعریفیں شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ نعمات جو اس کو عطاء کی گئی ہیں یہ ہمیشہ رہیں گی اور وہ ہمیشہ خوشحال رہے گا۔ لیکن جب وہ ان نعمتوں کا استعمال اس طرح نہیں کرتا جس کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ نعمت عطاء کی ہے اور شکر نہیں کرتا بلکہ کفران کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ان نعمتوں کو چھین لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان ان نعمات کا غلط استعمال کرکے اپنے لیے دوزخ نہ بنائے اور جب اللہ تعالیٰ امتحان کے لیے اس کی روزی تھوڑی تنگ کر دیتا ہے تو وہ ناشکری کرنا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے ذلیل و خوار کر دیا۔ اللہ کے ہاں کرامت کا معیار

ایمان اور عمل صالح ہے۔ تہی دستی اور دولت عارضی چیزیں ہیں اصل بات ایمان اور عمل صالح ہے۔ مال ہو یا نہ ہو، مال چھن جانا بھی امتحان ہے، اصل بات اللہ کی رضایت اور بخشش کا ملنا یا نہ ملنا ہے، نعمات دینے یا نہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ انسان آزمائش پر کتنا پورا اترتا ہے اور یہ کہ انسان کو اپنے امتحان کا نتیجہ معلوم ہو جائے کہ اگر ایمان لایا ہے اور عمل صالح انجام دیا ہے تو اس کے لیے جنت ہے، اگر ایمان نہیں لایا اور عمل صالح انجام نہیں دیا ہے تو جہنم ہے۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ''ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔''

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ''اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔''

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''اور میت کا ترکہ سب سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔''

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ''اور مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔''

انسان کی ناشکری

ایسا نہیں ہے کہ تونگری کرامت اور فقر ذلت ہو، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تم تو یتیم کا احترام نہیں کرتے ایک دوسرے کو صدقہ نہیں دیتے، مساکین اور تہی دست فقرا کی دادرسی کے لیے ایک دوسرے کو شوق نہیں دلاتے۔، جو بھی تمہارے پاس مال پہنچتا ہے بے پرواہ ہو

کر کھاتے ہو، یہ بھی نہیں دیکھتے کہ حرام ہے یا حلال۔ دوسروں سے مال کو بڑھائے چلے جا رہے ہو۔ یتیم کا مال بھی کھا جاتے ہو۔ تمہیں مال و ثروت سے بہت پیار ہے تم اس کے حصول کے لیے ہر کام کرنے کے لیے تیار ہو چاہے اللہ نے اس سے منع بھی کر رکھا ہو۔اس طرح انسان اللہ کی نعمات کی بے قدری کرتا ہے۔نعمات کا شکر بجا نہیں لاتا بلکہ کفران کرتا ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾

ترجمہ: ''ہرگز نہیں (جیسا تم سمجھتے ہو) جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔''

وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ''اور آپ کے رب کا (تخت و اقتدار) سامنے آجائے گا اور فرشتے بھی صف بستہ چلے آئیں گے۔''

وَ جِایْٓءَ یَوْمَىٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ یَوْمَىٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ''اور اس دن دوزخ لائی جائے گی، اس دن انسان سمجھے گا اور اس وقت اس کو سمجھنا کیا فائدہ دے گا۔''

یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: ''کہے گا اے کاش میں اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجتا۔''

فَیَوْمَىٕذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ''پس اس دن اس کا ساعذاب کوئی بھی نہ دے گا۔''

وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ''اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا ہوگا۔''

قیامت کے دن کا عذاب اور انسان کی آرزو

یعنی انسان کی کرامت اور قدر مال سے نہیں ہے بلکہ جب قیامت قائم ہو گی تو انسان متوجہ ہو گا کہ اس کو پیدا کرنے میں دُنیا اور دُنیا کے اسباب مقصود نہیں تھے اور اس کی زندگی کا ہدف دنیا نہیں تھی۔ اس وقت وہ آرزو کرے گا کہ اے کاش میں نے حقیقی زندگی آج کے لیے قرار دی ہوتی اور آج کے دن کے واسطے میں نے کچھ بھیجا ہوتا لیکن اس آرزو کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا اس کی آرزو اس کے عذاب کو دور نہیں کر سکے گی۔ اس وقت زمین سخت درہم برہم ہو جائے گی اور خدا کا امر آجائے گا، فرشتے صف بہ صف کھڑے ہوں گے، سارے طبیعی اسباب منقطع ہو جائیں گے، حجاب ہٹ جائے گا، جہنم گناہگاروں کے لیے آمادہ ہو جائے گی۔ انسان اس دن سمجھ جائے گا کہ دنیا میں اس نے جو کچھ کیا ہے سب اس کے لیے امتحان تھا، لیکن اس نے غلط راستے کا انتخاب کیا اور اس نے اپنے رب کی عبادت نہیں کی اور اس کی اطاعت میں کوتاہی کی۔ آج ان باتوں کو یاد کر رہا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ اس وقت مفید تھا جب وہ دُنیا میں تھا، وہ دنیا میں عمل صالح انجام دیتا، توبہ کرتا اور غلطیوں کی معافی طلب کرتا اور ایمان پر قائم رہتا تو آج پچھتانا نہ پڑتا۔ اب یہ دن توبہ کا نہیں ہے وہاں تو صرف حسرت ہو گی اور انسان کہے گا: اے کاش میں نے آخرت کی زندگی کے لیے کچھ کیا ہوتا اور میں نے وہاں کے لیے توشہ بھیجا ہوتا اور عمل صالح بجالایا ہوتا۔

آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ جو انسان دُنیا کی زندگی بے ہودہ گزارتا ہے وہ قیامت کے دن متوجہ ہوگا کہ دنیا کی زندگی بالذات مقصود نہیں تھی بلکہ وہ آخرت کے لیے ہدف

اور وسیلہ تھی۔ حق کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تھی۔ آخرت کا عذاب اتنا سخت ہو گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا گیا ہو گا، زنجیر اور بیڑیاں ایسے بندھی ہوں گی کہ کسی مجرم کو نہیں لگائی گئی ہوں گی اور کسی پر اس طرح سختیاں نہیں کی ہوں گی۔ ان آیات میں عذاب کی شدت کی طرف اشارہ ہے بعض قاریوں نے "یعذب" اور "یوثق" کو مجہول پڑھا ہے۔ اس بناپر اس کا معنی یہ ہو گا کہ قیامت کے دن ایسا عذاب کسی کو نہیں دیا جائے گا جو ان مجرمین کو دیا جائے گا۔

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: "(ارشاد ہو گا) اے اطمینان والی روح۔"

ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾

ترجمہ: "اپنے رب کی طرف لوٹ چل، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔"

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: "پس میرے بندوں میں شامل ہو۔"

وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: "اور میری جنت میں داخل ہو۔"

نفس مطمئنہ کے لیے انعام

نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو ہمیشہ اپنے رب کی یاد میں رہے اور اپنے رب سے تعلق رکھے اور اپنے رب کے ذکر سے اسے سکون ملے تو اللہ تعالیٰ نے اسے پسند کیا اور اپنی رضایت اسے دی۔ یہ وہ نفس ہے جو اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک نہیں سمجھتا اور نفع اور نقصان اس

کے لیے برابر ہے، دُنیا اور جو کچھ دُنیا میں ہے اور دُنیا کی زندگی اس کے نزدیک مجازی اور آخرت کا وسیلہ ہے۔ اس کے نزدیک تونگری اور نعمات زندگی مقصد نہیں، اسی لیے یہ نعمات اسے کفر اور سرکشی کی جانب نہیں لے جا سکتیں اور نہ ہی فقر و تنگدستی کفران کا سبب بن سکتا ہے۔ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رہتا ہے اور صراط مستقیم سے انحراف نہیں کرتا اور ایک لمحہ کے لیے بھی صحیح راستے سے منحرف نہیں ہوتا۔ یہ نفس مطمئنہ کے اوصاف ہیں۔ ایسا نفس اسی اطمیان کے ساتھ بہشت میں داخل ہوگا۔ موت کے لحظات میں اسے خطاب ہوگا کہ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی جانب پلٹ جا جبکہ تیرا رب تجھ سے راضی ہے۔ تو بھی تکوینی اور تشریعی اعتبار سے اپنے رب سے راضی تھا۔ تو دنیاوی ناخوشگوار واقعات سے بے آرام نہیں ہوتا تھا اور کوئی معصیت نہیں کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہے، تو نے اپنی زندگی میں اللہ کی بندگی کی تھی اور اللہ کی بندگی سے انحراف نہیں کیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ کے تکریم کی خاطر براہ راست اسے خطاب کرتا ہے کہ تو راضی و خوشی خوشی میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں آجا۔ لہٰذا نفس مطمئنہ اللہ کے ان بندوں میں سے ہے جو مقام عبودیت کو پا لیتے ہیں۔ یہ کلام حقیقت میں اس کی عبودیت کی تائید ہے کہ وہ سچا عبد ہے اور عبد کی منزل اس کے لیے معین ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ جب آدمی اپنے آپ کو مستقل نہ سمجھے اور سب کچھ کو فانی جانے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خود کو غرق سمجھے تو پھر اس کے لیے دُنیا اور دُنیا میں جو کچھ ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی ہے اور ایسا شخص عبودیت کا کامل مظہر ہوتا ہے۔[1]

---

[1] ۔ جب مومن کی موت کا وقت آجاتا ہے اور وہ حالت نزع میں ہوتا ہے تو ملک الموت اسے کہتا ہے اے ولی اللہ پریشان نہ ہو اللہ کی قسم جس نے محمد ﷺ کو مبعوث کیا میں تیرے لیے مہربان تر ہوں اور توں اپنی آنکھیں کھول۔ مومن جب آنکھیں کھولے گا تو محمد ﷺ، امیر المومنین علیہ السلام امام حسن و حسین علیہم السلام اور ان کی آل، اولاد، ذریت نظر آئیں گے۔ پس مومن خوشحال ہو جائے گا، اس کی روح کو آواز دی جائے گی اور کہا جائے گا اے نفس مطمئنہ ان سب کو دیکھنے کے بعد تجھے

سورۃ البلد

(مکی۔ کل آیات:20)

سورہ کے مطالب

انسان کی خلقت کے متعلق بیان، اس کی خلقت کی بنا تکلیف و مشقت اور رنج و غم پر ہے، حقیقی ہدف آخرت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”اس شہر کی قسم ہے۔“

وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”اور آپ اس شہر میں مقیم ہیں۔“

وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ”اور باپ کی اور اس کی اولاد کی قسم ہے۔“

اطمینان ہو گیا؟ اپنے پروردگار کی طرف آجا کہ تو ولایت سے راضی ہے اور تیرا پسندیدہ ثواب تیرے لیے ہے میرے بندوں میں شامل ہو جا، محمد ﷺ اور اہل البیت علیہم السلام کے گروہ میں آجا۔ اس وقت کوئی چیز اس مومن کے لیے برتر نہیں ہو گی وہ چاہے گا کہ فوراً اس کی روح قبض ہو جائے۔ (فروع کافی، جلد ۱۰۰)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝۴

ترجمہ: ''کہ بے شک ہم نے انسان کو مصیبت (مشقت و تکلیف) میں پیدا کیا ہے۔''

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۵

ترجمہ: ''کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی ہر گز قابو نہ پاسکے گا۔''

انسان کی خلقت کے بارے

یہاں پر بلد سے مبارک شہر مکہ مراد ہے۔ اگرچہ قسم کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے میرے حبیب! میں اس شہر کی قسم اٹھا کر کہہ رہا ہوں جس شہر میں تم رہتے ہو اور تیری اقامت کی وجہ سے اس کا احترام اور اس کی شرافت بڑھی ہے۔[1] اور عظیم المرتبہ باپ حضرت ابراہیمؑ کی قسم جو ایک شیر خوار بچے کو اس کی ماں کے ساتھ تنہا ویرانے میں چھوڑ گئے اور پانی دانہ ختم ہو گیا اور پانی کی تلاش کے لیے بی بی صفا و مردہ کے درمیان گئیں اور اللہ کے کرم سے اسماعیلؑ کی ایڑیوں کے نیچے سے زم زم کا چشمہ نکلا جس میں غذائیت بھی تھی اور پیاس بجھانے کا انتظام بھی تھا۔ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قسم۔ اس سب کا تذکرہ کرکے اللہ تبارک و تعالیٰ فرمارہا ہے کہ انسان کو سختی اور مشکل اور تکلیف کی حالت میں خلق کیا گیا ہے یعنی انسان کی پیدائش سے مرنے تک وہ مشقتوں میں ہوتا ہے، انسان کی زندگی دُنیا کی مشقتوں میں گھری ہوئی ہے اور یہ کسی بھی عقل مند سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس فانی دُنیا کی لذات اور نعمات مختلف قسم کے رنج و تکالیف اور مصائب کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اس

---

[1]۔ تفسیر کشاف کی جلد ۴ میں ہے کہ یہ عبارت کنایہ ہے فتح مکہ کی بشارت کے بارے میں اور عنقریب یہ شہر حرم امن ہو گا اور توں جو ہے اس میں آکے ٹھہرے گا اور احرام کھول کر رہائش رکھے گا کفار کے ساتھ تیری جنگ ہو گی اور مکہ کو تو فتح کرلے گا۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

کے آگے پیچھے سب تکالیف ہی ہیں۔ تھوڑی سے لذت کے لیے کتنی تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں۔
اس کے بعد فرمایا: کہ کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ انسان پر کسی کی قدرت نہیں ہے؟ اس پر کوئی غالب نہیں ہے؟ حالانکہ وہ طبیعت و مزاج میں ایسا خلق ہوا ہے کہ ہمیشہ الٰہی فیصلوں کے سامنے مغلوب ہے اور اللہ کا ارادہ ہر سو جاری ہے، اللہ کے ارادے نے اسے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے اور خداوند ہی ہے جو قدرت رکھتا ہے کہ جیسا چاہے انسان میں تصرف کرے۔

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝٦

ترجمہ: ”کہتا ہے کہ میں نے مال برباد کر ڈالا۔“

أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ۝٧

ترجمہ: ”کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔“

انسان کی متکبرانہ سوچ

اللہ تعالیٰ پہلے مطلب کو جاری رکھتے ہوئے فرمارہا ہے، انسان جو یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی اور قادر نہیں ہے اور اس کا یہی خیال سبب بن جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ سے بھی بڑا بنا بیٹھتا ہے جو اس کا خالق ہے اور کچھ خرچ کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے اور اپنے تھوڑے سے خرچ کرنے کو بہت زیادہ سمجھ بیٹھتا ہے اور اللہ پر احسان جتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے بہت زیادہ مال اپنے ہاتھ سے دے دیا ہے حالانکہ اس شخص نے اسلام کی طرف رخ کیا ہے اور اپنا تھوڑا سا مال خرچ کیا ہے اور منت چڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس راہ میں بہت زیادہ مال لگا دیا ہے۔ یہ آیات جو جاہل انسان کی شان میں ہیں اسے بتایا جارہا ہے کہ وہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کے انفاق اور خرچ کرنے سے غافل ہیں، ہمیں نہیں پتہ کہ اس نے کیا خرچ کیا ہے؟ حالانکہ اللہ جانتا ہے اور اللہ کی اس کے تھوڑے مال پر بھی نگاہ ہے اور

زیادہ پر بھی نگاہ ہے۔اس قسم کا انفاق کامیابی کا سبب نہیں ہے اور نہ ہی خوشگوار زندگی کے لیے کافی ہے۔ بلکہ انسان کو چاہیے کہ عبادت کے راستے میں مشقت او ر تکلیف اٹھائے اور اپنے نفس کو مشقت میں ڈالے اور اللہ کی بندگی میں جو تکالیف ہیں اور جو اللہ کی بندگی میں اس کے فرائض بنتے ہیں ان کو انجام دے اور مختلف دشوار گزار دروں سے گزرے تاکہ اس کا آئندہ آرام سے گزرے۔ یہاں تکالیف اٹھائے گا تو قیامت کے دن آرام اور سکون میں ہو گا۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ﴿٨﴾

ترجمہ: ''کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔''

وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ﴿٩﴾

ترجمہ: ''اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے۔''

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ﴿١٠﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے اسے دونوں راستے دکھائے۔''

انسان پر اللہ کے احسانات

نجد بلندی کی طرف جانے والے راستے کو کہتے ہیں اور یہاں پر یہ خیر و شر سے کنایہ ہے۔ خیر و شر کے راستے سے گزرنے کے لیے تکالیف و مشقتوں سے گزرنا ہو گا۔ ہم نے انسان کو دو آنکھیں دیں جس سے وہ نظر آنے والی چیزیں دیکھ سکتا ہے، ہم نے اسے زبان دی اور اس کے اوپر دو لب قرار دیئے تاکہ وہ اس کے ذریعہ بات کر سکے اور گفتگو کے ذریعے تعلق قائم کر سکے اور ہم نے اسے خیر و شر کی تعلیم دی ہے۔ انسان فطرتاً خیر و شر میں امتیاز کر سکتا ہے۔ سورہ شمس کی آیت ۷ اور ۸ میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ﴿٧﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۙ﴿٨﴾

ترجمہ: ''اور جان کی اور اس کی قسم جس نے اس کو درست کیا، پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔''

یعنی یہ تینوں آیات سورہ شمس کی آیت نمبر ۷ پر حجت و دلیل ہیں اور اس معنی کو بیان کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، ان کے ضمائر کو جانتا ہے، ان کی اچھائی اور برائی سب سے آگاہ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اسے دیکھنے کی صلاحیت اس نے دی ہے اور وہ آنکھیں اس کو دکھاتی ہیں تو پھر انسان کس طرح کہہ سکتا ہے کہ اس نے نہیں دیکھا؟ اللہ تعالیٰ انسان کی اندرونی نیات کو بھی جانتا ہے اور دوسروں کو اس سے آگاہ کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کے باطن سے آگاہ ہے اور اس بارے دوسروں کو بھی آگاہ کرتا ہے تو اپنے بندوں کے باطن سے کیسے آگاہ نہ ہو؟ یعنی جب انسان آپس میں بات کر رہے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی بات سن رہے ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے دل کی بات دوسرے کو بتا رہا ہوتا ہے تو جب ایک مخلوق ایسا کر سکتی ہے تو خالق کیسے ان کے باطن سے آگاہ نہ ہو؟ جب خداوند متعال نے اسے خیر و شر کا الہام بھی کر دیا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ خود خیر و شر سے آگاہ نہ ہو؟ ایسا نہیں ہے!

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''پس وہ (دین کی) گھاٹی میں سے نہ ہو کر نکلا۔''

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔''

فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''گردن کا چھوڑانا۔''

أَوْ إِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''یا بھوک کے دن میں کھلانا۔''

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''کسی رشتہ دار یتیم کو۔''

أَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''یا کسی خاک نشین مسکین کو۔''

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''پھر وہ ان میں سے ہو جو ایمان لائے اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور رحم کرنے کی وصیت کی۔''

أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''یہی لوگ دائیں والے ہیں۔''

اللہ کی رضا کے حصول کا معیار

''اقْتَحَمَ'' کسی چیز میں تیزی سے داخل ہونے کو کہتے ہیں جیسے بھیڑ میں بندہ داخل ہوتا ہے۔ ''الْعَقَبَةَ'' سنگلاخ اور دشوار راستہ۔ جیسے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنا۔ ''اقْتَحَمَ'' اُن مصائب اور مشکلات کی جانب اشارہ ہے جو انسان کے لیے سخت ہیں جیسے مال کو دوسروں پر خرچ کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ وہ شخص کہتا ہے کہ اس نے بہت سارا مال اسلام کی راہ میں خرچ کردیا ہے۔ اس نے دشوار راستے کو عبور نہیں کیا ہے کیونکہ اس کے لیے انفاق نہایت

سخت ہے اور اس کے انفاق میں اللہ کی رضا شامل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ راستہ بہت عظیم الشان ہے، بہت قابل قدر ہے اور اس کو طے کرنا ہر ایک کے بس میں نہیں ہے اور پھر اس دشوار اور سخت عمل کا وصف خود اللہ نے بیان کیا ہے۔ اس میں پہلی بات بتائی ہے کہ غلام کو بندگی کی قید سے آزاد کرانا۔ یتیم رشتہ دار کو کھانا کھلانا، خاک نشین مسکین کو قحط کے ایام میں کھانا کھلانا۔ اس شخص نے کسی پر خرچ نہیں کیا نہ کوئی غلام آزاد کیا نہ قحط کے ایام میں کسی کو کھانا دیا نہ یتیم کو دیا نہ مسکین کو دیا تو کس طرح وہ اللہ کی رضا لے سکتا ہے اور کس طرح ان میں سے ہو سکتا ہے جو ایمان لائے ہیں؟ ایمان لانے والے ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں، فقیر پر مہربان ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو اس کی سفارش کرتے ہیں۔ ہر ''الْعَقَبَة ''کی جانب قدم اٹھاتے ہیں یعنی مشکل سے مشکل کام کر گزرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہیں، صبر کی تلقین کرتے ہیں، مہربان ہوتے ہیں، وہی برکت والے ہیں، وہی سعادت مند ہیں، وہی ہیں جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ عمل ہوگا۔ وہ ایمان اور عمل صالح آخرت کے لیے بھیجتے ہیں اور یہ ہی وہ ہیں جن کو رضائے خدا حاصل ہے اور یہی بابرکت ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۝۱۹

ترجمہ: ''اور جنہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا وہی بد بخت ہیں۔''

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝۲۰

ترجمہ: ''انہیں پر چاروں طرف سے بند کی ہوئی آگ ہے۔''

نافرمان کی سزا

ان آیات میں اس چیز کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی تمام آفاقی اور انفسی آیات جو پورے عالم میں ہیں وہ توحید ربوبی اور توحید الوہی پر دلیل ہیں۔ وہ سب توحید پر دلالت کرتی

ہیں اور کفار کی باتوں کو رد کرتی ہیں وہ کفار جو اللہ کا کفر کرتے ہوئے اللہ کی نشانیوں اور قرآن کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے جو بھی پیغام آیا ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرمارہا ہے کہ ہماری آیات کا انکار کرنے والے نحوست والے ہیں، بدبخت اور شقی ہیں، جن پر ہر طرف سے آگ ان پر چڑھ دوڑے گی اور ہر طرف سے انہیں گھیر لے گی کیونکہ انہوں نے خدا اور اس کے رسولؐ کا انکار کیا ہے، یہ ان کی سزا ہو گی۔

سورۃ الشّمس

(مکی۔ کل آیات: 15)

سورہ کے مطالب

اللہ کی بعض نشانیوں کا تذکرہ، انسان کی کامیابی کا حوالہ، گناہوں اور برائیوں سے پاک رہنے کا طریقہ، قوم ثمود اور اس کی سزا کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰہَا ۪ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''سورج کی اور اس کی دھوپ کی قسم ہے۔''

وَ الۡقَمَرِ اِذَا تَلٰہَا ۪ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے۔''

وَ النَّہَارِ اِذَا جَلّٰىہَا ۪ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور دن کی جب وہ اس کو روشن کر دے۔''

وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰہَا ۪ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور رات کی جب وہ اس کو ڈھانپ لے۔''

وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰہَا ۪ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور آسمان کی اور اس کی جس نے اس کو بنایا۔''

وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا طَحٰہَا ۪ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''اور زمین اور اس کی جس نے اس کو بچھایا۔''

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷

ترجمہ: ''اور جان کی اور اس کی جس نے اس کو درست کیا۔''

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸

ترجمہ: ''پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔''

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹

ترجمہ: ''بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنی نفس کو پاک کر لیا۔''

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰

ترجمہ: ''اور بے شک وہ غارت ہوا جس نے اس کو آلودہ کر لیا۔''

کامیاب اور ناکام انسان

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے قسم ہے سورج کی اور اس کے نور کی جب وہ پھیل جاتا ہے۔ جیسے ایمان کا نور انسان کے دلوں پر پھیل جاتا ہے اور آدمی کے نفوس کو زندگی دیتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورج کو انسان کے اختیار میں دیا ہے یعنی انسان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور وہ اس کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ انسانوں کی حیات، خورشید کے نور سے وابستہ ہے اور اسی سے ہی نباتات اگتی ہیں، اسی کے گرد زمین گردش کرتی ہے اور انسان کی زندگی اور اس کی معیشت سورج کے نور سے ہی وابستہ ہے۔ اور چاند کی قسم جو سورج کے پیچھے آتا ہے اور طلوع کرتا ہے، یا قسم ہے چاند کی جو اپنا نور سورج سے لیتا ہے۔ دن کی قسم ہے جب وہ زمین پر ظاہر ہوتا ہے اور ہر جگہ پر روشنی دیتا ہے، رات کی قسم ہے جب وہ زمین کو گھیر لیتی ہے۔ ان آیات

میں فعل مضارع استعمال ہوا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ ان آیات کے نزول اور دعوت اسلامی کے آغاز کے وقت گناہوں کی تاریکی تھی اور زمین میں فسق و فجور چھا چکا تھا۔ قسم ہے مضبوط آسمان کی، اسے جس نے بنایا ہے عجیب بنایا ہے، زمین کی قسم جس کو ایک طاقتور نے پھیلایا ہے۔ حضرت حق تعالیٰ نے یہاں پر "مَنْ" کی جگہ "مَا" کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ اس کی بزرگی اور بڑائی اور وسعت اور اس کی حیرت انگیز ایجاد کی طرف اشارہ ہو۔ نفس کی قسم جسے ایک دانا، علیم اور حکیم ذات نے اس طرح خلق کیا ہے۔ اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، ان میں توازن ہے۔ نفس سے مراد انسانی نفس ہے یہاں پر اسے تمام انسانوں کی جان مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ نفس کی خلقت میں ہی یہ چیز رکھ دی گئی کہ اس کو تقویٰ اور فجور کا الہام کر دیا گیا ہے۔

فجور ان اعمال کو کہتے ہیں جس سے دین کی حرمت کا پردہ چاک ہو۔ انسان معصیت کا ارتکاب کرکے گناہ کو انجام دے کر شریعت کی نواہی کی خلاف ورزی کرکے دین کی حرمت کو ختم کر دیتا ہے۔

تقویٰ اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچاتا ہے اور خوف میں ہوتا ہے اور اپنے کو حفاظت میں لے آتا ہے۔ لہٰذا تقویٰ سے مراد فجور سے دور رہنا اور ایسے عمل سے دور رہنا ہے جو نفس کے کمال تک پہنچنے کے منافی ہے اور یہ وہی ورع اور محرمات سے خود کو بچانا ہے۔

الہام کا معنی ہے انسان کے دل میں خبر اور آگاہی اور علم اور فیصلہ کا آ جانا، اس کا ضمیر اسے کہہ رہا ہوتا ہے کہ یہ اچھائی ہے اسے کرو اور یہ برائی ہے اسے نہ کرو۔ یہ اللہ کی جانب سے ہے اور یہ ایک قسم کی علمی تصاویر ہیں کہ ہر تصور یا تصدیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر ایک کے دل میں ڈال دی ہے اور خداوند تعالیٰ نے تقویٰ اور فجور انسان کے نفس کو الہام کر دیا ہے۔ خدا نے انسان کے عمل کو اس کے لیے پہچان کروائی ہے اور خود انسان فطری طور پر متوجہ ہوتا

ہے کہ وہ جو عمل کر رہا ہے یہ اطاعت الٰہی ہے اور تقویٰ ہے یا یہ عمل جو کر رہا ہے فجور اور اللہ کی معصیت ہے۔ ہر انسان عقل سلیم سے یہ تشخیص دے سکتا ہے کہ یتیم کا مال کھانا برا ہے اور اپنا مال کھانا جائز ہے۔ یہ مفاہیم اس کے لیے بہت واضح ہیں۔ اسے پتہ ہے کہ کسی کو اذیت دینا اور اس کے راستے میں کانٹے بچھانا برا ہے اور کسی کے راستے سے کانٹے ہٹانا اچھا عمل ہے۔

ان تمام قسموں کے جواب میں فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کا تذکیہ کر لیا وہ کامیابی کو پہنچ گیا اور وہ نفس کو کمال کی طرف لے گیا اور جس نے اسے ضائع کر دیا وہ ناکام ہوا۔ فلاح یعنی رستگاری، مطلب کو پالینے میں کامیاب ہونا۔ ہدف تک پہنچ جانا۔

"خیبت" یعنی کامیابی کو نہ پانا، ہدف تک نہ پہنچنا۔

تزکیہ کا معنی ہوتا ہے بڑھوتری، رشد، ترقی، نمو، یعنی اچھائی، برکت کا نمو، ثمر بخش ہونا۔

"تدسیہ" یعنی کسی چیز کا پنہاں شکل میں دوسری میں داخل ہو جانا۔ انسان اپنے نفس کو اس طرف لے جائے جو انسان کے نفس کی طبیعت کا تقاضا نہیں ہے، یعنی اسے کمال کے راستہ کی طرف نہ لے جائے اور اس طرح اپنی رشد و ترقی اور نمو کے لیے رکاوٹ بن جائے۔ اس لیے فرمایا کہ انسان کے نفس کا کمال اس میں ہے کہ وہ فطرتی طور پر فجور کو تقویٰ سے جدا کرے، دین تو یہی ہے کہ انسان خود کو ان امور میں جو خدا نے ان سے چاہے ہیں خدا کے سامنے تسلیم کر دے۔ یہی انسان کی فطرت ہے۔ انسان اپنے نفس کو تقویٰ سے آراستہ کرے تو یہی تزکیہ نفس ہے یعنی اس کی صالح تربیت کرے۔ اچھی تربیت کرے اور اس طرح اس کی نسل میں بھی اضافہ ہوگا۔ لیکن اگر فسق و فجور سے نہ بچے تو اس طرح نفس ضائع ہو جائے گا اور بقا خطرے میں پڑ جائے گی۔ انسان کا نفس خیر اور شر پر مبنی ہے اور ان دونوں کے لیے اس کی آمادگی برابر ہے۔ جس طرح انسان اپنے نفس کو کمال کی طرف لے جانے، اس کی تربیت کرنے اور اسے کامیاب بنانے پر بھی قادر ہے اسی طرح خیر کے اسباب کو کمزور بنانے اور نفس

کو اس کے خلاف لے جانے اور اپنے لیے خسارہ و نقصان حاصل کرنے پر بھی قادر ہے۔ انسان کی کامیابی اور ناکامی اس کی اپنے اختیار میں ہے۔ گیارہ قسموں کے بعد جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہشات تلے روند ڈالا تو وہ ناکام ہوا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿١١﴾

ترجمہ: ”ثمود نے اپنی سرکشی سے (صالح کو) جھٹلایا تھا۔“

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿١٢﴾

ترجمہ: ”جب کہ ان کا بڑا بدبخت اٹھا۔“

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿١٣﴾

ترجمہ: ”پس ان سے اللہ کے رسول نے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے بچو۔“

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿١٤﴾

ترجمہ: ”پس انہوں نے اس کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر ان پر ان کے رب نے ان کے گناہوں کے بدلے ہلاکت نازل کی پھر ان کو برابر کر دیا۔“

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿١٥﴾

ترجمہ: ”اور اس نے اس کے انجام کی پروا نہ کی۔“

نبی صالح کی قوم کا انجام

یہ آیات بطور گواہ لائی گئی ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کو ضائع کرتا ہے، اپنے نفس کی فطرت کے خلاف تربیت کرتا ہے تو وہ رسوا ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل کے طور پر قوم ثمود کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ قوم ثمود نے سرکشی کی، اپنے نفس کو خواہشات کا پیرو بنایا، اپنے پیغمبر نبی صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور لوگوں کے بھڑکانے پر اس زمانے میں اس قوم کے بدبخت ترین فرد قدار بن سالف نے ناقہ اللہ جو کہ اللہ کی آیات سے ایک معجزہ تھا اور خود لوگوں نے درخواست کی تھی اور پہاڑ سے نکلی تھی اس کا بچہ بھی تھا اس کو قتل کر دیا۔ اس ناقہ کا ماجرا یہ تھا کہ لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ اگر پیغمبر ہو تو اللہ سے کہو کہ ایک مادہ اونٹ پہاڑ سے باہر آئے۔ جب حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی اور ایک بڑے جسم والی مادہ اونٹنی، پہاڑ سے باہر آئی تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: کہ یہ اللہ کا معجزہ اور آیت ہے۔ اس کو پانی سے سیراب کرو۔ ایسا لگتا ہے وہاں ایک نہر تھی، حضرت صالح علیہ السلام نے کہا: کہ ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے گی اور ایک دن لوگ وہاں سے پانی پئیں گے۔ اور جس دن اونٹنی نے پانی پینا ہوتا تھا اس دن لوگ اونٹنی کے دودھ سے اپنے آپ کو سیراب کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی کہ اس اونٹنی کو تکلیف نہ دینا اور اسے قتل نہ کر دینا اور پانی کی باری کے مختص دن میں تصرف نہ کرنا۔ لیکن انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور اونٹنی کا سر قلم کر کے اسے مار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گناہ کی سزا دی اور اس پورے قبیلے کو خاکستر کر دیا اور ان کی نسل ہی ختم ہو گئی اور ان کے آثار نہ رہے۔ ان کو سزا دینے میں اللہ نے پرواہ بھی نہ کی کیونکہ اس پورے عالم کے سارے امور اللہ کے حکم اور ارادے سے ہیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ الانبیاء کی آیت ۲۳ میں فرمایا ہے:

''لَا يُسْاَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْاَلُوْنَ''

ترجمہ: ''جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جاتا، (جبکہ دوسرے لوگ جو کچھ کرتے ہیں تو) اور ان سے پوچھا جاتا ہے''

بعض مفسرین [1] نے اس آیت کا معنی اس طرح کیا ہے کہ جس نے اس ناقہ کو قتل کیا وہ اپنے برے عمل کے سخت انجام سے نہ ڈرا۔ یا حضرت صالح علیہ السلام ان کے اس جرم پر ان کی ہلاکت اور ان کے انجام سے نہ ڈرے کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کو اپنی نجات کا اطمینان تھا۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے آپؐ نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا کہ ''اے علیؑ گذشتہ اقوام میں صالحؑ نبی کی ناقہ کا قاتل شقی ترین آدمی تھا اور آئندہ آنے والوں میں تیرا قاتل شقی ترین ہوگا۔''

---

[1] ۔ مجمع البیان، جلد ۱۰۔

سورۃ الیل

(مکی۔کل آیات: 21)

سورہ کے مطالب

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں کنجوسی کرنے کے خطرناک نتائج، کفار اور نافرمانی کرنے والوں کی بدبختی اور ان کے عذاب کا ذکر اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اہل تقویٰ اور پرہیزگاروں، نعمتوں پر شکر بجانے والوں کے لیے اچھا وعدہ اور ان کی جزا کا تذکرہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''رات کی قسم ہے جب کہ وہ چھا جائے۔''

وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور دن کی جبکہ وہ روشن ہو۔''

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور اس کی قسم کہ جس نے نر و مادہ کو بنایا۔''

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۭ﴿۴﴾

ترجمہ: ''بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے۔''

انسان کی سعی و کوشش کے متعلق بیان

اس سورہ میں جن چیزوں کی قسم اٹھائی گئی ہے ان میں ایک تو رات کی قسم ہے جب وہ دن پر چھا جاتی ہے اور یا جب وہ سورج پر چھا جاتی ہے یعنی اس کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہے اور دن کی قسم جب ظاہر ہوتا اور روشن ہو جاتا ہے اور پردے میں چلی گئی ساری چیزیں آشکار ہو جاتی ہیں۔ دن اور رات کا سسٹم عظیم بھی ہے اور بہت اعجاز انگیز بھی۔

پھر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو جنس بنائی ہیں نر اور مادہ۔ ایک ہی قسم ہے لیکن ان کو دو طرح کا بنایا ہے ایک کو نر بنایا ہے اور دوسرے کو مادہ بنایا ہے۔ بعض نے لفظ "ما" کو "ما" مصدریہ قرار دیا ہے اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ قسم ہے نر اور مادہ کی خلقت کی۔

ان قسموں کو بیان کرنے کے بعد جن میں خلقت کے متفرق واقعات جیسے دن اور رات ہے ایک ہی نوع کے نر اور مادہ ہیں اور ان کے جو اثرات ہیں وہ بھی متفرق ہیں ان کے کاموں کی نوعیت بھی ایک دوسرے سے فرق کرتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جو کوشش کرتے ہو، محنت کرتے ہو، عمل کے اعتبار سے بھی تمہارے اعمال ایک جیسے نہیں ہوتے، بعض اعمال میں تقویٰ ہے، اللہ کے پیغامات کی تصدیق ہے، اللہ کے احکامات کی پیروی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں ابدی کامیابی ہے اور بعض اعمال ایسے ہیں جس میں بخل ہے، کنجوسی ہے، خود کو بے نیاز سمجھنا ہے اللہ کی دعوت کو جھٹلانا ہے کفر کرنا ہے۔ تو ظاہر ہے اس کا نتیجہ بھی اسی طرح کا ہوگا یعنی ہمیشہ کی بدبختی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: "پھر جس نے دیا اور پرہیزگاری کی۔"

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''اور نیک بات کی تصدیق کی۔''

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝

ترجمہ: ''تو ہم اس کے لیے جنت کی راہیں آسان کر دیں گے۔''

یہاں اعطیٰ سے مراد اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے اور تقویٰ سے اس روش کے مطابق خرچ کرنا مراد ہے، یعنی خرچ کرنے کے بعد احسان نہ جتانا۔ تصدیق حسنی سے اللہ تعالیٰ کے ثواب کے وعدہ پر یقین رکھنا اور اس کی تصدیق کرنا مراد ہے اور یہ کہ خرچ کیے ہوئے کا بدلہ لوگوں سے نہیں چاہتے بلکہ ان کا خرچ کرنا اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔ ایسی تصدیق اور اللہ کی توحید ربوبی اور توحید الوہی کا لازمہ یہ ہے کہ اطاعت بھی اسی کی ہو۔ اس رب کی تصدیق کرے اور اس کے جو پیغمبر آئے ہیں اور جو پیغام وہ لائے ہیں اس کی بھی تصدیق کرے، قیامت کی بھی تصدیق کرے۔ تیسیر کا معنی آمادہ کرنا اور کسی چیز کے لیے مہیا ہونا ہے۔ اور (یسری) کا معنی ایسی خصلت ہے جس کی وجہ سے آسانی ہو۔ جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور ثواب حاصل کرنے کے لیے اپنے مال کو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے، جو اس نے اللہ کے رسول کی زبان سے سن رکھا ہے اس کی تصدیق کرتا ہے اور ایک سعادت مند زندگی کے لیے خود کو آمادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی میں جانے کا قصد رکھتا ہے تو اسے صالح اعمال انجام دینے کی توفیق ملے گی اور کامیابی ہو گی اور وہ سعادت ابدی کو پالے گا۔

وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۝

ترجمہ: ''اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پروا رہا۔''

وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝

ترجمہ: ''اور نیک بات کو جھٹلایا۔''

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ⑩

ترجمہ: ''تو ہم اس کے لیے جہنم کی راہیں آسان کردیں گے۔''

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ⑪

ترجمہ: ''اور اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا جب کہ وہ گھڑے میں گرے گا۔''

گذشتہ آیات اہل ایمان کے متعلق تھیں۔ یہ آیات اس شخص کے متعلق ہیں جو مال خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے، مال اکٹھا کرتا ہے، ثروت کماتا ہے اور خداوند تبارک و تعالیٰ کے اس وعدے کو جھٹلاتا ہے جس میں اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اچھی جزا کا وعدہ کر رکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاد اور قیامت کا ہی منکر ہے۔ ایسے شخص کو ہم صالح اعمال کی توفیق ہی نہیں دیتے اور اس کو سختیوں اور دشواریوں سے دوچار کردیں گے تاکہ وہ عذاب کے اعمال آمادہ کرے۔ وہ کسی بھی وقت قبر کے گڑھے میں جا گرے گا، اس وقت اس کا مال اسے کچھ فائدہ نہ دے گا۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ⑫

ترجمہ: ''بے شک ہمارے ذمے راہ دکھانا ہے۔''

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ⑬

ترجمہ: ''اور بے شک ہمارے ہی ہاتھ میں آخرت بھی اور دنیا بھی ہے۔''

ان آیات میں سابقہ آیات میں بیان شدہ مومنین اور کفار کی صفات کی دلیل اور وجہ بیان کی جارہی ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے لیے آسانی پیدا کرنا اور اس کی راہ

میں خرچ کرنے میں کنجوسی کرنے والوں کے لیے مشکلات کھڑی کرنا اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر چلنے والوں کی راہنمائی کرے، اب اس وعدے کے مطابق جو لوگ اس راستے کو اپنائیں اور اس پر چلیں ظاہر ہے اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا۔ یہاں پر ہدایت راستہ دکھانے کے معنی میں ہے۔ اگر اس کا معنی مطلوب و مقصد تک پہنچانا ہو تو ہدایت الٰہی اس معنی میں ہو گی کہ جب انسان اچھے اعمال بجالاتا ہے، عبودیت کی صفت میں اس میں آجاتی ہے، عمل صالح بجالاتا ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ تبارک و تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں حیات طیبہ دے دیتا ہے اور اسے اس مقصد تک پہنچا دیتا ہے۔ اور جو کافر اور خبیث ہیں جن کے اعمال برے ہیں تو وہ بھی اپنے ہدف کو پہنچ جاتے ہیں اور ان کا ہدف جہنم ہے۔ لہٰذا ہدایت سے مراد مقصد تک پہنچانا ہو تو پھر یہ ہدایت تکوینی ہے اور یہ فقط اللہ تعالیٰ کا کام ہے کیونکہ ایجاد اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہدایت کا معنی فقط راستہ دکھانا ہو تو اس سے مراد ہدایت تشریعی ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے ذریعے اللہ نے ان کو راستہ دکھایا ہے لیکن اس راستے پر انہوں نے خود چلنا ہے البتہ اس راستے پر چلنے کے اعمال کی تاثیر اللہ کے اذن سے ہے۔ ہماری نظر میں ہدایت سے مطلق ہدایت مراد ہے، ہدایت تکوینی بھی ہے ہدایت تشریعی بھی ہے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں اور وہی ان کا انتظام کرتا ہے۔

آخر میں فرمایا کہ کائنات کا آغاز اور اختتام پہلی خلقت اور دوبارہ کی خلقت سب ہمارے ہاتھ میں ہے۔ عالَم وجود کی تمام اشیاء اللہ کی مملوک ہیں اور سب اشیاء اللہ کے ارادے سے ہی قائم ہیں وہ حقیقی مالک ہے اس کا پورے عالَم پر تصرف ہے اور کوئی اس کے سامنے رکاوٹ کھڑی کرنے والا نہیں ہے کوئی چیز اس پر غالب نہیں آسکتی۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''پس میں نے تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے۔''

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ”جس میں صرف وہی بد بخت داخل ہوگا۔“

الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ”جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔“

دعوتِ حق کو جھٹلانے والوں کی سزا

جب یہ واضح ہو گیا کہ ہدایت ہماری ذمہ داری ہے تو تمہارے لیے ہم نے جہنم کی آگ جو جلا رکھی ہے اس سے ہم تمہیں ڈرا رہے ہیں اور حقیقی ڈرانے والا اللہ تعالیٰ ہے جس طرح حقیقی ہادی اللہ ہے۔ یہ آگ ان افراد کے لیے ہے جو شقی ترین اور بد بخت ترین ہیں جنہوں نے نافرمانی اور کفر کیا ہے۔ اور پھر وضاحت کی ہے کہ شقی ترین وہ ہیں جنہوں نے دعوت حق کو جھٹلایا ہے اس سے منہ موڑ لیا ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ کے لیے بد بخت ہیں اور ان کے لیے نجات نہیں ہے۔ تمام بد بختیوں میں سے بڑی بد بختی اسی کے لیے ہے جو ہمیشہ جہنم میں جلتا رہے گا۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”اور اس آگ سے وہ بڑا پرہیزگار (تقویٰ اختیار کرنے والا) دور رہے گا۔“

الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے۔“

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ”اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جائے۔“

إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ”وہ تو صرف اپنے سب سے برتر رب کی رضامندی کے لیے دیتا ہے۔“

وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ”اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا۔“

تقویٰ اختیار کرنے والوں کی جزاء

تقویٰ کے درجات ہیں، اس کا پہلا درجہ بڑے گناہوں سے بچنا ہے جیسے کسی کو قتل کرنے یا فحاشی سے خود کو بچانا۔ بعض لوگوں کا تقویٰ یہ ہے کہ لوگوں کے اموال کو ناجائز طریقہ سے نہ لیا جائے۔ بعض فقر سے ڈرتے ہیں اور مال خرچ نہیں کرتے۔ لیکن کچھ وہ ہیں جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اللہ کے مقام کا انہیں خوف ہے وہ اپنے مال کو اللہ کی رضا میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ آخری سب سے زیادہ تقویٰ والے ہیں جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ نیک بنیں، ترقی کریں، بلند مقامات حاصل کریں۔ ان کا انفاق اور خرچ کرنا رضائے خدا کے لیے ہے، وہ کسی اور سے اس کا بدلہ نہیں چاہتے اور کسی قسم کا مطالبہ بھی نہیں رکھتے۔ اس نے کوئی نعمت نہیں دی کہ اس کا بدلہ چاہے، اس نے مال خرچ کیا ہے اس کا ہدف فقط اور فقط یہ تھا اللہ کی رضا، وجہ اللہ جو اللہ کی صفات میں سے ہے اور یہاں اللہ کے اسماء مراد ہیں یا آئمہ معصومین علیہم السلام مراد ہیں کیونکہ وہ بھی ذریعہ ہیں اللہ تک لے جانے کا۔ بہر حال ایسے لوگوں کو دوزخ کی آگ سے دور رکھا جائے گا۔ یہ بہت اچھا اجر ہے جو وہ اپنے پروردگار سے پائے گا، وہ اس پر راضی و خوشنود ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی دو صفات بیان کی ہیں:

۱۔ رب ۲۔ اعلیٰ

خدا اعلیٰ ہے، بلند ترین ہے، تمام بلندیوں سے بلند ترین رب العالمین ہے، لہٰذا متقی کی جزا بھی خود دیتا ہے اور بڑی جزا دینے پر وہی قادر ہے۔ جزا کی جتنی قسمیں ہیں ان میں سے سب سے بڑی جزا بھی وہی دیتا ہے ایسی جزا جو اس کے مقام ربوبیت اور اس کی بلند شان سے مناسبت رکھتی ہو۔ جس کی جزا اللہ دیتا ہے تو پھر اس سے بڑھ کر کون سی جگہ ہو سکتی ہے؟

پیغام: اللہ کا تقوی اختیار کرنے میں جد و جہد کرو تقوی کی برتری اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے جو شخص مال کو خرچ کرتا ہے مساکین کی مالی مدد اور ضروریات کو پورا کرتا ہے لیکن جس کو امداد دیتا ہے اس پر احسان نہیں جتاتا اور نہ ہی اس سے اس کا بدلہ چاہتا ہے وہ یہ سب اللہ کی خوشنودی کے لیے کرتا ہے لہٰذا اس کا بڑا اجر ہے اور وہ اجر اللہ تعالی خود دیتا ہے اور وہ ایسا اجر دیتا ہے جو اس کی شان ربوبیت کے مطابق ہوتا ہے

سورۃ الضحٰی

(مکی۔ کل آیات: 11)

سورہ کے مطالب

رسول اللہؐ کو تسلی ، ان کو سکون پہنچانا، ان کے درجات اور مقامات سے آگاہی،
آخرت کی جزا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الضُّحٰی ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''دن کی روشنی کی قسم ہے۔''

وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور رات کی جب وہ چھا جائے۔''

مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾

ترجمہ: ''آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے۔''

وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور البتہ آخرت آپ کے لیے دنیا سے بہتر ہے۔''

وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔''

رسول پاکؐ کے لیے تسلی اور عطاء الٰہی

اس سورہ کے نزول کی شان میں بتایا گیا ہے کہ کچھ دن رسول پاکؐ کے لیے وحی نہ آئی تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیا ہے۔ اس حالت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہیں پریشانی کے عالم میں آسمان کی طرف تھیں، وحی کے انتظار میں تھے کہ اتنے میں یہ سورہ نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کو خوش کر دیا۔ اللہ نے فرمایا کہ قسم ہے اس وقت کی جب دن کو سورج طلوع ہوتا ہے اور قسم ہے رات کی جب اس کی تاریکی چھا جاتی ہے اور ہر جگہ کو گھیر لیتی ہے اور اس سے آرام اور سکون ملتا ہے۔ تیرے پروردگار نے تجھے چھوڑا نہیں ہے اور نہ ہی تجھ سے ناراض ہے۔ یہاں پر جو قسمیں بیان ہوئی ہیں وہ اس مقام سے مناسبت رکھتی ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ وحی کی تابش میں روز کی روشنی کی طرح چمک دمک ہے، اس طرح وحی کے منقطع ہونے کو رات کی تاریکی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں پر اللہ نے اس مطلب کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ہے کہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہیں ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہے، تم اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ قریب ہو۔ دُنیاوی زندگی کی تمام کرامتوں اور برکتوں سے بڑھ کر تیرے لیے آخرت میں برکتیں اور کرامتیں ہیں جس کا دُنیا کی نعمات کے مقابلے میں کچھ حساب بھی نہیں ہے۔ آخرت دنیا سے بہتر ہے اور آخرت کی زندگی تیرے لیے بنائی ہے اور خدا تجھے ایسا کچھ دے گا جس سے تو راضی اور خوش ہو جائے گا۔ یہ آیت مطلق عطائے الٰہی کے متعلق ہے، عمومیت کے لیے بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضایت بھی اس سے ہے کہ دُنیا و آخرت کی زندگی دونوں اللہ کی طرف سے عطا شدہ ہیں۔[1]

[1] : روح المعانی جلد ۳۰۔

رسول اللہؐ کی رضایت

دُنیا میں حضور پاک ﷺ کی رضایت اس اعتبار سے ہے کہ آپؐ کا مقام تمام انبیاء اور رسولوں سے برتر ہے اور آخرت میں آپؐ کی رضایت کا سبب آپؐ کی اُمت کا باقی اُمتوں پر گواہ ہونے اور آپؐ کو مقام محمود ''جو شفاعت کبریٰ کا مقام ہے'' عطا ہونے کے سبب ہو گی۔ اللہ اپنے حبیب سے فرمارہا ہے کہ آپؐ کی اُمت کے مومنین کے درجات کی بلندی اور ان کے مراتب کی بلندی تیری شفاعت کے واسطے سے ہو گی جو کسی اور کے لیے نہیں ہو گی اور یہ ایسا مقام ہو گا جس سے تو خوش حال ہو جائے گا۔

اَلَمۡ یَجِدۡكَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾

ترجمہ: ''کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا تھا پھر جگہ دی۔''

وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۪﴿۷﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا پھر (شریعت کا) راستہ بتایا۔''

وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ؕ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور اس نے آپ کو تنگدست پایا پھر غنی کر دیا۔''

رسول اللہؐ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات

اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو عطا کی گئی بڑی نعمات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے یتیم پایا اور کیا تجھے پناہ نہیں دی؟ حضرت محمد ﷺ ماں کے شکم میں تھے کہ آپ کے بابا عبد اللہ وفات پا گئے اور دو سال کے تھے کہ آپؐ کی والدہ وفات پا گئیں اور آٹھ سال کی عمر میں تھے کہ آپ کے کفیل اور نگہبان حضرت عبد المطلب وفات پا گئے اور آپؐ حضرت ابو طالب کی کفالت میں آگئے اور اس طرح آپ کی پرورش ہوئی۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں پر یتیم بے نظیر گوہر کے معنی میں ہے یعنی یتیم کے دو معانی ہیں اس کا ایک معنی جس کا باپ نہ ہو اور اس کا دوسرا معنی اعلیٰ قسم کی چیز جس کی مانند نہ ہو[1]۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے اس آیت کا معنی یہ ہو گا کہ کیا خدا نہیں تھا جس نے تجھے ایسا فرد پایا جس کی کوئی مثال نہیں تھی اور لوگوں کو تیرے گرد اکٹھا کیا؟

پھر اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ یہاں پر ہدایت سے مراد گمراہی نہیں ہے بلکہ اس سے عدم ہدایت مراد ہے یعنی لوگوں کو آپ کی پہچان نہیں تھی آپ لوگوں کے درمیان گمشدہ تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہی لوگوں میں آپ کی پہچان کروائی یہ اللہ کی عنایت تھی کہ تمہیں تو کتاب اور ایمان کے بارے میں ابھی پیغام نہیں پہنچا تھا اور آگہی اس طرح نہیں آئی تھی، یہ آیت سورہ شوریٰ کی آیت ۵۲ کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ کلی طور پر فرما رہا ہے کہ اے میرے حبیب! اگر اللہ کی طرف سے ہدایت اور راہنمائی نہ ہوتی تو خود تم اور سارے لوگ کچھ بھی ان کے پاس نہ تھا اور یہ الٰہی ہدایت ہمیشہ آپ کے لیے رہی اور کبھی بھی یہ اللہ کی ہدایت اور راہنمائی آپ سے منقطع نہیں ہوئی۔ بعض مفسرین[2] نے یہاں دلالت کو عدم علم جانا ہے یعنی آپ کی قدر اور شان لوگوں میں معلوم نہیں تھی اور بعض نے کہا ہے کہ بچپن میں آپ گم ہو گئے تھے اس کی طرف اشارہ ہے۔ آخری معنی کا ضعف معلوم ہے۔

پھر اشارہ کیا ہے کہ آپ کے پاس مال نہ تھا، آپؐ مالی طور پر کمزور تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہی یہ انتظام کیا کہ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا سے آپ کی شادی ہوئی اور فقر و تنگدستی ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے خدیجہ بنت خویلد علیہا السّلام جو مکہ کی مالدار خواتین میں سے تھیں ان کے دل میں آپ کی محبت ڈالی اور وہ آپؐ کی شریکِ حیات بنیں اور انہوں نے اپنا تمام مال آپؐ کی خدمت میں دے دیا۔ بعض تفاسیر میں ''غنی'' سے آپ کی دعا کا قبول ہونا مراد لیا گیا ہے۔

---

[1] ۔ تفسیر قرطبی، جلد: ۲۰۔

[2] ۔ تفسیر مجمع البیان جلد ۱۰۔

فَاَمَّا الۡيَتِيۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ ؕ﴿۹﴾

ترجمہ: ''پھر یتیم کو دبایا نہ کرو۔''

وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ؕ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور سائل کو جھڑکا نہ کرو۔''

وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کیا کرو۔''

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی فرمان

اللہ تعالیٰ کی عطا کی گئی ساری نعمات کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کو یہ خطاب ہوا ہے کہ آپ کسی بھی یتیم سے ناراض نہ ہوں اور اس کو اپنے پاس سے نہ دھتکاریں اور تنگ دست اور بے کس کو ذلیل و خوار قرار نہ دو اور سوالی آجائے تو اس سے بھی سختی سے پیش نہ آؤ اور اسے رنجیدہ نہ کرو بلکہ اس کی حاجت روائی کرو اور اگر نہیں ہو سکتا تو اس سے محبت اور پیار سے معذرت کر لو۔ اور اپنے رب کی نعمات کو زبان سے بھی بیان کرو اور عمل سے بھی ان کا اظہار کرو اور ان کو پوشیدہ نہ رکھو اور یہی عمل شکر نعمت ہے۔ یہ خطاب بظاہر تو رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن حقیقت میں سب لوگوں کے لیے ہے کہ سب ایسے ہی ہوں۔[1]

---

[1]۔ تفسیر در المنثور میں رسول اللہ ﷺ سے نقل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بھی نعمت کسی کو دیتا ہے تو اس نعمت سے اس کی آزمائش کرتا ہے اگر وہ اس نعمت کی خبر لوگوں کو دے اور اس کا شکر بجالائے تو ٹھیک، لیکن اگر وہ اس نعمت کو چھپائے تو گویا کہ اس نے اس نعمت کا کفران کیا ہے اور جو جھوٹ میں کہے کہ فلاں نعمت اللہ نے دی ہے؛ وہ ایسے ہے جیسے اس نے جھوٹ کا لباس اپنے تن پر اوڑھ لیا ہو۔

پیغام: یتیم اور مساکین سے پیار و محبت سے پیش آؤ۔ سوالی کو خالی ہاتھ مت پلٹاؤ۔ اس سے پیار سے پیش آؤ۔

سورۃ الانشراح

(مکی۔ کل آیات: 8)

سورہ کے مطالب

اللہ کی راہ میں ہمت، کوشش کرنا اور اللہ کی طرف توجہ کرنا۔

سورہ الضحیٰ اور سورہ انشراح حقیقت میں ایک ہی سورہ ہیں۔ اگر نماز میں پڑھنا ہو تو ان دونوں سورتوں کو اکٹھا پڑھنا ہوگا جیسا کہ آئمہ اطہار علیہم السلام سے روایات میں نقل ہوا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔''

وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور کیا آپ سے آپ کا وہ بوجھ نہیں اتار دیا۔''

الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''جس نے آپ کی کمر جھکا دی تھی۔''

وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔''

رسول اللہؐ پر اللہ کی مہربانیاں

اس سورہ میں اللہ کی جو نعمات رسول اللہ ﷺ کو عطا کی گئی ہیں ان کو گنا جا رہا ہے۔ ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ ہم نے تیرے سینے کو وسیع بنایا، اسے وسعت دی اور اس میں تنگی نہیں ہے کہ تو وحی دریافت کرنے کی ظرفیت نہ رکھتا ہو، تیرے اندر اس وحی کی تبلیغ کرنے کی طاقت اور قوت ہے اور وحی پہنچانے کے راستے میں نامناسب حالات کو برداشت کرنے کی طاقت بھی تجھ میں آچکی ہے۔ یعنی اللہ فرما رہا ہے کہ ہم نے تجھے اتنا طاقت ور بنایا ہے کہ تیرے اندر اللہ کے افاضات اور اللہ کے پیغامات کو قبول کرنے کی قابلیت بھی ہے اور ہم نے تیرے سینے میں آرام اور سکون بھی عطا کیا ہے اور بار سنگین اور کمر شکن بوجھ کو ہم نے تجھ سے اٹھا دیا ہے یعنی وحی الٰہی کی تبلیغ کرنا، اللہ تعالیٰ کا لوگوں تک پیغام پہنچانا، لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا، یہ بڑا بھاری بوجھ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ جس سے پیغام رسانی اور دعوت کے عمل میں تیزی آئی اور آپؐ کے لیے پیغام پہنچانا آسان ہو گیا ہے۔

بعض مفسرین کے مطابق بچپن میں دو فرشتے آپؐ پر نازل ہوئے اور انہوں نے آپؐ کے سینے کو کھولا اور آپؐ کے دل کو باہر نکالا اور آپؐ کے دل سے ایک لوتھڑا باہر نکال کر پھینک دیا اور پھر دل کو اسی جگہ رکھ دیا۔[1] یہ ماجرا حقیقت میں آنحضرتؐ کی عصمت کے مسئلے کی طرف اشارہ ہے اور خون کا علیحدہ سے لوتھڑا تھا جو دل سے جدا کیا گیا تو ظاہر ہے وہ گناہ کی اور کینہ اور حسد کی میلان کی طرف اشارہ ہے۔

لیکن اس روایت پر اعتراض وارد ہوا ہے اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کو ایک تمثیل ہی کہا جائے گا کیونکہ حضور پاک ﷺ تو اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدمؑ کی

---

[1] ۔روح المعانی جلد ۳۰۔

خلقت بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس بارے یہ کہنا کہ دل میں کوئی ایسا سلسلہ تھا کہ اس کا آپریشن کیا گیا تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے تیرے نام کو بلند کیا اور پیغمبر اکرم ﷺ کا نام ہر جگہ بلند آواز سے یاد کیا جا رہا ہے، کلمہ شہادتین جو کہ دین کی بنیاد ہے جب کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے تو اسے کلمہ شہادتین پڑھنا ہوتا ہے "میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے" تو وہاں یہ بھی کہتا ہے کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور عبد ہیں" اور پنجگانہ نماز میں بھی اسکو تشہد میں پڑھا جاتا ہے اور درود اور صلوات میں بھی آنحضرتؐ کا نام لیا جاتا ہے۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: "پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔"

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۭ﴿۶﴾

ترجمہ: "بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔"

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾

ترجمہ: "پس جب آپ (تبلیغ احکام سے) فارغ ہوں تو ریاضت کیجیے۔"

وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

ترجمہ: "اور اپنے رب کی طرف دل لگایئے۔"

اللہ کی سنت و روایات کا تذکرہ

پچھلی آیات میں بیان شدہ مطالب جن میں آنحضرتؐ کے کندھوں سے بار سنگین کو اُتارنا اور ان کے نام کو بلند کرنا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ یہی ہماری سنت ہے

کہ ہم دشواری کے بعد آسانی دیتے ہیں اور پھر تاکید اور اس کو ثابت کرنے کے لیے کہا گیا ہے کہ ہر سختی کے بعد آسانی سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صورتیں ایک جیسی ہیں۔ ''یُسْرًا'' نکرہ ہے اور یہاں فرمارہا ہے کہ ہر سختی میں دو آسانیاں موجود ہے۔

تفسیر در المنثور میں رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر آئے اور ان دو آیات کی تلاوت فرمارہے تھے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوتا کہ ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں آئیں۔ یہ نہیں ہو سکتا لیکن یہاں تو ہو گیا ہے۔ بنابرایں رسول اللہ ﷺ کو خدانے یہ تسلی دی ہے کہ دعوت رسالت کے حوالے سے ساری دشواریوں اور نامناسب حالات کو برداشت کر رہے ہو تو یہ سختیاں ختم ہو جائیں گی اور تیری دعوت ثمرآور ہو گی۔

پھر رسول اللہ ﷺ کو یہ فرمایا گیا کہ دیکھیں جب یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ہر تنگی کے بعد آسانی ہے، سارے معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں تو پس آپؐ پر لازم ہے کہ جب خود کو فارغ دیکھو تو اللہ کی راہ میں عبادت میں مصروف ہو جاؤ اور اپنے آپؐ کو تھکاؤ نہیں اور اللہ کی طرف توجہ رہے، خدانے تیرے اوپر یہ احسان کیا ہے ہر تھکاوٹ اور دشواری جو عبادت میں ہے اس کے بعد اللہ تجھے آسانی عطا کرے گا۔ یہ اللہ کی سنت ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب فارغ ہو تو مستحبات انجام دو۔ جب جنگ سے فارغ ہو تو عبادت میں مشغول ہو جاؤ، جب دنیاوی امور سے فارغ ہو جاؤ تو آخرت کے امور میں مشغول ہو جاؤ، پس یہ آیت نماز، دعا، مناجات، سب کو شامل ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول روایت آخری معنی کی تائید کرتی ہے۔

اصول کافی میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جب آپؐ حجۃ الوداع سے فارغ ہو جائیں اور الٰہی پیغام سب تک پہنچا چکیں تو اب علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ جس طرح کسی لشکر میں پرچم اٹھا کر بلند کرتے ہو اسی طرح لوگوں

کے سامنے اپنے وصی کو بھی بلند کرکے دکھا دو تاکہ تیرے بعد لوگ گمراہ نہ ہوں۔اللہ کی سنت اور روایت یہ ہے کہ وہ ہر سختی کے بعد آسانی دیتا ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ سختیوں اور مشکلات سے نہ گھبرائیں ان کے بعد آسانی ہیں اور تبلیغی عمل میں آپ کی کامیابی ہے جب تمام پیغامات پہنچا چکو تو پھر اپنے جانشین کا تقرر کردو اور اس کے بارے اعلان فرما دو تاکہ آپ کے بعد لوگ گمراہ نہ ہوں جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔ یہ آیت کا باطنی معنی ہوگا۔

سورۃ التین

(مکی۔ کل آیات: 8)

سورہ کے مطالب

معاد کی یاد دہانی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ التِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''انجیر اور زیتون کی قسم ہے۔''

وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور طور سینا کی۔''

وَ ہٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور اس شہر (مکہ) کی جو امن والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی خاص نشانیاں

انجیر اور زیتون کی قسم اس لیے اٹھائی گئی ہے کہ ان کے فوائد بہت زیادہ ہیں[1]۔ بعض مفسرین نے اس سے ظاہری معنی مراد لیا ہے اور بعض نے اس سے سرزمین شام اور بیت المقدس مراد لی ہے۔ کیونکہ بہت سارے انبیاء اسی سرزمین پر مبعوث ہوئے[2]۔

---

[1]۔ تفسیر مجمع البیان، جلد ۱۰۔

[2]۔ تفسیر روح المعانی جلد: ۳۰۔

''طین'' دمشق کی بلندی پر واقع ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ''زیتون'' ایک پہاڑی سلسلے کا نام ہے جو بیت المقدس کے اوپر موجود ہے۔ ''طور'' ایک پہاڑ ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے تکلم کیا تھا، اس کا دوسرا نام ''طور سینا'' ہے۔ ''بلد امین'' سے حرم امن الٰہی شہر مکہ مراد ہے کیونکہ وہ امن کے لیے ہی قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس کے بارے یہ حکم ہو۔ قرآن مجید کی رو سے حرمت اور امنیت اسی کے لیے مخصوص ہے۔ یہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں۔ جن کے بارے میں غور کرنے سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے[1]۔

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''بے شک ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز (خوب صورت پیرائے) میں پیدا کیا ہے۔''

ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے اسے سب سے نیچے پھینک دیا ہے۔''

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۶﴾

ترجمہ: ''مگر جو ایمان لائے اور نیک کام کیے سو ان کے لیے تو بے انتہا بدلہ ہے۔''

انسان کی خلقت اور اس کی ترقی اور تنزلی

ان قسموں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ انسان کو ہم نے ایسا خلق کیا ہے کہ اس کے تمام وجودی پہلو سب کے سب احسن ہیں۔ انسان کی بدنی ساخت اور ظاہری شکل و صورت اور اس کے اندر کا سسٹم جو اس کی بقاء اور ثبات کے لیے ضروری ہے یہ سب بہترین

---

[1]۔ سورہ عنکبوت، آیت ۶۷ اور سورہ البقرہ، آیت ۱۲۶، سورہ ابراہیم، آیت ۳۵۔

انداز سے بنایا گیا ہے۔ اس میں کمال اور اللہ تعالیٰ کے قرب اور ہمسائیگی وصول کرنے کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ ہم نے اس کو ایسی مشینری اور ایسا سسٹم دیا ہے کہ جس سے وہ علم حاصل کر سکتا ہے اور فائدہ مند معلومات حاصل کر سکتا ہے، وہ اس صلاحیت کی وجہ سے اللہ پر ایمان لا سکتا ہے، اعمال صالح بجالا سکتا ہے، ہم نے یہ سب چیزیں اس کے وجود میں رکھ دی ہیں۔ وہ اسی روح کو بلندیوں کی جانب لے جا سکتا ہے۔ سورہ فاطر کی آیت ۱۰ میں ہے کہ ''اچھے کلمات اوپر جاتے ہیں، عمل صالح اوپر جاتا ہے اسے بلند کرتا ہے اور یہ اعمال صالح اور اچھی گفتگو اس کی بلندی درجات کا وسیلہ ہیں'' اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو ایسی صلاحیت دی ہے کہ وہ ترقی کی منازل طے کرکے اوپر کی جانب بڑھے اور خود کو قرب الٰہی کے مقام تک لے جائے۔ یہ ایمان اور عمل صالح سے ہی ہوتا ہے اور ایسا کرنے سے اللہ کی طرف دیئے گئے عطیات کبھی منقطع نہیں ہوں گے'' پھر فرمایا کہ ہم انسان کو پستی کی جانب پلٹائیں گے اور وہ عذاب والوں میں سے ہو جائے گا اور پست ترین بنے گا۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ لیکن ایمان لانے والوں اور عمل صالح بجالانے والوں سے شقاوت و عذاب دور رہے گا، ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہو گا جو منقطع نہیں ہو گا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۗ ۝٧

ترجمہ: ''پھر اس کے بعد آپ کو قیامت کے معاملہ میں کون جھٹلا سکتا ہے۔''

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨

ترجمہ: ''کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں (ضرور ہے)۔''

اللہ کی نعمتوں کو جھٹلانے والوں کے بارے سوال

ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ تم یہ سب کچھ جاننے کے باوجود اللہ کی ساری نعمات اور قیامت کو جھٹلاتے ہو؟ قیامت میں انسانوں کی دو قسمیں ہونگی، ایک اسفل السافلین ہیں یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کیا، اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اس کے نمائندوں کی تکذیب کی تو اللہ تو احکم الحاکمین ہے اس کا حکم اور فیصلہ ہر حاکم سے بالاتر ہے، اس کا حکم دیگر حکمرانوں کی طرح نہیں ہے، اس میں پختگی ہے، اس کا فیصلہ حکیمانہ ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب انسانوں کے دو گروہ ہوں گے تو ظاہر ہے ان کا بدلہ بھی مختلف ہونا چاہیے جو ایمان لائے ہیں عمل صالح بجالائے ہیں، عقل اور فطرت کے مطابق چلے ہیں ان کے لیے خیر اور برکت اور امن اور سکون اور نعمات ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جو انکاری ہوئے ہیں فطرت کے خلاف چلے ہیں، عقل کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کیا ہے تو ان کے لیے جہنم کا ٹھکانہ ہے۔ جیسا کہ سورہ ص کی آیت ۲۸ میں فرمایا ہے کہ ''اہل تقویٰ اور اہل فجور ایک جیسے نہیں ہیں''۔

پیغام: اللہ تعالی نے انسان میں وہ سب کچھ ودیعت کر دیا ہے جس کو وہ استعمال میں لا کر اللہ پر ایمان لا سکتا ہے اور اپنے اختیار اور آزادی سے ترقی و کمال کی منازل طے کر سکتا ہے اگر وہ ان الہی نعمات کا استعمال نہیں کرے گا اور اللہ کی واضح اور روشن نشانیوں سے سبق نہیں لے گا تو پھر اللہ احکم الحاکمین ہے پھر اس انسان کا مقام اسفل السافلین ہے۔

سورۃ العلق

(مکی۔کل آیات: 19)

سورہ کے مطالب

قرآن کا نزول، انسان کی خلقت کے مراحل، انسان کی سر کشی کے اسباب۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ''اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے سب کو پیدا کیا۔''

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾

ترجمہ: ''انسان کو جمے ہوئے خون سے خلق کیا۔''

انسان کی خلقت اور پڑھائی کا حکم

قرأت کا معنی حروف کو ایک دوسرے سے ملانا ہے اگرچہ ان کو بولا نہ جائے۔ یعنی قرأت مطالعہ کے معنی میں بھی ہے اور تلاوت کے معنی میں بھی ہے۔ اس سے پڑھنا بھی مراد ہوتا ہے اور مطالعہ کرنا بھی مراد ہوتا ہے۔ ان آیات میں قرأت سے فرشتہ وحی سے قرآن کی آیات وصول کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ آیات پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی قرآن کریم کی ابتدائی آیات ہیں۔ ان آیات میں آپؐ سے کہا گیا ہے اِقۡرَا یعنی اِقۡرَا القرآن، قرآن کو پڑھو۔ اس رب کے نام سے جو پیدا کرنے والا ہے۔ اسی کے نام سے بات کو شروع کرو اور قرآن پڑھنے کا افتتاح اسی کے نام سے کرو۔

توحید ربوبی

اس جگہ اللہ کی توحید ربوبی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمارہا ہے کہ اپنے اس رب کے نام سے شروع کرو جس کا قانون ہے، جس کا ضابطہ ہے۔ تیرا رب وہی ہے جس نے پورے عالم کو وجود دیا ہے۔ جبکہ مشرکین کہتے تھے کہ کائنات کا خالق تو اللہ ہے لیکن تدبیر اور ربوبیت اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے سپرد کر دی ہے۔ یہاں اس کی نفی کی گئی ہے اور کہا جارہا ہے کہ انسان کی خلقت بھی اللہ ہی نے کی ہے اور خلقت کے بعد ربوبیت بھی اسی خالق کے ہاتھ میں ہے۔ وہی رب ہے، اسی نے اپنی مخلوق کے لیے قانون دیا ہے کہ اس نے کیسے چلنا ہے اور کیا کرنا ہے؟ خداوند تبارک و تعالیٰ نے انسان کی جنس کو تناسل سے پیدا کیا ہے۔ وہ شروع میں "علق" یعنی جما ہوا خون تھا۔ یعنی نطفہ جب رحم مادر میں پہنچتا ہے تو اس کے بعد خون بنتا ہے۔ یہاں پر اللہ کی توحید ربوبی کو بیان کیا گیا ہے کہ وہی ہے جو پے در پے ایک کے بعد دوسرے خلقت کے سارے مراحل کو طے کراتا ہے اور خلقت اور تدبیر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ خالق اور ہو اور تدبیر کرنے والا اور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جمے ہوئے خون سے ایک کامل شکل والا بنایا ہے۔ وہی رب ہے وہی مدبر ہے وہی خالق ہے۔

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: " پڑھیے اور آپ کا رب سب سے بڑھ کر کرم والا ہے۔"

الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: "جس نے قلم سے سکھایا۔"

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾

ترجمہ: ”انسان کو سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔“

قلم، تعلیم کا ذریعہ

بظاہر آیت ایک سے تین تک قرائت کی تاکید کے لیے ہیں ۔ لیکن تفسیر مجمع البیان میں آیا ہے کہ ۱۔ پہلی میں پیغمبر کو پڑھنے کا حکم ہے۔ ۲۔ جبکہ دوسری آیت میں لوگوں کے لیے تبلیغ اور بیان کرنے کا حکم ہے۔ اور رب الاکرم سے مراد یہ ہے کہ تیرے پروردگار کا ہر عطیہ دوسرے سے زیادہ کرامت والا اور باقی رہنے والا ہے۔ ساری نعمات اللہ تک جا کر منتہیٰ ہوتی ہیں اور وہ بے حساب اور بغیر استحقاق کے عطا کرتا ہے جو یہ وصف اللہ کی بیان کی ہے کہ وہ ”رب“ جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے یعنی خدا نے قرأت اور کتابت، پڑھائی، لکھائی قلم کے ذریعے سکھائی ہے۔ یہ مطلب اس لیے بیان ہوا ہے کہ ایسے فرد کو پڑھنے کا حکم دیا جا رہا تھا جو اُمی ہے جس نے کسی سے کچھ پڑھا نہیں ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ کتابت اور قرأت یہ سارا اللہ نے ہی تعلیم دیا ہے۔ اور قلم کے ذریعے انسان کو سکھایا ہے اور خداوند چاہے تو قلم کے بغیر بھی پڑھا اور لکھا سکتا ہے۔ اگر اس نے پڑھنے کی قدرت تجھے نہیں دی ہوتی تو تجھے پڑھنے کا امر بھی نہ کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تجھے پڑھنے کی طاقت اور صلاحیت دے رکھی ہے اور وہ خدا ہے جو ساری چیزوں کو جانتا ہے جبکہ انسان نہیں جانتا، وہی ہے جس نے انسان کی تعلیم کا انتظام کیا ہے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کا حوصلہ بڑھایا گیا ہے کہ آپ کو یہ پریشانی نہیں ہونی چاہیے کہ میں کس طرح پڑھ لکھ لوں؟۔ اللہ ہی ہے جس نے پڑھنا لکھنا سکھایا ہے۔ وہ جب آپ کو کہہ رہا ہے کہ پڑھو تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے آپ کو پڑھنے کی صلاحیت بھی دی ہے۔ اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور یہ تعلیم اللہ نے دی۔ آپ نے کسی دنیاوی مکتب سے یہ سب کچھ نہیں سیکھا۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ﴿٦﴾

ترجمہ: ''ہر گز نہیں، بے شک آدمی سرکش ہو جاتا ہے۔''

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿٧﴾

ترجمہ: ''جب کہ اپنے آپ کو غنی پاتا ہے۔''

انسان کی سرکشی کا بیان

اللہ تعالیٰ کی انسان کو عطاء کی ہوئی ان ساری نعمات کے بعد اسے چاہیے کہ وہ شکرگذار بنے لیکن یہ انسان شکر کی بجائے کفران اور سرکشی اور اپنے اوپر زیادتی کرتا ہے اور کفر کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ ''بتحقیق سچ تو یہ ہے کہ انسان ستم گر بھی ہے اور کفران نعمت کرنے والا بھی ہے، نعمتوں کا انکاری بھی ہے''[1]۔ اس کی یہ سرکشی اور کفر اس لیے ہے کہ وہ خود کو اپنے رب سے بے نیاز سمجھ بیٹھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ رب نے اسے خلق کر دیا ہے اور سرتاپا نعمتوں میں غرق کیا ہے اور اب اسے رب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی یہ سوچ غلط ہے۔ کیونکہ انسان جب نفسانی خواہشات کا تابع بنتا ہے اور دُنیا کے ظاہری اسباب سے دل لگا لیتا ہے تو وہ اپنے رب سے غافل ہو جاتا ہے اور خود کو اس سے بے نیاز سمجھنے لگتا ہے اور پھر سرکشی پر اتر آجاتا ہے۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿٨﴾

ترجمہ: ''بے شک آپ کے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۙ﴿٩﴾

---

[1] ۔ سورہ ابراہیم، آیت: ۳۶۔

ترجمہ: ”کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔“

عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ”ایک بندے کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔“

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”بھلا دیکھو تو سہی اگر وہ راہ ہدایت پر ہوتا۔“

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”یا پرہیزگاری (تقویٰ) سکھاتا۔“

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”بھلا دیکھو تو سہی اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑ لیا۔“

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”تو کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔“

انسان کے لیے راہ ہدایت کا سامان

آیت نمبر ۸ میں انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ موت بھی ہے اور بعث بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے کہ سب موجودات کی بازگشت تیرے رب کی طرف ہے۔ ان آیات میں تمثیل کا پہلو ہے۔ اللہ تعالیٰ نافرمان اور سرکش انسان کا مصداق نمونے کے طور پر بیان کر رہا ہے۔ نماز پڑھنے والے بندے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں۔ یہ پہلی سورہ ہے جو اکٹھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتری۔ اس سورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے نزول سے پہلے بھی نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ اس سورہ میں جو قرآن کی پہلی سورہ ہے نماز کی

بات ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے تو کوئی آکر منع کرتا تھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہو؟ جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا تو دیکھ رہا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ اگر وہ بندہ جو نماز پڑھ رہا ہے تقویٰ پر ہو تو روکنے والے شخص کی کیا حالت ہوگی؟ اسے نہیں پتہ کہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے؟۔ پھر مجھے یہ بتاؤ کہ جو جھٹلا رہا ہے، حق کی تردید کر رہا ہے اور ایمان سے منہ موڑ رہا ہے کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ یقیناً ایسا شخص عذاب کا مستحق ہے اور اس کو اس کام کی سزا ملے گی۔ یہاں پر حق تعالیٰ کی رؤیت سے اس کا عِلم مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اس کا مقصد یہ ہے خداوند تعالیٰ جو ہر چیز کا خالق ہے وہ ہر چیز کے بارے میں عِلم رکھتا ہے۔ اس عقیدہ کا لازمہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور جو حضور پاک ﷺ کو نماز سے روک رہا تھا، یقیناً وہ مشرکین میں سے تھا اور حتمی طور پر وہ اللہ کی خالقیت کا اعتراف کرتا تھا لیکن اس بات سے غافل تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سب کے اعمال سے آگاہ ہے، اور وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ غلط تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی آنے سے پہلے بھی توحید پرست تھے اور مشرکین سے آپ کے اعمال مختلف تھے اس لیے وہ آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر آپ کو روکتے تھے۔ یہ انسان کی سرکشی سے عبارت ہے۔

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾

ترجمہ: ''ہرگز ایسا نہیں چاہیے، اگر وہ باز نہ آیا تو ہم پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔''

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ''اس جھوٹے شخص کی پیشانی کے بال جو خطاکار ہے۔''

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾

ترجمہ: "پس وہ اپنے یاروں کی مجلس والوں کو بلالے۔"

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾

ترجمہ: "ہم بھی مؤکلین دوزخ کو بلالیں گے۔"

كَلَّا ۖ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿١٩﴾

ترجمہ: "ہر گز ایسا نہیں چاہیے، آپ اس کا کہنا نہ مانیے اور سجدہ کیجیے اور قرب حاصل کیجیے۔"

رسول خداؐ کو عبادت سے روکنے والوں کا انجام

وہ شخص جو حضور پاک ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر اعتراض کرتا تھا اور آپؐ کو نماز سے منع کر رہا تھا اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتا ہے کہ میں قسم اٹھا کر کہہ رہا ہوں کہ وہ اپنے عمل سے ہاتھ روک لے اور میرے بندے کے نماز پڑھنے میں رکاوٹ نہ بنے ورنہ اس کی پیشانی کے اگلے بالوں کو پکڑ کر اسے جھنجھوڑیں گے اور اسے ذلت اور رسوائی کے ساتھ عذاب میں کھینچ کر لے جائیں گے۔ اس جھوٹے اور خطاکار آدمی کو جب ہم پکڑیں گے تو وہ اپنے ہمنشینوں کو مدد کے لیے بلائے گا تاکہ اسے نجات دلائیں لیکن اس وقت اس کو کوئی مدد فائدہ نہیں دے گی اور وہ اس حال میں بیچارہ ہوگا اور جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ پھر پیغمبرؐ کو حکم ہوا کہ تم نماز اور سجدہ سے روکنے والے کی بات مت مانو، نماز بھی جاری رکھو اور سجدہ بھی جاری رکھو اور اللہ کے تقرب میں اور آگے بڑھو۔ اس جگہ سجدہ سے مراد یا تو نماز ہے یا نماز کا سجدہ ہے اور

پیغمبر اکرم ﷺ کی نماز اس زمانے میں تسبیح ہوتی تھی لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں سجدے سے مراد واجب سجدہ ہے[1]۔

[1]۔ تفسیر قرطبی۔

سورۃ القدر

(مکی۔ کل آیات: 5)

سورہ کے مطالب

شب قدر میں قرآن کا نزول اور اس رات کی عظمت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: "بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے۔"

قرآن کا نزول اور شب قدر

ان آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ قرآن دو طرح سے اترا۔ ایک تو یکدم اور اکٹھا معین رات یعنی شب قدر میں اترا اور دوسرا تدریجاً اور تھوڑا تھوڑا مختلف مناسبتوں میں نبوت کے تئیس سالوں میں اترا۔ شب قدر وہ رات ہے جس میں اگلے سال کے تمام حالات کی منصوبہ بندی ہوتی ہے اور جو کچھ اگلے سال ہونے والا ہوتا ہے، اسی رات اس کا بیان فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام سال میں ہونے والے واقعات کو اسی رات مقدر فرماتا ہے زندگی، موت، رزق، سعادت، شقاوت سمیت سب اسی رات معین ہوتے ہیں۔ سورہ دخان کی آیت ۶ میں بھی اس مطلب کو بیان کیا گیا ہے کہ نزول قرآن فقط شب قدر میں نہیں بلکہ ہر سال اس کا تکرار بھی ہوتا تھا یعنی وہ پورا قرآن ایک دفعہ شب قدر میں پڑھا جاتا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر اترتا تھا لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجازت نہیں تھی کہ وہ اذن کے بغیر از خود کسی آیت کی تلاوت کریں۔ اسی لیے اللہ نے منع کر دیا ہے کہ آپ قرآن کی

آیت پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں بلکہ جب ہماری طرف سے وحی آجائے تو اس وقت پڑھا کریں۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲

ترجمہ: ''اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔''

شب قدر کی عظمت

یہ آیت شب قدر کی عظمت و منزلت کو بیان کر رہی ہے کہ یہ شب بڑی عظمت اور جلالت والی، بڑی شان والی رات ہے۔ آیت میں ضمیر سے استفادہ کرنے کے بجائے اسم ظاہر کو لایا گیا ہے یعنی ''ھا'' کے بجائے ''لیلۃ'' استعمال کی گئی ہے۔

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳

ترجمہ: ''شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴

ترجمہ: ''اس میں فرشتے اور رُوح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر فرمان لے کر۔''

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

ترجمہ: ''وہ صبح روشن ہونے تک سلامتی کی رات ہے۔''

شب قدر کی عظمت و اہمیت کا بیان

ان آیات میں شب قدر کی عظمت اور اس کی بڑائی کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی اس میں جو عبادت کی جائے گی اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں

کے راتوں اور دنوں کی عبادت سے افضل ہے۔ فرشتے اور روح عالم امر سے اپنے رب کی اجازت کے ساتھ اس رات اترتے ہیں تاکہ ہر اَمر کی تدبیر کریں۔

اذن خدا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اجازت ملتی ہے اور رکاوٹ دور ہوتی ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ امر سے مراد امر وجودی ہو کہ جو کلمہ کُنْ ہے اور مِنْ ابتدائیہ یعنی شروع کرنے کے معنی میں ہو۔ امر سے مراد امر کونی ہو ایک واقعہ جو ہوا یا ہو گا تو اس صورت میں مِنْ وجہ بیان کرنے کے لیے ہے یعنی اس وجہ سے۔ تو پھر آیت کا معنی یہ ہو گا کہ فرشتے اور روح اس رات اپنے رب کی اجازت سے اترتے ہیں تدبیر کی خاطر، یعنی اترنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ عالَم کے سارے امور کی تدبیر کریں۔ شب قدر صبح تک سلامتی، خیر و برکت ہے ہر قسم کی ظاہری اور باطنی آفات سے خالی ہے۔ شب قدر میں رحمت الٰہی تمام بندوں کو شامل ہوتی ہے۔ اس رات عذاب کا دروازہ بند ہوتا ہے، خدا نیا عذاب اس رات نہیں بھیجتا۔ اس رات شیطان کی سازشیں مؤثر نہیں ہوتیں، اس بات کی تائید روایات سے بھی ہوتی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ شب قدر ۱۹ویں ماہ رمضان ہے یا ۲۱ویں ماہ رمضان ہے یا ۲۳ویں ماہ رمضان ہے۔ اور ۲۳ویں ماہ رمضان کی رات کے بارے میں زیادہ روایات ہیں۔

اہل سنت کی روایات اور اسی طرح ہماری بعض روایات کے مطابق ماہ رمضان کی ۲۷ویں رات شب قدر کی رات ہے۔

اور یہ بھی آیا ہے کہ شب قدر کو ماہ رمضان کی آخری طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اسی طرح بعض روایات میں پندرہ شعبان کی رات کو بھی شب قدر کی رات کہا گیا ہے۔ اس بارے بعض علماء اور مجتہدین نے کہا ہے کہ یہاں پر شب قدر سے مراد یہ ہے کہ ۱۵ شعبان کی رات ابتدائی تیاری ہوتی ہے اور پھر ۱۹ویں کی رات لکھت پڑھت ہوتی ہے اور اکیسویں کی

رات ان کی چھان پھٹک ہوتی ہے اور تیئسویں کی رات کو امور مکمل ہو جاتے ہیں اور ۲۷ویں کی رات نافذ ہونے کے لیے دے دیئے جاتے ہیں۔ بہر حال شب قدر تو ایک ہی رات ہے لیکن اس کو واضح نہیں بتایا گیا تاکہ لوگوں میں شوق پیدا ہو اور بہت ساری راتوں کو عبادت کرنے کا موقع ملے اس طرح وہ شب قدر کی فضیلت کو پا سکیں گے۔

پیغام: اس رات فرشتے زمین پر حجت خدا کے پاس اترتے ہیں اور ہر عمل لے کر آتے ہیں اور یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا ہے۔ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ جب ظاہری حیات میں تھے تو فرشتے شب قدر میں آپ کے پاس اترتے تھے اور آپ کے بعد یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا تو یہ فرشتے ہر زمانے کے امام اور نائب رسول اللہ کے پاس آتے ہیں اور اب یہ فرشتے شب قدر میں رسول اللہ کے بارھویں وصی حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پاس اترتے ہیں اور ان سے پورے سال کے احکامات لے کر جاتے ہیں۔ تفسیر کے لیے عقائد کی کتابوں میں رجوع کریں۔

سورۃ البینہ

(مدنی۔ کل آیات: ۸)

سورہ کے مطالب

پیغمبر اکرم ﷺ کی رسالت اور نبوت تمام انسانوں کے لیے ہے، انسانی معاشرے کی اصلاح اور اس کی بہتری کا بیان اور اعمال، عقائد اور اس کی درستگی کا بیان۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''اہلِ کتاب میں سے کافر اور مشرک لوگ باز آنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔''

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''یعنی ایک رسول اللہ کی طرف سے آئے جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔''

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾

ترجمہ: ''جن میں درست مضامین لکھے ہوں۔''

رسول اللہؐ کا پیغام اور آسمانی کتب کا تعارف

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دعوت اور آپ کا پیغام سب کے لیے ہے جن میں اہل کتاب بھی شامل ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے الٰہ یا اللہ کے بیٹے ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں

اور یہودی بھی شامل ہیں جو حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ یہ سب کافر اور مشرک ہو گئے ہیں اور ان کی طرح ہو گئے ہیں جو بتوں کی عبادت کرتے تھے اور اُن کو الٰہ سمجھتے تھے اور اُنہیں مختلف کاموں کا رب بنایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ان کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ ان کے لیے رسول اللہ ﷺ ایک روشن اور واضح دلیل ہیں، وہ اس لیے آئے ہیں کہ اللہ کی ہدایت کا طریقہ جاری رکھا جائے اور اللہ ہدایت دینے سے ہاتھ نہیں اٹھاتا یہاں تک کہ سب پر حجت تمام ہو جائے، کل یہ نہ کہیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ان کے درمیان بھیجا ہے، اگرچہ یہ ہٹ دھرم ہیں، انکار کرتے ہیں، کفر کرتے ہیں؛ لیکن ان پر اتمام حجت ہوئی ہے اور دلیل کی شرح دی ہے کہ یہ روشن دلیل اللہ کی جانب سے آئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی جانب سے آئی ہے اور لوگوں کے پاس صحیفے جو آئے ہیں وہ ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے پاک ہیں اور ان میں شیاطین کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اور ان صحیفوں میں احکام اور عقائد ہیں جو انسان کے فائدے کے لیے ہیں اور یہ تحریریں بہت ہی باعظمت ہیں ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ انسان کے فائدے میں نہ ہو۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۞

ترجمہ: ''اور اہلِ کتاب نے جو اختلاف کیا تو واضح دلیل آنے کے بعد۔''

اہل کتاب کا اختلاف کرنا

کافروں کے لیے بینہ اور دلیل کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ سابقہ انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئیں یا اُن انبیاء نے جو گفتگو کی ہے اُس میں اللہ کے بیان کی تفسیر موجود ہے۔ جن کو کتاب دی گئی تھی وہ سب انسانوں کے لیے تھی چاہے وہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین۔ کیونکہ آسمانی کتابیں سارے انسانوں کی ہدایت کے لیے اُتاری گئی تھیں۔ اس آیہ شریفہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ لوگوں میں دین کے معاملے میں اختلاف اُس وقت ہوا ہے جب پیغمبر آگیا آسمانی کتاب

آگئی، ان پر حجت پوری ہو گئی۔ اس کے علاوہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۹ میں بھی فرمایا کہ انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس وقت جب اُن کے پاس حتمی دلیل اور علم آگیا۔ پھر انہوں نے آپس کی دشمنیوں کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کیا۔ تو ظاہر ہے دلیل کے بعد حق کو قبول نہیں کریں گے تو سزا بھگتیں گے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵

ترجمہ: ”اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں ایک رُخ ہو کر خالص اسی کی اطاعت کی نیت سے، اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں، اور یہی محکم دین ہے۔“

ایک اللہ کی عبادت، رسول اللہؐ کی عمومی دعوت

رسول اسلام ﷺ کی رسالت اور پیغمبری اور آسمانی کتابیں، سب اہل کتاب اور مشرکین کو یہ کہتی ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور وہ بھی خالص عبادت کرو اور کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ۔ ان سب کتابوں میں یہی بات آئی ہے، اعتدال ہونا چاہیے، افتراق و تفریق نہیں ہونی چاہیے اور اس میں عام کے بعد خاص ذکر ہوا ہے، عبادت کے دو مصداق بیان ہوئے ہیں، نماز اور زکوۃ۔ نماز رب تعالیٰ کی طرف رخ کرنا اور زکوۃ انفاق کرنا اور مخلوق خدا کے ساتھ رابطہ رکھنا ہے یعنی ایک عبادت مخلوق خدا کے حوالے سے ہے اور دوسری رب تعالیٰ کے حوالے سے۔ یہ دو ہی عبادتیں ہیں ایک مالی عبادت ہے دوسری بدنی عبادت ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ”دین بہت ہی قیمتی جو بہت ارزش مند کتابوں میں موجود ہے یہ دین اسلام ہے، یہ دعوت محمدی ہے“۔ یہ دین کوئی نو ظہور یا بے سابقہ نہیں ہے بلکہ یہ وہی دین

ہے جسے سابقہ انبیاء لاتے رہے ہیں۔ یہ دین اس کی کامل ترین شکل ہے، تمام آسمانی کتابوں میں یہ مطالب بیان ہوئے اور پہلے والی امتوں کے لیے عبادات اور تکالیف اور ذمہ داریاں تھیں اور ان کو حکم تھا کہ وہ ان کو انجام دیں۔ دین ایک مضبوط اور ارزش مند چیز ہے، اس کی اپنی قدر ہے۔ کتب قیمہ سے مراد وہ معارف ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحف مطہرہ جو سابقہ انبیاء پر اترے ان سے ان کے لیے پڑھے تھے۔ اس بنا پر اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ لوگوں کو اسلامی قوانین کی طرف اس لیے دعوت دی گئی ہے کیونکہ اس میں انسانی معاشرے کی بہتری ہے اسی لیے لوگوں پر واجب اور لازم ہے کہ وہ اس دین پر ایمان لے آئیں۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی عمومیت کا بیان ہے کہ یہ دعوت اسلامی تمام انسانوں کے لیے ہے۔ یہ کامل ترین دعوت ہے اور یہ وہی سلسلہ ہے جو سابقہ انبیاء لائے تھے اور جہاں تک وہ چھوڑ کر گئے اس کو آگے بڑھایا گیا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ان کے لیے عبادت کے بارے میں کہی گئی ہو اور اب نہ کہا جارہا ہو بلکہ یہ عبادت کا سلسلہ ہر دور میں تھا اور اسے بہتر انداز میں اس کو مزید واضح کرکے بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۞

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ اہلِ کتاب میں سے منکر ہوئے اور مشرکین تو وہ سب دوزخ کی آگ میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ بد ترین مخلوقات ہیں۔“

کافروں اور مشرکین کے لیے آتش جہنم

یہاں پر کافروں کو ڈرایا دھمکایا گیا ہے اور انہیں کہا گیا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی دلیل بڑی واضح ہے اور جو اس کا کفر کریں گے اور ہدایت الٰہی سے منہ موڑیں گے اور دین قیم جو ان کے پاس ہے اس کو قبول نہیں کریں گے اور اس سے رخ موڑ لیں گے تو چاہے یہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین سب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں کیونکہ ہدایت کی نعمت بالاترین ہے اور جو اس نعمت کا کفران کریں ان کے لیے جہنم ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ ۷

ترجمہ: "بتحقیق جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے یہی لوگ بہترین مخلوقات ہیں۔"

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۸

ترجمہ: "ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے کی بہشتی باغات ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، یہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔"

مؤمنین کے لیے بشارت

ان آیات میں مومنین کو بشارت دی گئی ہے، ان کو وعدہ دیا گیا ہے کہ مومنین جو اعمال صالح بجالاتے ہیں وہ بہترین مخلوق ہیں۔[1] خیر منحصر ہے مومنین کے لیے اور پھر ان کے انجام کے بارے بتایا گیا ہے کہ ان کی جزا اُن کے پروردگار کے پاس بہشت ہے، بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ مومنین ہمیشہ اس میں رہیں گے، وہ نعمتیں زوال پذیر نہ ہوں گی اور نہ ہی ان میں تبدیلی آئے گی۔

اللہ آخر میں فرمارہا ہے کہ خدا ان لوگوں سے راضی ہے کہ خدا پر ایمان لے آئے اور خدا کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل کیا۔ یہ اللہ کی صفات فعلیہ میں سے ہے اور یہ وہی ثواب ہے جو ان کو عطا ہو گا اور ان کے ایمان اور اعمال صالح کی جزا انہیں دی جائے گی۔ دوسری جگہ ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے کیونکہ اللہ نے ان کو نعمات دی ہیں، ان کو سعادت ابدی تک پہنچایا ہے اور ان کی سرشت یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ اللہ کی بہترین مخلوق جو بہشتِ عدن میں پہنچیں گے ان کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی خشیت رکھتے ہیں، اس سے ڈرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ فاطر، آیت : ۲۸ میں ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ

ترجمہ: ”لوگوں میں سے علماء ہی ہیں جو اپنے رب سے خشیت و خوف کھاتے ہیں۔“

---

[1]۔ تفسیر برہان جلد ۴، حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دُنیا سے جا رہے تھے تو ان کا سر مبارک میرے سینہ پر تھا اور اس حالت میں اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے اور فرمارہے تھے یا علی خیر البریہ، تیرے شیعہ ہیں۔ یعنی ساری مخلوق میں بہترین۔ اور میرا وعدہ تیرے ساتھ ہے کہ حوض کوثر کے کنارے پر ہم اکٹھے ہوں گے اور جب تمام اُمتیں حساب کے لیے اکٹھی ہوں گی تو تیرے شیعہ نام اور لقب کے ساتھ اُن کی پیشانی پر سفید رنگ سے لکھا ہوا ہو گا اور اسی سے ان کو پکارا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سبب بنتا ہے کہ انسان اللہ کا خوف کھائے۔ خشیت اور خوفِ خدا یہ اللہ پر ایمان کے نتیجے میں آتا ہے۔ لہٰذا جو خدا سے ڈرتا ہے تو حتمی طور پر وہ اللہ کی ربوبیت والوہیت کا قائل ہے اور اُس کے تمام اعمال صالح ہوتے ہیں؛ چاہے وہ اعمال ظاہری ہوں یا باطنی اور وہ اللہ کے اوامر کے مطابق ان کو انجام دیتا ہے۔

سورۃ الزلزال

(مدنی۔ کل آیات: 8)

سورہ کے مطالب

قیامت کے حالات کا بیان ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی۔“

وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”اور زمین اپنے بوجھ نکال پھینکے گی۔“

وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾

ترجمہ: ”اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا۔“

یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ”اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔“

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰی لَهَا ؕ﴿۵﴾

ترجمہ: ”اس لیے کہ آپ کا رب اس کو حکم دے گا۔“

قیامت بپا ہونے کی کیفیت کا بیان

زلزلہ اور زلزال پے در پے حرکت کرنے اور نہ ٹھہرنے کے معنی میں ہے اور ثقل بوجھ کے معنی میں ہے۔ زمین میں جب خوفناک قسم کا زلزلہ آئے گا تو یہ زلزلہ رکے گا نہیں اور اس کے نتیجے میں مردے اور خزانے اور معدنیات جو کچھ زمین کے اندر ہے سب باہر نکل آئیں گے۔

مجمع البیان میں ہے کہ منکرین معاد جب وحشت اور حیرت کے ساتھ باہر آئیں گے اور ہولناک زلزلہ دیکھیں گے تو کہیں گے یہ کیا ہو گیا ہے؟ اس وقت زمین انسانوں کے انجام دیئے گئے اعمال کی گواہی دے گی، انبیاء گواہ ہوں گے، شہداء گواہ ہوں گے، فرشتے گواہ ہوں گے، انسانی بدن کے اعضاء بھی ان کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ زمین کا خبر دینا اس وجہ سے ہے کہ تیرا رب زمین سے کہے گا کہ ان کو بتاؤ اور رب کی اجازت سے یہ بتا رہی ہو گی اور ان سارے حادثات اور واقعات کی گواہی دے گی جو انسان نے زمین پر بجالائے ہوں گے۔ کیونکہ موجودات عالَم صاحب شعور اور ادراک ہیں، انسان اپنے علاوہ کسی پر توجہ نہیں دیتا اور وہ موجودات میں موجود شعور سے غافل ہے۔ اسے نہیں پتہ کہ سب کچھ اس کا ہر عمل دیکھ بھی رہے ہیں اور سن بھی رہے ہیں۔ آپ سے عالم کا ہر ذرہ یہ کہہ رہا ہے، شب و روز کہہ رہے ہیں کہ ہم سنتے بھی ہیں، دیکھتے بھی ہیں، ہم ہوشیار بھی ہیں لیکن ہم نامحرموں سے خاموش ہیں۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝٦

ترجمہ: ''اس دن لوگ مختلف حالتوں میں لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔''

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٧

ترجمہ: ''پھر جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

قیامت کے دن تمام اعمال کا مشاہدہ

قیامت کے دن لوگ حساب کے مقام کی جانب آگے بڑھیں گے۔ اس کے بعد ان کو بہشت یا دوزخ کی طرف جانا ہوگا۔ وہ سب متفرق اور مختلف ہوں گے۔ کچھ سعادت والے ہوں گے کچھ شقاوت والے ہوں گے، دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوں گے، دونوں اپنے اعمال کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ان کو بدلہ دیا جارہا ہوگا اور اسی بدلہ کے تحت ان کے اعمال مجسم ہو جائیں گے، خیر کو بھی دیکھیں گے، شر کو بھی دیکھیں گے۔[1] لوگوں کا قبروں سے باہر نکلنا اور متفرق ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کی شکلوں سے واضح ہو گا کہ یہ الگ الگ ہیں۔ پھر فرمایا کہ باریک ترین دانہ جو رائی کے برابر ہے جو آفتاب کی شعاعوں سے بمشکل دیکھا جا سکتا ہے یا باریک ترین چیونٹی کے برابر بھی اچھائی یا شر ہو گا تو وہ اسے دیکھے گا یعنی چھوٹا بڑا عمل جو بھی اس نے کیا ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی اور نہ اس جگہ اعمال حبط ہوں گے اور نہ وہاں اعمال چھپا لیے جائیں گے۔ ہر فرد اپنے حبط شدہ عمل کو بھی دیکھے گا اور جس نے کوئی اچھا عمل انجام نہیں دیا تو اسے بھی مشاہدہ کرے گا۔ توبہ کرنے والوں کی برائیوں پر پردہ ڈال دیا جائے گا اور وہ ایسے ہوں گے جیسے انہوں نے گناہ کیا ہی نہ ہو اور کوئی شر کا ارتکاب نہیں کیا تا کہ قیامت کے دن وہ رسوا نہ ہوں۔

---

[1]۔ تفسیر روح المعانی، جلد ۳۰۔

سورۃ العادیات

(مکی۔ کل آیات: 11)

سورہ کے مطالب

اللہ کی نعمات کا کفران کرنے والوں کا انجام۔ راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کا تذکرہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ان گھوڑوں کی قسم جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔''

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔''

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''پھر صبح کے وقت دھاوا بولتے ہیں۔''

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''پھر وہ وقت جب غبار اُڑاتے ہیں۔''

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''پھر اس وقت دشمنوں کی جماعت میں جا گھستے ہیں۔''

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾

ترجمہ: ''بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔''

''عَدُو'' تیزی سے دوڑنے کے معنی میں ہے۔ جب گھوڑے دوڑ رہے ہوتے ہیں تو اس وقت جو آواز نکل رہی ہوتی ہے، اسے عربی میں '' ضبح '' کہتے ہیں، اور کسی چیز کو پتھر پر مارنے سے جو چنگاری نکلتی ہے اسے ''موریات'' کہا جاتا ہے۔ ''قدح'' وہ پتھر جس سے آگ کی چنگاری نکل رہی ہو۔ ''مغیرات'' غافل کرنے والے، '' نقع'' حملہ کے وقت کا گرد و غبار۔ اللہ فرما رہا ہے کہ تیز رفتار گھوڑوں کی قسم جو دوڑتے وقت ہانپ رہے ہوتے ہیں۔ اور جب دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں اور دوڑے جا رہے ہوتے ہیں تو تیز دوڑنے کی وجہ سے ان کے سموں سے جو چنگاریاں نکل رہی ہوتی ہیں ان چنگاریوں کی قسم۔ اور جو ان کے اوپر سوار ہیں اور صبح کے وقت دشمن کی غفلت کی حالت میں ان پر حملہ آور ہوتے ہیں اور گرد و غبار سے گزرتے ہیں اور اکٹھا حملہ کر دیتے ہیں ان کی قسم۔

غزوۂ سلاسل

یہ آیت امیر المومنین علی علیہ السلام کے وصف میں ہے جب انہوں نے غزوہ سلاسل یعنی زنجیروں والی جنگ میں شرکت کی اور دشمن کو شکست دی۔ یہ کامیابی چند دفعہ حملہ کرنے کے بعد حاصل ہوئی، مولا علی علیہ السلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے کچھ اور لوگوں کی کمانڈ میں لشکر بھیجا لیکن جو بھی لشکر گیا وہ شکست کھا کر واپس آگیا لیکن جب امیر المومنین علیہ السلام گئے تو کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور سورہ العادیات آپ کی کامیابی پر اتری۔ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے پیغمبر اکرم ﷺ نے نماز کے بعد اس سورہ کی تلاوت کی۔ اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے تو اس سورہ کو پہلے نہ سنا ہے اور نہ جانا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علی علیہ السلام نے دشمنوں پر تابڑ توڑ حملہ کیا ہے اور کامیاب ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے توسط سے یہ سورہ بھیج دی ہے اور علی علیہ السلام کی فتح کی خوشخبری مجھے سنائی ہے۔ کچھ دن نہیں گزرے تھے کہ علی مولا

علیہ السلام بہت ساری غنیمتیں اور جنگی قیدی لے کر آگئے۔اس جنگ کو اس لیے سلاسل کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے دشمن کو بہت بڑی شکست دی اور ان کے بہت سارے افراد کو قتل کیا اور بہت ساروں کو قیدی بنا کر زنجیروں میں جکڑ کر مدینہ لے آئے۔ سچ یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگار کا کافر اور ناشکرا ہے۔ اس جگہ انسان کی طبیعت و مزاج بیان کیا گیا ہے کہ ایسی بڑی نعمتیں ملتی ہیں لیکن وہ ان نعمات پر شکر بجا نہیں لاتا ،ناشکری کرتا ہے ۔جنگ سلاسل میں فتح اور کامرانی اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ایک بڑی نعمت تھی۔ مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا کہ وہ اس نعمت پر شکر بجا لائیں،ناشکری نہ کریں ۔

وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾

ترجمہ: ''اور بے شک وہ اس بات پر خود گواہ بھی ہے۔''

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور بے شک وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔''

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾

ترجمہ: ''پس کیا وہ نہیں جانتا جب اکھاڑا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے۔''

وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور جو دلوں میں ہے وہ ظاہر کیا جائے گا۔''

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۧ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''بے شک ان کا رب ان سے اس دن خوب خبردار ہوگا۔''

انسان کی طبیعت ومزاج

ان آیات میں انسان کے مزاج کی خبر دی گئی ہے۔ انسان کی طبیعت ایسی ہی ہے کہ وہ خواہشات نفسانی کی پیروی میں اس طرح دنیا کا دلدادہ ہو جاتا ہے، دُنیاوی لذات میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کے شکر بجالانے سے غافل ہو جاتا ہے اور کفر کر بیٹھتا ہے جبکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شکر بجا نہیں لایا۔ اور یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ کفران نعمت اچھی چیز نہیں ہے۔ انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ مال کو بہت چاہتا ہے، مال خرچ کرنے میں بخیل ہے تنگ نظر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ یہ انسان کا فطری تقاضا ہے کہ خیر اور اچھائی سے محبت کرے لیکن مال دُنیا میں فریفتہ ہو جاتا ہے، دُنیا کی زینت اس کے دل میں گھر کر جاتی ہے اور اسی کو وہ خیر سمجھنے لگتا ہے۔ یہی چیز اس کے دل سے رب کی یاد بھلا دیتی ہے اور نعمت کا شکر نہیں کرتا۔ شکر نعمت یہ ہے کہ اللہ کی نعمات کو اس طرح خرچ کرنا جیسا کہ اللہ نے چاہا ہے۔ ان آیات میں مسلمانوں کے جہاد کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام کی نعمت انہیں ملی اور کفر سے انہیں ہدایت ملی اور پھر فرمایا کہ کیا انسان کو پتہ نہیں ہے کہ اس کفر کرنے اور ناشکری کرنے پر سزا ہے؟ اور بہت جلد یہ سزا اسے ملے گی اور اس کے اس جرم کا بدلہ اسے دیا جائے گا۔ جب قبروں سے بدن باہر آئیں گے اور انسانوں کے باطنی راز برملا ہو جائیں گے اور کھل کر سامنے آجائیں گے کہ وہ کافر ہیں یا مومن ہیں؟ اطاعت کرنے والے ہیں یا نافرمان ہیں؟ خداوند تبارک و تعالیٰ ان کے حالات سے آگاہی رکھتا ہے اور ان کے باطن کے مطابق ان کو بدلہ دے گا کوئی اپنے عمل کو چھپا نہیں سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ الطارق کی آیت: ۹ میں فرمایا ہے کہ ”قیامت ایسا دن ہے کہ جس میں ہر شے کا باطن آشکار وظاہر ہو جائے گا“

سورۃ القارعۃ

(مکی۔ کل آیات: 11)

سورہ کے مطالب

قیامت کے عذاب سے ڈرانا، دھمکانا اور قیامت کے ثواب کی بشارت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡقَارِعَۃُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''کھڑکھڑانے والی۔''

مَا الۡقَارِعَۃُ ۚ﴿۲﴾

ترجمہ: ''وہ کھڑکھڑانے والی کیا چیز ہے۔''

وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡقَارِعَۃُ ؕ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو کیا خبر کہ وہ کھڑکھڑانے والی کیا چیز ہے۔''

یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔''

وَ تَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِہۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور پہاڑ رنگی ہوئی دھنی ہوئی اُون کی طرح ہوں گے۔''

قیامت کے دن کے حالات

القارعہ، یعنی ایسا حادثہ جو قیامت کے دن آئے گا جو ہلا کر رکھ دے گا جس سے ہر شخص ہل جائے گا اور ڈر جائے گا اور بے چینی پھیل جائے گی جس دن اللہ کے دشمن سخت عذاب سے درہم برہم ہو جائیں گے۔ یہاں پر اس کا تکرار اس لیے ہوا ہے تاکہ قیامت کے دن کی ہولناکی کو بیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ دن ایسا ہو گا جیسے بکھری ہوئی مکڑیاں ہوتی ہیں اور زمین پر جیسے پتنگے بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ اپنی ابدی منزلوں کی طرف حرکت کریں گے، یا سعادت مند ہوں گے یا بدبخت۔

بعض مفسرین نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے میدان محشر میں بکھرے ہوئے ہونے کو اس لیے مکڑیوں سے تعبیر کیا ہے کیونکہ مکڑی جب اوپر اٹھتی ہے یا نیچے بیٹھتی ہے تو بغیر ہدف کے اڑ رہی ہوتی ہے اور پتنگے بھی اسی طرح اڑ رہے ہوتے ہیں۔ لوگ قیامت کے دن ڈر اور خوف اور پریشانی کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگ رہے ہوں گے کوئی سمجھ نہیں آ رہی ہو گی اور اپنی ابدی منزلوں کی طرف رواں دواں ہوں گے۔ پہاڑ اس دن دھنی ہوئی روئی کی مانند بکھرے ہوئے ریزہ ریزہ ہوئے ہوں گے اور یہ کہ پہاڑوں کے رنگ بدل جائیں گے اور قیامت کے دن ایسا زلزلہ آئے گا کہ وہ متلاشی ہو جائیں گے اور پوری فضا پراگندہ ہو جائے گی کچھ بھی اپنی جگہ پر باقی نہیں رہے گا۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ”تو جس کے اعمال (نیک) تول میں زیادہ ہوں گے۔“

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾

ترجمہ: ”تو وہ خاطر خواہ عیش میں ہو گا۔“

وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور جس کے اعمال (نیک) تول میں کم ہوں گے۔''

فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝٩

ترجمہ: ''تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔''

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝١٠

ترجمہ: ''اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ کیا چیز ہے۔''

نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

ترجمہ: ''وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔''

نیک اور بُروں کا انجام

اس دن تمام اعمال کا ایک وزن اور ایک حیثیت اور قدر و قیمت ہو گی۔ اعمال کا جائزہ لینے اور ان کی قدر و منزلت جاننے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں باقاعدہ ایک ترازو موجود ہے ۔ جن کے اعمال میں اللہ پر ایمان ؛ اطاعت اور عبادات ہوں گی تو اس کے مطابق ہی ان کی زندگی طیب اور خوشی کی زندگی ہو گی اور رضایت بخش ہو گی اور ان کا عمل وزنی ہو گا اور اس کی قدر و قیمت ہو گی۔ لیکن اس کے برعکس جن کے اعمال میں کفر ؛ معصیت اور نافرمانی ہو گی تو اللہ کے نزدیک ان کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہو گی اور ایسے اعمال بے حیثیت اور بے حقیقت اور بے وزن ہوں گے اور ایسے اعمال والے اسفل السافلین میں گریں گے، ھاویہ میں سقوط کریں گے ، اس کی توصیف بیان کی گئی ہے کہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ مجاز عقلی کے باب سے ہاویہ کو تمام دوزخوں کی ماں کہا جاتا ہے یعنی جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اس کی ماں ھاویہ ہے۔ وہ دوبارہ اپنی ماں کے دامن میں جائیں گے، یعنی جہنم انہی کی ماں ہے اسی کی طرف پلٹ کر جائیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی ہو گی۔

سورۃ التکاثر

(مکی۔ کل آیات: 8)

سورہ کے مطالب

مال اکٹھے کرنے پر لگے اور اولاد کی محبت لیے قبروں تک پہنچ جانے والوں کی مذمت ،انجام کی جانب توجہ اور یہ کہ دُنیا فانی اور مال عارضی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”تمہیں حرص نے غافل کردیا۔“

حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾

ترجمہ: ”یہاں تک کہ قبریں جادیکھیں۔“

غفلت کا نتیجہ

اس سورہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو مال اور ساتھیوں کی کثرت پر فخر و مباہات کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس حوالے سے برتر سمجھتے ہیں اور اسی میں مگن رہتے ہیں اور اپنی پوری زندگی لغویات اور بے ہودہ کاموں میں گزار دیتے ہیں اور یہ فخر کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنے نوکر ہیں اتنے خدمت کرنے والے ہیں ہمارا اتنا وسیع دائرہ کار ہے اور اتنا زیادہ مال ہے اور اسی پر ہی ساری زندگی گزار دی اور پھر مردوں کے ساتھ قبروں میں جا کر مل گئے۔ حالانکہ وہ دُنیا میں سب بھول چکے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ہم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ روایات میں ہے کہ یہ سورہ انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو ایک دوسرے پر برتری جتاتے تھے۔ اس سورہ میں انہیں سمجھایا گیا ہے کہ ایک دوسرے پر کثرت کی برتری جتانا اور اس پر فخر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ بعض روایات کے مطابق یہ واقعہ مکہ میں ہوا ہے جس میں بنی عبد المناف اپنی اولاد کی کثرت اور مال کی کثرت پر بنی ہاشم پر فخر و

مباہات کرتے تھے۔ بہر حال بات عمومی اور سب کے لیے ہے صرف اس دور کے لوگوں کے لیے یا اس خاص واقعے سے مربوط لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ زمینی حقیقت دیکھیں تو بھی اسی طرح ہے کہ جو مال و دولت، کثرت اولاد اور حامیوں کی کثرت پر فخر کرتے ہیں اور اس میں اس قدر غرق ہو جاتے ہیں کہ آخرت بھول جاتے ہیں قبر میں جانے کو بھول جاتے ہیں ان کا یہی فخر و مباہات ان کو غفلت میں ڈال دیتا ہے۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''ایسا ہرگز نہیں، آئندہ تم جان لوگے۔''

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: ''پھر ایسا نہیں ہونا چاہیے، آئندہ تم جان لوگے۔''

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ﴿۵﴾

ترجمہ: ''ایسا نہیں ہونا چاہیے، کاش! تم یقینی طور پر جان لیتے۔''

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''البتہ تم ضرور دوزخ کو دیکھوگے۔''

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ﴿۷﴾

ترجمہ: ''پھر تم اسے ضرور بالکل یقینی طور پر دیکھوگے۔''

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۧ﴿۸﴾

ترجمہ: ''پھر اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

انسان کا بے مقصد کاموں میں مصروف رہنے کا انجام

ان آیات میں انسان کو دھمکی دی گئی ہے کہ ان بے ہودہ کاموں میں اپنے آپ کو سرگرم نہ رکھو یہ تمہارے فائدے میں نہیں ہیں اور یہ تمہیں اہم کاموں اور بڑے مقاصد سے روک لیتے ہیں ۔ تم اس غفلت کے برے اثرات کو جلد پاؤگے اور ان کو دیکھوگے ۔ یہ وقتی زندگی ختم ہو جائے گی اور تمہاری موت آجائے گی۔ دوبارہ اسی بات کی تاکید کی ہے کہ تم بہت جلدی اس چیز کو جان لوگے ۔

بعض مفسرین [1] نے کہا ہے کہ پہلی آیت میں موت کے آنے کے وقت کو بیان کیا گیا ہے اور دوسری آیت میں قیامت کے آنے کا وقت بیان ہوا ہے جب سب مردوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور پھر "کلا" کہہ کر سب کی بات کا تکرار ہے اور تاکید ہوئی ہے۔ اللہ فرمارہا ہے: یہ علم یقینی ہو گا اور اس میں کوئی شک نہیں ہو گا اور یہ امر اور اس کی حقیقت کو تم لوگ دیکھ لو گے۔ میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں کہ جب وہاں پہنچوگے تو تمہارا فخر و مباہات بہت جلد دوزخ کی آگ میں نابود ہو جائے گا۔ یہاں پر دیکھنے سے مراد رؤیت قلبی ہے جو کہ علم الیقین کے آثار میں سے ہے اور یہ رؤیت قیامت سے پہلے اہل یقین کو حاصل ہو جائے گی۔

پھر فرمایا: کہ بہت جلد خالص یقین کے ساتھ دوزخ کا عینی مشاہدہ کروگے ۔ عین الیقین علم الیقین کی منزل کے بعد ہے۔ انسان کا مشاہدہ کرنا، قیامت کے دن کو دیکھنا کہ اس دن ظاہری آنکھ سے اسے دیکھیں گے۔

اللہ کی نعمت کے بارے سوال

---

[1] ۔ تفسیر قرطبی جلد ۲۰۔

پھر فرمایا کہ جب وہاں پہنچو گے تو اللہ کی نعمت کے بارے تم سے پوچھا جائے گا۔
اگرچہ آیت میں تکاثر اور مباہات کا ذکر ہوا ہے یعنی ان لوگوں نے برتری کے معیار کو مال کی کثرت اور ساتھیوں کی کثرت قرار دیا ہے اور اس کی بنیاد پر فخر و مباہات کرتے ہیں اور خود کو دوسروں سے برتر قرار دیتے ہیں، جبکہ اللہ نے تقویٰ کو برتری کا معیار بنایا ہے در حقیقت ان آیات میں لوگوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی نعمات کو دیکھ کر نعمت دینے والے سے بے خبر نہ رہیں، اس کو یاد کریں۔ یہاں پر مطلق نعمتیں مراد ہیں چاہے وہ ظاہری نعمتیں ہوں یا باطنی نعمتیں۔ انسان کو جو بھی نعمت ملی ہے وہ خدا سے ملی ہے اور اس سے خدا اور اس نعمت کے بارے میں سوال ہو گا۔ اسے چاہیے کہ ان نعمتوں کو اللہ کی رضایت میں استعمال کرے اور یہی شکر نعمت ہے۔ ان نعمتوں کے ذریعے بندگی اور اطاعت رب میں مصروف ہو جائے اور یہی آفرینش کی خلقت کا مقصد اور ہدف ہے۔ اگر نعمت دینے والے کو بھول جائے اور کفران نعمت کرے، ناشکری کرے اور معصیت میں غرق ہو جائے اور اصل ہدف سے خود کو جدا کرلے اور جس کمال تک اس نے پہنچنا تھا اس کو بھول جائے اور گمراہی کی طرف چل پڑے تو اس کے بارے میں سوال ہو گا کہ تم نے اللہ کی نعمات کو کہاں خرچ کیا اور اس کو کس جگہ ضائع کیا؟ اللہ کی جانب سے عطا کی گئی جوانی کی نعمت، صحت کی نعمت، وقت کی نعمت اور دوسری بے حساب نعمتوں کا شکر بجا کیوں نہیں لایا؟ ”میں نے جن اور انس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں“[1][2]

---

[1] ۔سورہ الذاریات، آیت ۵۶۔

[2] ۔ فروع کافی جلد ۶ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس دن کھانے پینے کے حوالے سے دی گئی نعمت کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ دین حقہ کے بارے میں سوال ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے بارے سوال ہوگا کہ یہ جو تمہارے لیے ہادی بن کر آئے تھے ان کی معرفت حاصل کی ہے؟ ان کی ولایت رکھی ہے یا نہیں؟ کیوں نہیں رکھی؟

سورۃ العصر

(مکی۔ کل آیات: 3)

سورہ کے مطالب

قرآنی معارف اور قرآن کے مقاصد کا مختصر ترین شکل میں بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''زمانہ کی قسم ہے۔''

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔''

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ٪﴿۳﴾

ترجمہ: ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی آپس میں وصیت کرتے رہے۔''

کامیاب انسان اور خسارہ اُٹھانے والا انسان

اس مقام پر عصر سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا زمانہ ہے۔ یعنی پورے انسانی معاشروں پر اسلام کے طلوع کا زمانہ اور حق کا باطل پر غالب آنے کا دور۔

بعض مفسرین نے عصر سے دن کے وقت ظہر کے بعد کا وقت مراد لیا ہے۔ اور بعض نے نماز عصر کا وقت مراد لیا ہے اور بعض نے اس سے شب و روز مراد لیا ہے اور بعض نے امام مہدی (عج) کے ظہور کا زمانہ مراد لیا ہے۔[1]

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں عصر کی قسم کھائی ہے اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی آمد کا زمانہ ہو، اسلام کے ظہور کا زمانہ ہو یا حضرت امام مہدی (عج) کی آمد کا زمانہ ہو یا عصر کا وقت، اس قسم میں اللہ نے عصر کو بنیاد بنا کر اس کا تذکرہ کرکے یہ بات کہی ہے کہ انسان خسارے میں ہے۔ اور خسران کو نکرہ لایا ہے تاکہ اس کی عظمت پر دلالت کرے۔ یعنی عظیم خسارت وہی خسارت ہے جو انسان اپنے نفس اور اپنی ذات میں اٹھاتا ہے اور سورہ زمر کی آیت: ۱۵ میں ہے ''سچ یہ ہے کہ بڑا نقصان اٹھانے والے قیامت کے دن وہ ہیں جو اپنی ذات میں نقصان اٹھائیں گے اپنے گھر والوں کے حوالے سے بھی نقصان اٹھائیں گے اور یہ نقصان ظاہر ہے ان کے اپنے اعمال اور عقیدہ کی وجہ سے ہوگا''۔

خسارت کا معنی واضح ہے، یعنی انسان کے اصل سرمایہ کا ضائع ہو جانا۔ انسان کا اصل سرمایہ اس کی عمر اور اس کی ذات ہے۔ اگر وہ ہاتھ سے چلے جائیں اور انسان پوری عمر گزار لے اور کمال حاصل نہ کرے، عمل صالح بجا نہ لائے تو یہ ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اس سے بڑا خسارہ اور ہو نہیں سکتا۔ اگر پورے انسانوں کا جائزہ لیا جائے تو انسان کی نوع اور جنس خسارت میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح انجام دیا اور ایک دوسرے کو حق کی سفارش کی اور حق کی خاطر صبر کیا، ایک دوسرے کو نصیحت اور وصیت کی یہی لوگ کامیاب ہوئے اور خسارے سے بچ گئے۔ یعنی حق کا عقیدہ رکھنا اور عمل صالح بجالانا یہ اخروی سعادت اور خوش بختی کا ضامن ہے۔ جو کفر اختیار کرے اس کا نقصان اس کے لیے

---

[1]۔ تفسیر مجمع البیان جلد ۱۰ اور تفسیر نور الثقلین جلد ۵۔

ہے کیونکہ اس نے خود اپنے سے خیر کو محروم کیا ہے، کیونکہ اس نے اپنے سرمائے یعنی نفس اور مال کی تجارت کو اپنے نقصان کا ذریعہ بنایا ہے۔

اس عبارت کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ اس مقام پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ، اللہ کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان لائے۔ اور "عملوا الصالحات" سے سارے صالح اعمال مراد ہیں۔ یہ استثناء فاسقوں کو بھی شامل ہے کیونکہ انہوں نے بعض نیک اعمال کو انجام دیا ہے اور ان میں سے کچھ کو چھوڑا ہے۔ لہٰذا اگر اس سے مراد خسران کامل ہو تو یہ صرف کافروں کو شامل ہوگا جنہوں نے ہمیشہ عذاب میں رہنا ہے اور جن کے لیے خسران مطلق ہے۔ لیکن اگر اس سے مراد خسران نسبی ہو تو فاسق ایک لحاظ سے نقصان اٹھانے والے ہیں اور ایک لحاظ سے فائدہ اٹھانے والے ہیں یعنی وہ کچھ عرصہ آگ میں رہیں گے پھر ان کا عذاب ختم ہو جائے گا اور انہیں شفاعت مل جائے گی اور اس طرح وہ ثواب حاصل کر لیں گے ۔ یا اگر انہوں نے توبہ کی ہو تو انہیں ان گناہوں کی معافی مل جائے گی۔

پیغام: کامیاب انسان وہ ہے جو اللہ پر، اللہ کے رسولوں پر ، قیامت پر ایمان لانے کے بعد عمل صالح انجام دے اور اللہ کی اطاعت کے راستے میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرے اور جو خود حق پر آگئے ۔ وہ دوسروں کو بھی حق کی دعوت دیں۔ اس مختصر سورہ میں بہت ہی عمدہ انداز سے ایک کامیاب انسان کا تعارف کروایا گیا ہے ۔ ہر انسان پر ہے کہ وہ اپنی حقیقی کامیابی کے لیے کوشش کرے اور زمانے کے حالات کا مطالعہ کرے۔ ماضی کے انسانوں کا جائزہ لے کہ کون کامیاب ہوئے اور کون ناکام ہوئے اور کس وجہ سے ہوئے؟ اس مطالعے کی روشنی میں اپنے لیے راستہ متعین کر سکتا ہے اور ایک مسلمان جو پہلے ہی راہ ہدایت پا چکا ہے۔اس پر لازم ہے کہ عمل صالح کے ذریعے اپنی کامیابی کو یقینی بنائے کیونکہ ایمان بغیر عمل صالح کے اور عمل صالح بغیر ایمان کے کامیابی کا ضامن نہیں۔

سورۃالھمزۃ

(مکی۔ کل آیات: 9)

سورہ کے مطالب

مال جمع کرنے والوں، مال دنیا کے ذریعے دوسروں پر فخر کرنے والوں اور دوسروں کے عیب بیان کرنے والوں کو دھمکی اور اس کے نقصان کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَيۡلٌ لِّـكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ‏ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ہر غیبت کرنے والے طعنہ دینے والے کے لیے ہلاکت ہے۔''

اۨلَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ‏ ﴿۲﴾

ترجمہ: ''جو مال کو جمع کرتا ہے اور اسے گنتا رہتا ہے۔''

يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۚ‏ ﴿۳﴾

ترجمہ: ''وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے سدا رکھے گا۔''

بد بخت انسان کے اوصاف

''هُمَزَةٍ'' بغیر کسی وجہ کے دوسروں پر طعنہ زنی اور دوسروں کی عیب جوئی اور ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو پکڑ کے ان کی عدم موجودگی میں ان کی غیبت کرنے کو کہتے ہیں۔۔ لُّمَزَةِ، سامنے بیٹھے ہوئے شخص پر اعتراض کرنے اور اس کی توہین کرنے کے معنی میں ہے۔ ان آیات میں کہا گیا ہے کہ ایسے شخص پر وائے ہے، بہت پھٹکار ہے جو لوگوں کے عیب نکالتا ہے اور ان کی غیبت کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو بیان کرتا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جو حقیر دُنیاوی مال جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اسی کو اکٹھا کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے اور مال کے انبار دیکھ کر خوشحال ہو رہا ہوتا ہے حالانکہ یہ مال اسے کوئی فائدہ نہ دے گا اور نہ ہی اس کے درد کی دوا کرے گا اور نہ ہی اسے موت سے بچائے گا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا اور اسے موت سے بھی بچا لے گا۔ دُنیا اور مال دُنیا جس سے وہ محبت اور لگاؤ رکھتا ہے

وہ اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا، دُنیا فناء ہونے والی ہے اور موت بھی آجائے گی۔ یہی انسان بڑا ہی بد بخت ہے۔

كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿٤﴾

ترجمہ: ''ایسا ہرگز نہیں اسے تو ضرور حطمہ میں پھینکا جائے گا۔''

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿٥﴾

ترجمہ: ''اور آپ کو کیا معلوم حطمہ کیا ہے۔''

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿٦﴾

ترجمہ: ''وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔''

الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿٧﴾

ترجمہ: ''جو دلوں تک جا پہنچتی ہے۔''

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾

ترجمہ: ''بے شک وہ ان پر چاروں طرف سے بند کر دی جائے گی۔''

فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾

ترجمہ: '' لمبے لمبے ستونوں میں۔''

آتش جہنم کے بارے

حُطمہ، دوزخ کے ناموں میں سے ایک نام ہے یعنی بہت ہی توڑ دینے والی، ٹوٹ پھوٹ کر دینے والی۔ مال کے بچاری؛ دوسروں کو طعنے دینے والے اور غیبت کرنے والے جو

یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا مال ہمیشہ رہے گا ان کا خیال غلط ہے۔ قسم کھا کر کہا جا رہا ہے کہ تم بہت جلد مروگے اور حُطمہ پر پھینک دیئے جاؤ گے حُطمہ خطرناک اور خوفناک آگ ہے اسی لیے حُطمہ کی عظمت بیان کرنے کے لیے سوال کیا گیا ہے کہ تمہیں پتہ ہے کہ حُطمہ کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ حُطمہ شعلے نکالتی، بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو اللہ نے جلائی ہے اور یہ وہی آگ ہے جو انسان کے باطن تک کو جلا کر رکھ دے گی اور اس کے اندر سے شعلہ ور ہو گی اور اسے راکھ بنا دے گی۔ اسی طرح کہا گیا ہے کہ یہ وہ آگ ہے کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔[1] ''انسان کے شعور اور اس کی فکر کا منبع اور سرچشمہ اس کا نفس ہے۔ اسی لیے کفر، فاسد اعتقادات اور پلید نیتیں سب کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے جو ان پر آکر چھا جائے گی اور ان کو گھیرے میں لے گی اور کوئی بھی اس آگ سے باہر نہیں آسکے گا اور نہ ہی اس سے نجات پا سکے گا اور یہ آگ بڑے بڑے ستونوں کی مانند ہے، جس میں اُن کو عذاب دیا جائے گا''۔

[1] ۔سورہ بقرہ، آیت ۲۴۔

سورۃالفیل

(مکی۔ کل آیات:۵)

سورہ کے مطالب

اصحاب فیل اور ان کے انجام کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ﴿۱﴾

ترجمہ: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا برتاؤ کیا۔''

اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''کیا اس نے ان کی تدبیر کو بے کار نہیں بنا دیا تھا۔''

وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور اس نے ان پر غول کے غول پرندے بھیجے۔''

تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۪ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''جو ان پر پتھر کنکر کی قسم کے پھینکتے تھے۔''

فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ٪﴿۵﴾

ترجمہ: ''پھر انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر ڈالا۔''

اصحابِ فیل کا انجام

یہاں پر رؤیت سے مراد علم ہے۔ یعنی اس آیت شریفہ میں استفہام انکاری کے ذریعے فرمایا ہے کہ کیا آپؐ کو اس بات کا یقین نہیں ہے؟ یعنی آپؐ کو یہ یقین نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ ان کا منصوبہ تھا اور وہ چاہ رہے تھے کہ کعبہ کو ویران کر دیں، ان کا یہ منصوبہ بے نتیجہ رہا اور ان کا باطل ارادہ ناکام ہوا اور ان کا سارا منصوبہ نقش برآب ہوا اور وہ متفرق ہو گئے۔ ان کے اوپر ایسے پرندے آئے جن کی چونچ پر

نوکدار چھوٹے چھوٹے سنگریزے تھے جو انہوں نے ان پر برسائے اور وہ اس طرح بے جان ہو کر ریزہ ریزہ ہو گئے اور ان ہاتھیوں کو جلا کر رکھ دیا جس طرح ایک پتا رگڑ کر ختم کر دیا جاتا ہے اور وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے سال کا ہے۔ یہ ماجرا بہت معروف اور ہر ایک کو معلوم ہے۔" ابرہہ بن سبا" جو یمن کا بادشاہ تھا اس نے یمن میں ایک عبادت گاہ بنائی اور اس کو سونے کے زیورات سے آراستہ کیا اور لوگوں سے کہا کہ جا کر اس کا طواف کریں اور اس کا حج کریں۔ وہ اس کام کے ذریعے کعبہ کا حج اور طواف ختم کرنا چاہتا تھا۔ لوگ اس کی بنائی ہوئی عبادت گاہ کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور عبادت کے لیے وہاں نہیں جاتے تھے۔ اس لیے ابرہہ نے جا کر کعبہ کو ویران کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس لیے وہ مکہ آگیا لیکن مکہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی ساری منصوبہ بندی کو ناکام بنا دیا۔ مکہ کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ ابرھہ کے فوجی مکہ والوں کے اونٹ پکڑ کر لے آئے سردار مکہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام ایک وفد کے ہمراہ ابرھہ کے پاس اس کی لشکر گاہ میں تشریف لے جاتے ہیں ابرھہ کو جب بتایا گیا کہ سردار مکہ تشریف لا رہے ہیں تو اس نے ان کا بڑا احترام کیا اور پھر بڑے ادب سے سوال کیا آپ کس غرض سے آئے ہیں؟ تو حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے فوجی ہمارے اونٹ پکڑ کر لے آئے ہیں۔ میں اس لیے یہاں آیا ہوں کہ یہ اونٹ واپس لے جاوں۔ تو اس پر ابرھہ نے بڑے غرور سے اور تحقیر آمیز لہجے کے ساتھ کہا کہ میری نظروں میں آپ کا مقام گر گیا۔ میں تو آپ کا کعبہ ڈھانے آیا ہوں۔ میں سمجھا تھا تم اس کے بارے میں بات کرو گے۔ آپ کو تو اپنے اونٹوں کی فکر ہے تو اس پر حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے پر وقار انداز میں فرمایا۔ اے ابرھہ غور سے سنو "للکعبۃ رب لحمیۃ کعبہ وانا رب الابل" کعبہ کا رب اور مالک موجود

ہے وہ خود ہی اس کی حفاظت کرے گا۔ میں تو اونٹوں کا مالک ہوں۔ اس لیے میں نے اونٹوں کی بات کی۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام واپس آ گئے۔ سارے مکہ والے انتظار میں تھے کہ کیا جواب لاتے ہیں ۔تو آپ نے سب سے کہا کہ گھروں کو چھوڑ دیں اور پہاڑ پر چڑھ جائیں اور خود کعبہ کا غلاف پکڑ کر اللہ تعالی سے التجا کی کہ اے رب! اے مالک! ہم تو کمزور ہیں۔ تو خود اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ اس کے بعد جب ابرھہ نے کعبہ پر چڑھائی کا حکم دیا تو ہوا میں چھوٹے چھوٹے پرندے ظاہر ہوئے ہر ایک کے پاس تین کنکر تھے ہر ایک نے تین تین ہاتھیوں کا خاتمہ کیا ابرھہ اہل یمن کی جانب فرار ہوا ایک پرندے نے اس کا پیچھا کیا جب وہ اپنے وزیروں، مشیروں کو اس واقعہ کے بارے میں بتا رہا تھا تواسی پرندے نے اس پر کنکر پھینکا اور وہ فی النار ہوا، ہلاک ہو گیا یہ تفصیل اجمالی ہے۔

سورۃالقریش

(مکی۔ کل آیات: 4)

سورہ کے مطالب

قریش پر اللہ تعالیٰ کے احسان کا تذکرہ، توحید کی دعوت کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''اس لیے کہ قریش کو مانوس کر دیا۔''

اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾

ترجمہ: ''ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے باعث۔''

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾

ترجمہ: ''ان کو اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے۔''

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

ترجمہ: ''جس نے ان کو بھوک میں کھلایا اور ان کو خوف سے امن دیا۔''

قریش مکہ پر اللہ کا احسان

اس سورہ کے مضمون کا تعلق سورہ الفیل سے ہے۔ بعض اہل سنت نے ان دو سورتوں کو ایک سورہ قرار دیا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اللہ نے کعبہ کا دفاع کیا، اصحاب فیل یعنی ہاتھی والوں کو ناکام و نامراد بنایا۔ یہ اس لیے تھا کہ اے قبیلہ قریش جو کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا قبیلہ ہے اور نزار بن کنعانہ کی اولاد ہیں، ایک دوسرے سے انس و الفت پیدا کرو، تعلق رکھو اور سردی اور گرمی کا سفر اپنے روزگار کے لیے قرار دو۔ اس سفر سے مراد تجارتی سفر ہے کیونکہ مکہ والوں کے ہاں نہ زراعت تھی اور نہ ہی حیوانات، ان کا گزر بسر تجارت کی آمدنی سے تھا۔ وہ گرمیوں کے موسم میں شام کے شہروں کی جانب اور سردیوں میں یمن کی جانب تجارت کرنے جاتے تھے۔ لوگ بیت اللہ کے احترام کی وجہ سے ان کے لیے کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتے تھے۔ اس جگہ ارشاد ہوا ہے کہ بیت اللہ کے احترام اور اس سے تمہاری وابستگی کی وجہ سے تمہیں تجارت میں امنیت ملی ہے تو یہ اللہ کی جانب سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو نابود کیا ہے تو اس کے لیے اللہ کا شکر بجالاؤ۔ خانہ کعبہ کے رب کی بغیر قید و شرط پرستش کرو، اسی رب نے تمہارے لیے معیشت اور روزگار کا سلسلہ بنایا ہے، امنیت فراہم کی ہے جس کی وجہ سے تم کسی ڈر اور خوف کے بغیر سفر کرتے ہو اور تجارت

کر کے آتے ہو۔ اس پروردگار کی پرستش کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ جس نے بہترین طریقے سے امور کی تدبیر کی ہے۔

سورۃ الماعون

(مکی۔ کل آیات: 7)

سورہ کے مطالب

خود کو مسلمان ظاہر کر کے نماز کو بھول جانے والوں، نماز نہ پڑھنے والوں، ریاکاری کرنے والوں، فقراء کی مدد نہ کرنے والوں اور منافقوں جیسے اخلاق رکھنے والوں کی مذمت۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝١

ترجمہ: ''کیا آپ نے اس کو دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے۔''

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲

ترجمہ: ''پس وہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔''

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳

ترجمہ: ''اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔''

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴

ترجمہ: ''پس ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے۔''

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵

ترجمہ: ''جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔''

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶

ترجمہ: ''جو دکھلاوا کرتے ہیں۔''

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷

ترجمہ: ''اور برتنے کی چیز تک روکتے ہیں۔''

قیامت کو جھٹلانے والے

اس آیت میں اگرچہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن اس سے دوسرے لوگوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا؟ یہاں پر رؤیت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے۔ اس رؤیت کو علم و معرفت کے معنی میں لیا گیا ہے۔ یہاں پر دین؛ مذہب، آئین اور روز جزا کے معنی میں ہے کیونکہ اس میں ایک چیز کا انکار دوسری چیز کے انکار کا سبب بنتا ہے۔ یہ

آیات کفار قریش کے سردار یعنی ابو جہل یا ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے ارشاد ہو رہا ہے اے محمدؐ! کیا تم نے اسے دیکھا ہے جو دین یا روز جزا کو جھٹلاتا ہے؟ اس کو جھٹلانے کا لازمہ اور اس کے نتائج کو تم نے پہچان لیا ہے؟ کیا اس نے وہ نشانیاں نہیں دیکھیں کہ وہ اپنے دروازے سے یتیم کو دھتکارتا ہے اور ظلم و جفا کرتا ہے اور اپنے اس عمل سے ڈرتا نہیں ہے، اگر وہ روز جزا پر عقیدہ رکھتا تو یتیم پر رحم کرتا اور اس پر ظلم نہ کرتا۔ اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانے کی تشویق نہیں کرتا اور خود کو ہی مال کا مطلق مالک سمجھتا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ یہ سارا مال اسی کی ملکیت ہے، جبکہ یہ سب اس کو اللہ نے دیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس میں کسی اور کا حق نہیں ہے، فقراء اور مساکین کو اس مال سے نہیں دینا چاہیے۔ ایسے نمازی جو کہ نماز کی حالت میں غافل ہوتے ہیں ان پر پھٹکار ہے، یعنی نماز نہیں پڑھتے یا پڑھتے وقت غفلت کا شکار ہوتے ہیں اور انہیں فرق نہیں پڑتا کہ نماز قضا ہو جائے یا کلی طور پر بعض اوقات نماز کو اہمیت ہی نہیں دیتے۔ نماز کو اس کے ارکان اور احکام کی روشنی میں انجام نہیں دیتے یا فضیلت کے وقت نہیں پڑھتے، تو یہ ایسے ہے گویا کہ ان کا یہ عمل بتا رہا ہے کہ وہ روز جزا پر ایمان نہیں رکھتے۔ ظاہر میں تو یہ ایمان لا چکے ہیں لیکن ان کا رویہ مومنانہ نہیں ہے، ان کا رویہ ان جیسا ہے جو روز جزا پر ایمان نہیں رکھتے، یہ ایک طرح کی منافقت ہے۔ پھر فرمایا یہ ایسے افراد ہیں جو عبادت تو بجالاتے ہیں لیکن ان کے عبادت بجالانے میں دکھاوا اور خود نمائی ہوتی ہے اور ان کا مقصد لوگوں کو دکھانا اور ان کو اپنی جانب متوجہ کرنا ہے، ایسے لوگ جب نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں تو وہ لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔ یہ ایسے افراد ہیں جو فقراء کی ضروریات زندگی کو روکتے ہیں۔ ماعون، ہر وہ عمل یا ہر وہ چیز جس کی دوسرے کو احتیاج ہو۔ اسی لیے کسی کی حاجت کو پورا کرنا جیسے قرض دینا، ہدیہ دینا، امانت لے لینا اور پھر اسے واپس کرنا اور امانت کے طور پر کسی کو کوئی چیز دینا، یہ کم ترین اور مقدور ترین حوائج جن کی اہمیت بھی نہیں ہوتی لیکن یہ اس کو

بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بعض نے کہا ہے ماعون سے مراد واجب زکوۃ ہے [1]۔ یہ افراد اس طرح کی کم ترین چیز دینے کے لیے بھی بخل اور کنجوسی کرتے ہیں اور جس شخص کی زندگی اور روش اس قسم کی ہو تو گویا کہ وہ شرک میں گرفتار ہوا ہے جیسے کہ مولا علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کم ترین شرک دکھاوا ہے۔ جو زکوۃ نہیں دیتا جو کہ ارکان اسلام میں سے اہم رکن ہے گویا وہ اس کو جھٹلا رہا ہے اور جس نے اسلام کے ایک رکن کو جھٹلایا گویا کہ اس نے پورے دین کا انکار کیا ہے۔ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو اپنا نام تو مسلمانوں والا رکھتے ہیں حتی دین کا علم بھی حاصل کیا ہوا ہوتا ہے لیکن ان کے اعمال اور ان کا کردار اسلام کے مطابق نہیں ہے۔

---

[1] ۔ تفسیر درالمنثور، جلد٦۔

سورۃ الکوثر

(مکی۔ کل آیات: 3)

سورہ کے مطالب

رسول اللہ ﷺ پر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے انعام اور احسان کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ ①

ترجمہ: ”بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر دی۔“

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲

ترجمہ: ”پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔“

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

ترجمہ: ”بے شک آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔“

رسول اللہؐ کے لیے خاص عطیہ

اس سورہ میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔ جب آپؐ کے لڑکے قاسم اور عبد اللہ بچپن میں فوت ہو گئے تو عاص بن وائل سہمی جو کفار قریش میں سے تھا، نے کہا کہ محمدؐ کی نسل ختم ہو گئی اور وہ ابتر ہے۔ یعنی ان کا کوئی وارث نہیں ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ اس کے جواب میں نازل فرمائی۔ کوثر کا معنی خیر کثیر ہے۔ بہت ساری روایات ہیں کہ کوثر سے مراد بی بی زہرا سلام اللہ علیہا کی ذریت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر اور برکت کثیر قرار دیا ہے۔ اس خیر کثیر میں یہ بھی ہے کہ اُن کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ تمام مصائب اور ظلم کے باوجود آنحضرتؐ کی اولاد سادات اور نسل کبھی منقطع نہیں ہوئی اور اس نسل کی اتنی کثرت ہے کہ اس کا مقابلہ کسی اور سے نہیں ہو سکتا اور یہ حقیقت میں آئمہ معصومین کی ذریت ہیں اور فیض عالَم کا مظہر ہیں۔ جیسا کہ حدیث کساء میں اس مطلب کی تشریح ہوئی ہے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فرمایا کہ اے محمدؐ ہم نے تجھے کوثر عطا کی ہے، ہم نے تجھے زہراؑ جیسی بیٹی دی ہے، اس نعمت کا شکر بجا لاؤ، اللہ کی نماز پڑھو اور اللہ کے لیے قربانی کرو اور اپنے ہاتھوں سے تکبیر کے لیے ہاتھوں کو کانوں تک لے جاؤ۔ ایک روایت میں آئمہ علیہم السلام سے یہ بات نقل ہوئی ہے کہ نحر کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں تکبیر کہتے وقت اپنے

ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرو۔ تیرا دشمن ہی بد خلق اور بے نسل ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہی ذلیل و خوار ہے۔

سورۃ الکافرون

(مکی۔ کل آیات: 6)

سورہ کے مطالب

مشرکین سے برأت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکہ دینے سے ان کو مایوس کرنا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”کہہ دو اے کافرو۔“

لَآ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''نہ تو میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں۔''

وَ لَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور نہ تم ہی میرے معبود کی عبادت کرتے ہو۔''

وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا۔''

وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کروگے۔''

لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ٪﴿۶﴾

ترجمہ: ''تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔''

کافروں کے لیے دوٹوک اعلان

روایت میں ہے ولید بن مغیرہ اور اسود بن مطلب اور امیہ بن خلف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجویز دی کہ اے محمدؐ آؤ آپس کی ناچاقی کا خاتمہ کریں۔ ایک سال آپ ہمارے خداؤں کی عبادت کریں، اگلے سال ہم تیرے خدا کی عبادت کریں گے۔ تفسیر قمی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ اس سورہ میں ایک جملہ کا تکرار اسی وجہ سے ہے کہ کفار نے اس جملے کو تکرار کیا تھا اور کہا تھا اگر ہمارے معبود برحق ہوں تو آپ بھی اس سے

محروم نہیں رہوگے اور اگر تیرا معبود برحق ہوا تو ہم اس سے بے بہرہ نہیں ہوں گے[1]۔ کفار کی اس بات کے جواب میں یہ سورہ نازل ہوئی اور پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ کافروں سے برائت کریں اور ان سے کہیں کہ میں ہرگز تمہارے بتوں کی پرستش نہیں کروں گا اور تم بھی میرے پروردگار کی پرستش نہیں کروگے۔ اس برائت کو ہمیشہ اور دائمی کرنے کے لیے اس کا دو بار تکرار کیا گیا ہے کہ نہ میں تمہارے معبود اور تمہارے جھوٹے خداؤں کی عبادت کروں گا اور نہ ہی تم میرے معبود برحق کی عبادت کروگے۔ یہ اشتراک نہیں ہو سکتا، میرا معبود یکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو عبادت تشریع کی ہے جو قانون بنایا ہے وہی حق ہے۔ بتوں کی عبادت ایک ایسا امر ہے جس کو تم نے گھڑا ہے، یہ جہالت ہے جیسا کہ تفسیر مجمع البیان میں یہ بات آئی ہے۔ تمہارا دین بت پرستی ہے جو خود تمہارا اپنا بنایا ہوا ہے۔ تمہارا دین مجھے کچھ بھی نقصان نہیں دے سکتا اور میرا دین، میرے لیے ہے اور یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ البتہ میرا دین برحق ہے، تم جھوٹ پر ہو، میں حق پر ہوں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے لیے دین اور نظام کا انتخاب کرے یعنی توحید اور شرک دونوں جدا جدا چیزیں ہیں اور لوگوں کو پتہ ہونا چاہیے کہ توحید کسی بھی طرح شرک کے ساتھ اکٹھی نہیں ہو سکتی، اسلام کا راستہ خدا تک جا رہا ہے اور یہ شرک سے جدا ہے اور جاہلانہ دور کی اقدار کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور تقلیدی اعمال کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ان سب کو اسلام کی طرف پلٹنا چاہیے۔ اسلام کی پیروی کرتا ہے تو پورے اسلام کی پیروی ہو، نہ کہ کچھ کی پیروی ہو کچھ کو چھوڑ دیا جائے۔ جاہلیت اسلام کے لباس میں نہیں آسکتی اور جاہلیت کا لباس پہن کر اور زمانہ جاہلیت کی روایات کو برقرار رکھ کے اسلام کا دعویٰ قبول نہیں ہے۔

---

[1] ۔ تفسیر درالمنثور جلد ٦ ۔

سورۃ النصر

(مدنی۔ کل آیات: 3)

سورہ کے مطالب

فتح مکہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیئے گئے وعدے کا بیان۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی۔“

وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا۔“

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ٪﴿۳﴾

ترجمہ: ”تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے معافی مانگیئے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔“

فتح مکہ کے بعد کی صورتحال

اس سورہ میں فتح مکہ کے متعلق اللہ کے وعدے کا تذکرہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرم ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ آپؐ کو فتح و نصرت حاصل ہوگی۔ یہ ایک غیبی خبر تھی جس کی سچائی کو قرآن نے بیان کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہی مکہ فتح ہوا اور یہ سب سے بڑی فتح تھی اور اس نے شرک کی بنیادوں کو جزیرۃ العرب سے جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور لوگ گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہونے لگے اور ایمان لانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا جارہا ہے کہ فتح اور نصرت اللہ کی جانب سے آچکی ہے اور لوگوں کو آپ نے دیکھا ہے کہ کس طرح اللہ کے دین میں وارد ہو رہے ہیں اب اس نعمت کا شکرانہ ادا کرو کہ جس سے توحید کو عزت ملی ہے، شرک ختم ہوا ہے اور باطل ناکام ہوا ہے۔

اللہ کی حمد و تسبیح کرو اور اللہ کو صفات کمالیہ کو یاد کرکے اللہ سے نقص و عیب اور حاجت کی نفی کرو۔ معصومین علیہم السلام سے منقول استغفار کا معنی معافی مانگنا نہیں ہے۔

استغفار ایک مستقل عبادت ہے جس کو آئمہ اطہار علیہم السلام انجام دیتے تھے، خدا تعالیٰ بہت زیادہ توبہ کرنے والے کو بہت دوست رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے وقت آپؐ نے کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کا وعدہ سچا تھا، اس نے اپنے بندے کی نصرت کی ہے اس کی مدد کی ہے، سارے گروہوں کو اللہ نے تنہا شکست دی ہے اور قریش کو غلام اور اسیر قرار دیا ہے کیونکہ مکہ لشکر کشی اور خونریزی کے بغیر فتح ہوا تھا۔ لہٰذا مکہ والوں کے تمام اموال رسول اللہ ﷺ کے لیے غنیمت تھی اور وہ سب اسیر اور رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے لیکن رسول ﷺ نے سب کو آزاد کر دیا اور اسی وجہ سے فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کو آزاد شدگان کہا گیا کہ جنہوں نے آزادی حاصل کی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ان پر احسان ہے۔ فتح مکہ کے بعد اہل مکہ سے پوچھا گیا کہ ان کے ساتھ کیسا سلوک ہونا چاہیے تو انہوں نے کہا کہ کریم کا بیٹا کریم ہے اور ہمیں اچھے سلوک کی توقع ہے تو آپؐ نے فرمایا آج کا دن بخشش کا دن ہے۔

سورۃ اللھب

(مکی۔ کل آیات: 5)

سورہ کے مطالب

ابولہب اور اس کی بیوی کو دھمکی اور ان کو دی جانے والی سزا کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔''

مَآ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ؕ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا۔''

سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚ﴿ۖ۳﴾

ترجمہ: ''وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔''

وَّ امۡرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ ۚ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور اس کی عورت بھی جو لکڑیاں اٹھانے والی تھی۔''

فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ٪﴿۵﴾

ترجمہ: ''اس کی گردن میں کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی رسی بندھی ہو گی۔''

تب اور تباب، خسران، ہلاکت، بطلان اور گھاٹے کے معنی میں ہے۔ یہ آیات ابو لہب کی ہلاکت اور نفرین میں ہیں۔ اس کی جتنی سازشیں تھی وہ ناکام ہوئیں، اس کی کوشش تھی کہ نور نبوت کو بجھا دے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی ہلاکت اور اس کی ناکامی کا فیصلہ کیا ہے۔ ابو لہب حضرت عبد المطلبؑ کے بیٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت ترین دشمن تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا انکار کرتا تھا، آپؐ کو جھٹلاتا تھا۔ جب آپؐ نے اپنے قبیلہ کو خصوصی دعوت دی اور ان کو دین کی جانب بلایا تو اس نے پوری بے شرمی کے ساتھ رسول اللہؐ سے کہا تبت لک، یعنی تمہارے اوپر ہلاکت ہو۔ یعنی اس خبیث نے یہ جملہ کہا۔ اس سورہ میں اس کا جواب دیا گیا کہ اے ابو لہب! تم ہلاک ہو جاؤ۔ اس کی بات اسی کی طرف پلٹائی گئی ہے۔ ابو لہب اس کی کنیت تھی، اس کا نام عبد العزیٰ یا عبد

مناف تھا۔ خدا نے اسے اس کی کنیت سے پکارا ہے اور یہ نسبت ہے آگ کی طرف۔ لہب یعنی آگ کا شعلہ۔

فرمایا گیا ہے کہ اس کے مال و ثروت اور اس کی سازشیں اور جو کام اس نے بجالائے، اس نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا اور خدا کی نفرین اس کے لیے ہے، اس کی ہلاکت کے بارے میں خدا کا فیصلہ حتمی ہے اور اس کے لیے خسارہ ہے اور اس کو آتش جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ یہاں پر آتش دوزخ کی ہولناکی بیان ہوئی ہے۔ اس کی بیوی بھی اسی آگ میں ہو گی جبکہ اس کے کندھے پر لکڑیاں ہوں گی اور اس کی گردن کھجور کے پتوں سے بنی رسی سے باندھی جائے گی۔ ان آیات میں ابولہب کی بیوی کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچاتی تھی۔ قیامت کے دن وہ اسی حالت میں ہو گی جیسے دنیا میں تھی اور خاردار رسی اس کی گردن میں لپیٹی جائے گی جس طرح وہ دنیا میں خاردار لکڑیاں اٹھا کر لاتی تھی اور رسول اللہ ﷺ کے راستے میں کانٹے والی لکڑیاں پھینک دیتی تھی، قیامت کے دن وہی کانٹے والی لکڑیاں اس کی گردن میں ڈال دی جائیں گی۔

سورۃ الاخلاص

(مکی۔ کل آیات: 4)

سورہ کے مطالب

ذات الٰہی کی احدیت اور وحدانیت اور توحید صفاتی کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ①

ترجمہ: ''کہہ دو وہ اللہ یگانہ ہے۔''

احد سے مراد

احد، ایسی ذات جس میں تعدد نہیں، جس میں کثرت نہیں ہو سکتی نہ خارج میں نہ ذہن میں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی جزو نہیں ہے۔ یہی توحید ہے جو انسانوں کے احیائے کامل کی روش ہے جسے اس کا عمل اس کو تحرک دیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے انسان زمین پر خداوند تبارک و تعالیٰ کا خلیفہ ہے، اسی سے احکام لیتا ہے، اسی سے قوانین لیتا ہے اور الٰہی معیارات کے تحت اس نے چلنا ہے اور یہی خالص دین ہے، توحیدی دین یہی ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ②

ترجمہ: ''اللہ بے نیاز ہے۔''

الصمد سے مراد

الصمد پورے اعتماد سے قصد کرنے کے معنی میں ہے۔ خدا تعالیٰ سید ہے، بزرگ ہے، برتر ہے، اسی کی طرف رخ کیا جاتا ہے اسی کے پاس حاجات جاتی ہیں، تمام موجودات عالم اسی کی طرف توجہ رکھتے ہیں، سب اسی کے محتاج ہیں، ہر چیز ذات اور اثرات چھوڑنے میں اللہ کی محتاج ہے۔ اور سب نے اللہ کی طرف ہی پلٹ کر جانا ہے۔ صَمَدْ کا الف اور لام حصر کے لیے ہے یعنی فقط خدا تعالیٰ ہی صَمَدْ مطلق ہے۔ اس پر الف لام کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ احد خود یکتائی کو بیان کر رہا ہے اور احد اللہ کے علاوہ کسی اور پر بولا نہیں جاتا۔ دونوں جملوں میں اللہ کے نام کا تکرار اس حوالے سے ہے کہ ہر جملہ مستقل ہے اور ہر جملہ اللہ کی پوری تعریف بیان کر رہا ہے، پوری پہچان کروا رہا ہے۔ ان آیات میں صفات ذاتی کے وسیلے

سے اللہ کا تعارف ہوا ہے۔ صَمَدْ صفت فعلی ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کلمہ صَمَدْ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو پر ہے اس کا اندر خالی نہ ہو اور نہ کھانے کے حوالے سے اور نہ پینے کے حوالے سے اور نہ سونے کے حوالے سے اور نہ جننے کے حوالے سے اور نہ جنے ہوئے کے حوالے سے۔[1] اس تفسیر کے مطابق بعد والی آیت لفظ صَمَدْ کی تفسیر ہو گی۔

لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔''

وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور اس کے برابر کا کوئی نہیں ہے۔''

اللہ کا کوئی شریک نہیں

ولادت ایک طرح کی تقسیم پذیری ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہے اور ترکیب کے بغیر تقسیم کا تصور نہیں ہو سکتا۔ ہر مرکب اپنے اجزاء کا محتاج ہے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ صَمَدْ ہے اور سب محتاجوں کی حاجات اسی تک پہنچتی ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اس کا فرزند نہ ہونا اس بات کی فرع اور نتیجہ ہے کہ وہ صَمَدْ ہے۔ کوئی خدا کی ہمسر نہیں ہے تاکہ وہ بیٹا پیدا کرے۔ دوسری طرف کسی نے اس کو جنا بھی نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی صمدیت کا نتیجہ ہے کیونکہ کسی چیز کا دوسری چیز سے متولد ہونا ایک طرح کا احتیاج ہے کہ مولود والد کا محتاج ہے، خدا تو صَمَدْ ہے اس کے اندر احتیاج کا تصور ہی نہیں ہے۔ مولود حادث اور جسمانی ہے اور وہاں احتیاج ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ حادث نہیں ہے اللہ تو ہمیشہ سے ہے۔ یہ نصاریٰ کی بات کی نفی ہے جو مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور مشرکین کی بات کی نفی بھی ہے جو فرشتوں

---

[1] ۔ تفسیر روح المعانی جلد ۳۰۔

اور خود ساختہ معبودوں کو اللہ کے فرزند کہتے تھے۔ کفو، یعنی کوئی موجود ذات اور صفات میں خدا کا مثل اور نظیر نہیں ہے۔ کوئی اس کا مماثل نہیں ہے کوئی اس کی مانند نہیں، کوئی کفو نہیں ہے۔ خداوند صَمَدْ مطلق ہے اور سارے موجودات اسی کے محتاج ہیں۔ اس سورہ کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اَحَدَ ہے اور اَحَدَیت اس کی صفت ہے۔ تفسیر درالمنثور میں ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ سورہ توحید قرآن کا ثلث ہے۔

سورۃ الفلق

(مکی۔ کل آیات: 5)

سورہ کے مطالب

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ مانگنے کا دستور۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”کہہ دو صبح کے پیدا کرنے والے کی پناہ مانگتا ہوں۔“

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”اس کی مخلوقات کے شر سے۔“

وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ”اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے۔“

وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ”اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔“

وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

ترجمہ: ”اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔“

اللہ کی پناہ میں آنے کا عمل

”عوذ“ یعنی بچنا، شر سے پناہ میں آنا، شر کو اپنے سے دُور کرنا۔ فلق چیرنے اور جدا کرنے کے معنی میں ہے۔ صبح رات کے اندھیرے کو چیر کر نکل رہی ہوتی ہے اسی لیے صبح نکلنے کو فلق کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ کہو میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں اور یہ وہی رب ہے جو صبح کو رات کی تاریکی سے نکالتا ہے اور اسی طرح اللہ ہی ہے جو خیر کو شر کی تاریکی سے باہر لاتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فلق سے مراد ہر وہ چیز ہے جو خلقت کے وسیلے

سے عدم سے باہر آئی ہے۔ رب فلق یعنی مخلوقات کا رب [1]۔ بعض دیگر نے کہا ہے کہ فلق جہنم میں ایک گڑھا ہے یعنی اس کا رب۔ بہر حال اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے کہا کہ تم رب کی پناہ میں آؤ اور اس طرح کہو۔ ہر مخلوق کا جو شر ہے جو اللہ نے خلق کیا ہے (کیونکہ ہر شئے کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے) اور ہر موجود سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، چاہے وہ جن سے ہو یا انس سے یا حیوانات سے ہو؛ تاریکی کا شر ہو یا اندھیرے کا۔

غسق ظلمت و تاریکی کے آغاز کو کہتے ہیں، یعنی جب سورج کی روشنی مغرب کے وقت ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں شر کو رات کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ یا تو اس کی تاریکی میں ہی شر کرتے ہیں۔ اس لیے رات کی نسبت دن میں فساد کم ہوتا ہے۔ رات کے وقت انسان کے شر کو اپنے سے دور کرنے اور اپنا دفاع کرنے کی قدرت کم ہو جاتی ہے، اس لیے اس کو اللہ کی پناہ میں آنا چاہیے۔

بعض مفسرین نے لفظ غاسق کو ہر شر کے معنی میں لیا ہے جو انسان کے اوپر آجائے، چاہے وہ رات کا ہو یا رات کا نہ ہو۔ پیغمبر اکرم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ جادو گر عورتوں کے شر سے بھی اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ یہ جادو گر عورتیں زیادہ سحر کرتی تھیں۔ سورہ البقرہ آیت ۱۰۲ سے استفادہ ہوتا ہے کہ سحر و جادو کی فی الجملہ تصدیق کی گئی ہے۔ ساحر اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہوتے۔ [2] بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے ساحر مراد نہیں ہیں۔ [3] بلکہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو حیلے اور مکاری سے شوہروں کو ان کے

---

[1]۔ فخر رازی جلد ۳۲۔

[2] لوگوں نے ہاروت و ماروت سے جو دو فرشتے تھے سحر سیکھا تھا اور اس سے وہ عورتوں اور مردوں کے درمیان جدائی ڈالتے تھے لیکن وہ اللہ کے اذن کے بغیر سحر سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ سورہ البقرہ آیت ۱۰۲۔

[3]۔ تفسیر مجمع البیان جلد ۱۰۔

فیصلوں سے منصرف کرتی ہیں۔ آخر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا جا رہا ہے کہ حاسدوں کے شر سے بھی چوکنا رہیں اور اللہ کی پناہ میں آئیں کیونکہ لوگ آپ سے بہت حسد کرتے تھے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت نظر بد کو بھی شامل ہے کیونکہ نظر بد بھی ایک قسم کا حسد ہوتا ہے، جب انسان کسی کو دیکھ کر اس پر یہ کہتا ہے کہ اس کے پاس ایسی چیزیں کیوں ہیں؟[1] یہاں پر پہلے مطلق شر کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد خاص شر کا ذکر ہوا ہے جیسے رات کا شر، جادوگرنیوں کا شر، حاسدوں کا شر۔ عام طور پر یہی تین موارد ہی ہوتے ہیں جن سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے اور انسان اس سے غافل رہتا ہے۔ انسان کو اس غفلت سے جگانے کے لیے ان کا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ وہ ان کے شر سے بچ کر رہے۔

---

[1]۔ بعض بزرگان نے کہا ہے کہ نظر بد کا مقابلہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ ایک تو صدقہ دیا جائے تاکہ مصیبت ٹلے، اور یہ دو سورتیں سورہ فلق اور سورہ الناس کو مسلسل پڑھا جائے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ نے جو نعمات عطا کی ہیں ان نعمات کو حاسدوں کے سامنے بیان نہ کیا جائے تاکہ ان کے شر سے بچا رہے۔

سورۃ الناس

(مکی۔ کل آیات: 6)

سورہ کے مطالب

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی پناہ میں آنے کا حکم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''کہہ دو میں انسانوں کے رب کی پناہ میں آیا۔''

مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''تمام انسانوں کے بادشاہ کی۔''

اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''انسانوں کے معبود کی۔''

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اس شیطان کے شر سے جو وسوسہ ڈال کر چھپ جاتا ہے۔''

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔''

مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾

ترجمہ: ''جنوں اور انسانوں میں سے۔''

جنی اور انسانی شیطانوں سے بچاؤ

انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ جب وہ ایسے شرور اور نقصان دینے والی چیزوں کا سامنا کرتا ہے جن کو وہ خود دُور نہیں کر سکتا تو وہ کسی ایسی چیز کی پناہ میں آتا ہے جو اس سے شر اور برائی کو دُور کرنے پر قادر ہو۔ اس حوالے سے تین چیزیں ایسی ہیں جو انسان سے شر کو دور کرنے پر قادر ہیں:۔

ا۔ پہلی چیز رب ہے، جو اس کے امر کا مدبر اور تدبیر کرنے والا ہے۔وہ اپنی تمام حاجات میں جس کی طرف رجوع کرتا ہے ،وہی رب ہے۔اس کا رب اس سے شر کو دُور کرنے پر قادر ہے اور اسے اس کی بقاء کی ضمانت دے سکتا ہے اور یہ ایک پورا سبب ہے جو انسان کو فائدہ دے سکتا ہے۔

۲۔ جب انسان کسی ایسی حکومت کے زیر سایہ ہو جس کا حکم نافذ ہو اور کوئی اس کو نقصان پہنچا رہا ہو تو وہ اس حکومت کے حاکم کا سہارا لیتا ہے۔ یہ بھی اپنی جگہ مکمل سبب ہے۔ لیکن اس حاکم کی سلطنت اللہ کی سلطنت اور قوت سے مربوط ہے۔

۳:اللہ حقیقی معبود ہے۔اللہ کی عبودیت کا یہ معنی ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور بندے کو چاہیے کہ اپنی عبادت کو اس کے لیے خالص کرے کیونکہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔جب بندہ معبود حقیقی کے سوا کسی کو نہیں پکارے گا اور فقط اسی کی طرف رجوع کرے گا اور اس کی چاہت کے مطابق عمل کرے گا اور کسی اور کو معبود نہیں بنائے گا تو وہی معبود اس سے شر کو دُور کرے گا۔

اللہ تعالیٰ میں یہ تین صفات موجود ہیں، وہ لوگوں کا رب بھی ہے وہ بادشاہ اور مالک بھی ہے اور وہ الٰہ بھی ہے یعنی وہی لائق عبادت ہے اس کے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں۔ شرور اور نقصان دینے والی چیزیں بھی اسی کے اختیار میں ہیں۔ان صفات کو اس ترتیب سے بیان کرنے کی وجہ بھی یہی ہے۔پہلے ربوبیت پھر مالکیت اور آخر میں الوہیت کو بیان کیا گیا ہے ۔انسان کے لیے خدا کی صفات میں سے ربوبیت نزدیک ترین صفت ہے۔اللہ تعالیٰ کی ولایت میں ربوبیت کی صفت خاص ترین ہے چونکہ خدا تعالیٰ نے مخلوقات کے درمیان انسان کے لیے ایک خاص عنایت رکھی ہے۔اصولی طور پر ولایت امر ربوبیت سے اخص ہے، جیسے باپ کی نسبت بیٹے سے۔انسان کے لیے ملک کی نسبت رب کی ولایت سے تھوڑا دور تر اور عمومی تر ہے۔الٰہ یا معبود ایک ایسا مرحلہ ہے جس میں انسان اپنی حاجت روائی کے لیے معبود کی طرف

رجوع نہیں کرتا اور الٰہ کی ولایت خاص اور عام سے سروکار نہیں ہے۔ الٰہ کی عبادت انسان کے اندرونی اخلاص سے ہوتی ہے نہ کہ مادی طبیعت کے تحت۔

یہ سورہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کی بندگی کے عالی ترین رابطہ اور تعلق کو بیان کر رہی ہے۔ اس میں تین صفات واو عاطفہ کے بغیر ذکر ہوئی ہیں۔اس میں اس معنی کی جانب اشارہ ہے کہ ربوبیت، مالکیت اور الوہیت ایسی صفات ہیں جو انسان سے شر کو دُور کرنے میں مستقل سبب ہیں اور ان میں سے ہر ایک بھی انسان سے شر کو دور کرنے کا وسیلہ بھی بن سکتا ہے۔اسی وجہ سے چھپے ہوئے وسواس سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وسواس حدیث نفس یعنی اپنے آپ سے بات کرنے کو کہتے ہیں۔ اور خناس کسی چیز کے ظاہر ہونے کے بعد پوشیدہ ہونے کو کہا جاتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا شیطان کا نام خناس ہے جو ہمیشہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ شیطان کو اس حوالے سے خناس کہا گیا ہے کیونکہ وہ انسان کو یاد خدا سے غافل کر دیتا ہے اور پھر چھپ جاتا ہے، پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جیسے انسان خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے شیطان آگے آجاتا ہے اور وسوسہ ڈالتا ہے اور انسان کو وعدہ دیتا ہے اور اس وعدے سے اس کو بھٹکاتا ہے، اور اس کی آرزوئیں بہت لمبی چوڑی بناتا ہے، دھوکہ دیتا ہے جس کے نتیجے میں انسان گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اس سے خطا ہو جاتی ہے اور توبہ واستغفار کرتا ہے، پھر آجاتا ہے شیطان۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ خناس ،لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔ یہاں پر لوگوں کے سینہ سے مراد شیطان کے وسوسے کی جگہ ہے۔ کیونکہ انسان کے ادراک اور شعور کی نسبت دل کی طرف دی گئی ہے اور دل سینے میں ہوتا ہے۔ ''وسواس الخناس'' کے بارے میں ہے کہ وسوسہ ڈالنے والا گروہ، کچھ تو جنات سے ہیں اور کچھ انسانوں سے ہیں۔ بعض لوگ اس قدر منحرف ہو جاتے ہیں کہ خود شیطان بن جاتے ہیں اور شیطانوں کے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سورہ انعام کی آیت ۱۱۲ میں فرمایا گیا ہے '' انسانی شیاطین اور جنی

شیاطین" تفسیر درالمنثور میں احمد بن سعید الخذری نے پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ ابلیس نے کہا تیری جلالت اور عزت کی قسم! جب تک بنی آدم کی روح اس کے جسم میں ہے میں اسے وسوسہ اور دھوکہ دینے میں مصروف رہوں گا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ میں بھی اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ جب بھی وہ مجھ سے معافی مانگیں گے تو میں انہیں معاف کر دُوں گا۔ اللہ ہی اس سب کے بارے آگاہ ہے۔

پیغام: ہر مومن کو چاہیے کہ وہ اللہ کی پناہ میں رہے انسانی اور جنی شیاطین کے شر سے بچنے کے لیے سورہ الناس کا ورد کرے بعض عاملین نے کہا ہے کہ ہر رات ۴۳ مرتبہ سورہ والناس پڑھنے سے انسان شیطانی وسوسوں سے باہر نکل آتا ہے اور اللہ کی پناہ میں آ جاتا ہے سورہ فلق اور سورہ ناس دونوں سورتیں پڑھنے سے جادو ٹونا، نظر بد، حسد، انسانی اور جنی شیاطین کے شر سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے لہٰذا ان دو سورتوں کو کثرت سے پڑھا جائے اور اسے اپنی زبان کا ورد قرار دیا جائے اس کا عملی فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور خود کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆